محمود الفتاویٰ (مبوب)

جلد اوّل

حالاتِ صاحب فتاویٰ، کتاب الایمان تا باب البدعات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(سابق صدر مفتی، حال شیخ الحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل)

مرتب: مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

ناشر

مکتبہ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل، گجرات

تفصیلات

نام کتاب: .... محمود الفتاویٰ (جلد اول)

مرتب: .... مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

کمپیوٹر سیٹنگ: .... محمد ساجد بن مصطفیٰ پٹنی ، عبداللہ بن اشرف مانگرولی

ناشر: .... مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

ملنے کے پتے

مکتبۂ انور، محمود نگر، ڈابھیل، 9924693470

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ، 9913319190 / 9904886188

ادارۃ الصدیق دیوبند، نزد مدنی مسجد، مدنی روڈ، دیوبند، 9997953255

فہرستِ مقدمہ

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	گرامی نامہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم	۲۵
۲	تقریظ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم	۲۶
۳	تقریظ حضرت مولانا سید مصلح الدین احمد صاحب بڑودوی دامت برکاتہم	۲۸
۴	تقریظ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم	۳۵
۵	گرامی نامہ حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودرویؒ	۳۶
۶	جدید طباعت کے متعلق	۳۹
۷	مقدمہ از مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ	۴۱
	صاحبِ فتاویٰ کے حالات زندگی	
۸	باب اول: حالات وکوائف	۴۹
۹	ولادت	۴۹
۱۰	حضرت مفتی صاحب کا خاندان	۴۹
۱۱	والدین گرامی قدر	۵۰
۱۲	والد ماجد کا انداز تربیت	۵۰
۱۳	ناجائز چپل، جوتے پہننے میں احتیاط	۵۱
۱۴	رات بھر گھر کے چوکھٹ میں	۵۲
۱۵	والد کا سفر حج اور اولاد کے حق میں دعا	۵۲

۱۶	والد صاحب کا انتقال	۵۴
۱۷	والدہ صاحبہؒ کا انتقال	۵۴
۱۸	ابتدائی دینی تعلیم	۵۵
۱۹	ابتدائی عصری تعلیم	۵۵
۲۰	والد صاحب کا فیصلہ	۵۶
۲۱	دار العلوم اشرفیہ کا انتخاب	۵۷
۲۲	دار العلوم اشرفیہ میں	۵۹
۲۳	مختلف درجات میں حاصل کردہ نمبرات	۶۰
۲۴	درجۂ فارسی اول کے نمبرات	۶۰
۲۵	درجۂ فارسی دوم کے نمبرات	۶۲
۲۶	درجۂ عربی اول کے نمبرات	۶۳
۲۷	درجۂ عربی دوم کے نمبرات	۶۴
۲۸	درجۂ عربی سوم کے نمبرات	۶۵
۲۹	درجۂ عربی چہارم کے نمبرات	۶۶
۳۰	درجۂ عربی پنجم کے نمبرات	۶۶
۳۱	درجۂ عربی ششم کے نمبرات	۶۷
۳۲	امتحان سالانہ درجۂ عربی ہفتم کے نمبرات	۶۸
۳۳	زمانۂ طالب علمی کے اوصاف	۶۹

۳۴	حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب بہ زمانۂ طالب علمی اپنے اساتذہ کی نظر میں	۷۰
۳۵	استاذ محترم مولانا مصلح الدین صاحب مدظلہ کی تحریر	۷۰
۳۶	مولانا یوسف صاحب بوڑھانیہ (کینیڈا)	۷۶
۳۷	دارالعلوم اشرفیہ کے اساتذہ	۷۸
۳۸	دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ	۷۸
۳۹	مولانا سید محی الدین قاضی	۸۰
۴۰	حضرت مولانا سید مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم	۸۱
۴۱	مولانا حکیم ابوالشفاء حبیب الرحمن صدیقی بلیاویؒ	۸۲
۴۲	حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب پالن پوریؒ	۸۵
۴۳	حضرت مولانا آدم صاحب پالن پوریؒ	۸۶
۴۴	مفتی عبدالغنی صاحب کاوی	۸۸
۴۵	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم	۹۱
۴۶	برکتِ گجرات حضرت مولانا محمد رضاء اجمیری ثم راندیریؒ	۹۶
۴۷	رضا بر قضا سے متعلق ایک واقعہ	۹۸
۴۸	قیامِ راندیر پر ایک نظر	۱۰۲
۴۹	حضرت لاجپوریؒ سے خادمانہ تعلق	۱۰۳
۵۰	حضرت شیخ الحدیث سے نیازمندانہ تعلق	۱۰۴

۵۱	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی خدمت میں عریضہ	۱۰۵
۵۲	جواب عریضہ از شیخ الحدیث	۱۰۶
۵۳	ایک خواب	۱۰۷
۵۴	خواب کی تعبیر (مغفرت کی بشارت)	۱۰۸
۵۵	ایک اَور خواب	۱۰۸
۵۶	خواب کی تعبیر	۱۰۹
۵۷	آپ کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں والد گرامی کی فکر	۱۱۱
۵۸	تربیت کے تین واقعے	۱۱۲
۵۹	فراغت کے بعد	۱۱۴
۶۰	مکتوبِ گرامی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ	۱۱۷
۶۱	نامہ ہائے گرامی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ	۱۱۸
۶۲	مکتوب حضرت مفتی صاحب	۱۲۱
۶۳	جواب از مولانا محمد رضا اجمیری	۱۲۳
۶۴	مضمونِ تصدیق	۱۲۳
۶۵	ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عربی ادب پڑھنے کے لئے درخواست	۱۲۴
۶۶	درخواست کا جواب از لکھنؤ	۱۲۵
۶۷	ارادۂ دیوبند	۱۲۵
۶۸	گرامی نامہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ	۱۲۶

۶۹	دیوبند کا رختِ سفر	۱۲۷
۷۰	دار العلوم دیوبند میں	۱۲۸
۷۱	امتحانِ داخلہ	۱۲۹
۷۲	سالِ اول فنون	۱۳۰
۷۳	مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ	۱۳۰
۷۴	مولانا محمد حسین بہاریؒ	۱۳۱
۷۵	مولانا اسلام الحق صاحب کوپا گنجی اعظمیؒ	۱۳۱
۷۶	مولانا شریف حسن صاحب دیوبندیؒ	۱۳۱
۷۷	مولانا وحید الزماں کیرانویؒ	۱۳۱
۷۸	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	۱۳۲
۷۹	بزرگوں کی مجالس میں حاضری	۱۳۴
۸۰	مکتوب منشی عیسیٰ بھائی صاحب کاوی بنام مفتی صاحب	۱۳۵
۸۱	اساتذۂ راندیر سے ربط	۱۳۷
۸۲	مکتوبات حضرت مولانا مفتی عبد الغنی صاحب کاویؒ	۱۳۷
۸۳	مکتوبات حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحبؒ	۱۳۹
۸۴	مکتوبات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ	۱۴۴
۸۵	مکتوب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ	۱۴۸
۸۶	سالِ دوم افتاء	۱۴۹

۸۷	افتاء کے لیے درخواست	۱۵۰
۸۸	حضرت فقیہ الامتؒ کا قرب خاص	۱۵۱
۸۹	افتاء کے اساتذہ	۱۵۱
۹۰	فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی	۱۵۱
۹۱	حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب	۱۵۲
۹۲	شیخین سے تعلق بیعت و تربیت	۱۵۳
۹۳	حضرت فقیہ الامتؒ سے مثالی تعلق	۱۵۵
۹۴	نکاح اور حضرت فقیہ الامتؒ کو دعوت	۱۵۶
۹۵	مژدۂ تولید پر پانچ عینیہ دعا	۱۵۶
۹۶	انتہائی قابل رشک واقعہ	۱۵۷
۹۷	ایام تعطیل میں معیت	۱۵۸
۹۸	ہاوڑہ کے پُل کے بہانہ پَل بھر میں تصرف	۱۵۹
۹۹	جھینگا کھانے پر لطیفہ	۱۵۹
۱۰۰	اصلاحِ نفس کا من جانب اللہ انتظام	۱۶۰
۱۰۱	باب دوم: تدریسی زندگی	۱۶۱
۱۰۲	تدریس کے لیے قابل آدمی کی ضرورت	۱۶۱
۱۰۳	مکتوب گرامی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی بنام مولانا محمد سعید بزرگؒ	۱۶۱

۱۰۴	مدرسین کے لیے چودہ زریں نصائح	۱۶۲
۱۰۵	تدریسی زندگی اور جامعہ ڈابھیل	۱۶۴
۱۰۶	جامعہ میں تقرر پر بڑوں کی طرف سے اظہارِ مسرت اور دعا ونصیحت	۱۶۵
۱۰۷	جامعہ میں قیام	۱۶۶
۱۰۸	جامعہ میں تقرری کے وقت آپ کی عمر	۱۶۶
۱۰۹	سال بہ سال زیر درس کتابیں	۱۶۶
۱۱۰	پڑھائی ہوئی کتبِ درسیہ سال بہ سال کی ترتیب	۱۶۷
۱۱۱	تدریسی اصول و مذاق	۱۷۴
۱۱۲	ہدایہ کے ایک مقام کی تحقیق میں سرگرداں	۱۷۶
۱۱۳	درسِ ترمذی میں ایثار	۱۷۹
۱۱۴	بخاری شریف کا درس	۱۸۱
۱۱۵	مثالی خُرد نوازی	۱۸۲
۱۱۶	جامعہ کا کتب خانہ اور اس کے ناظمین	۱۸۳
۱۱۷	مفتی صاحب اور نظامتِ کتب خانہ	۱۸۴
۱۱۸	ذوق مطالعہ	۱۸۵
۱۱۹	اجلاسِ جامعہ میں خدمات اور دفتری خطوط نویسی	۱۸۶
۱۲۰	تنہا امتحانات کی تیاری	۱۸۶
۱۲۱	مستقل نظامت کتب خانہ کا خدشہ	۱۸۷

۱۲۲	جامعہ سے علیحدگی اور واپسی	۱۸۷
۱۲۳	ناظمِ تعلیمات	۱۹۱
۱۲۴	انداز نظامت	۱۹۲
۱۲۵	سال کے آغاز و اختتام اور مختلف مواقع پر نصائح	۱۹۳
۱۲۶	نماز باجماعت کا اہتمام	۱۹۴
۱۲۷	دارالاقامہ کا عجیب منظر	۱۹۴
۱۲۸	نظامت تعلیم سے سبک دوشی کی دعا	۱۹۵
۱۲۹	نظامتِ تعلیم سے استعفاء	۱۹۶
۱۳۰	آپ کا استعفا	۱۹۷
۱۳۱	استعفاء کی منظوری	۱۹۹
۱۳۲	رابطے کا تعلق پھر بھی رہا	۲۰۰
۱۳۳	دارالعلوم بولٹن میں تقرر کی سعی	۲۰۰
۱۳۴	بابِ سوم: مفتی صاحب بہ حیثیت صدر مفتی	۲۰۲
۱۳۵	ہندوستان میں نظام افتا	۲۰۲
۱۳۶	دارالعلوم دیوبند میں افتا کی خشتِ اول	۲۰۳
۱۳۷	کاروان علم وعمل کی آمد	۲۰۳
۱۳۸	جامعہ کا دارالافتاء اور اس کے فقہائے سبعہ	۲۰۴
۱۳۹	مفتیٔ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانی	۲۰۴

۱۴۰	حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ	۲۰۵
۱۴۱	حضرت مولانا احمد بزرگ سملکیؒ	۲۰۶
۱۴۲	مفتیؒ گجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ	۲۰۶
۱۴۳	زمانۂ فترت	۲۰۸
۱۴۴	حضرت مفتی اسماعیل محمد گورا راندیریؒ	۲۰۸
۱۴۵	حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ	۲۰۹
۱۴۶	مفتی صاحب مسندِ افتا پر	۲۰۹
۱۴۷	حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم	۲۰۹
۱۴۸	حضرت فقیہ الامتؒ کا مشورہ	۲۱۲
۱۴۹	مولانا سلیمان صاحب چوکسی مدظلہ کا خواب	۲۱۳
۱۵۰	شرائطِ مفتی کا تحقق	۲۱۵
۱۵۱	اکابر مفتیانِ کرام کی صحبت	۲۱۶
۱۵۲	آپ کی سند افتا کا واقعہ	۲۱۷
۱۵۳	حضرت فقیہ الامتؒ کی سند	۲۱۷
۱۵۴	صاحب ہدایہ اور آپ کا درس ہدایہ	۲۱۸
۱۵۵	حضرت مفتی صاحب کا ورع وتقویٰ	۲۱۹
۱۵۶	آپ مفتی بھی ہیں اور صوفی بھی	۲۲۰
۱۵۷	دار العلوم کنتھاریہ میں اعتکاف کی دعوت	۲۲۰

۱۵۸	حضرت فقیہ الامتؒ کے ارشاد فرمودہ القاب	۲۲۱
۱۵۹	شگفتہ وسلیس زبان	۲۲۲
۱۶۰	مسلم پرسنل لاء بورڈ کا خطبۂ استقبالیہ	۲۲۳
۱۶۱	باب چہارم: ذوقِ فتویٰ نویسی اور ہدایات	۲۲۶
۱۶۲	حوالجات کا اہتمام	۲۲۶
۱۶۳	جس سے استفادہ کرے اسی کا حوالہ دے	۲۲۷
۱۶۴	اہم جوابات پہلے رف تیار کرنا	۲۲۸
۱۶۵	محض شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے	۲۲۸
۱۶۶	سوال وجواب میں التباس نہ ہونے دینا	۲۲۹
۱۶۷	اپنی ذاتی تحقیق پر اصرار نہ کرنا	۲۲۹
۱۶۸	بلا شرح صدر تصدیق نہ کرنا	۲۳۰
۱۶۹	بلا تحقیق جواب نہ دینا	۲۳۰
۱۷۰	طویل فتاویٰ میں خاص طریق	۲۳۰
۱۷۱	ترغیب وترہیب کا اہتمام	۲۳۱
۱۷۲	اہل علم کو دلائل سے مطمئن کرنا	۲۳۱
۱۷۳	علاقائی علما سے رجوع کا مشورہ دینا	۲۳۱
۱۷۴	مسائل معاملات میں احتیاط کا طریقہ	۲۳۲
۱۷۵	دیگر مسالک میں لب کشائی سے احتراز	۲۳۲

۱۷۶	اکابر دیوبند کے مسلک کی اتباع	۲۳۳
۱۷۷	ہرجائی سائل کا تنبیہ	۲۳۴
۱۷۸	سائل اگر بلاوجہ اپنی شناخت چھپائے	۲۳۶
۱۷۹	اگر کسی جواب سے فتنے کا اندیشہ ہو	۲۳۷
۱۸۰	مستفتی کے شر سے بچنے کی دعا	۲۳۷
۱۸۱	آپ کا کمال احتیاط	۲۳۷
۱۸۲	فتاوی اور فقہی بصیرت پر اکابر علماء کا اعتماد	۲۳۸
۱۸۳	فقیہ النفس کا مطلب	۲۳۹
۱۸۴	ایک دل چسپ واقعہ	۲۳۹
۱۸۵	آپ کی مسلمہ فقہی بصیرت	۲۴۰
۱۸۶	حضرت مفتی صاحب کی صلاحیت واستعداد	۲۴۲
۱۸۷	فتاویٰ رحیمیہ کی تنقیح	۲۴۴
۱۸۸	حضرت لاجپوریؒ کے کلمات عالیہ	۲۴۵
۱۸۹	آپ کے فتاویٰ کی تائید وتوثیق	۲۴۶
۱۹۰	حضرت فقیہ الامتؒ کی تائید وتحسین	۲۴۶
۱۹۱	حضرت لاجپوریؒ کی تصدیق	۲۴۷
۱۹۲	دارالعلوم دیوبند میں تقرر کی کوشش	۲۴۷
۱۹۳	آپ کی فقہی بصیرت کی شہرت	۲۴۸

۱۹۴	آپ کی اصابت رائے پر حضرت لاجپوریؒ کا اعتماد	۲۴۹
۱۹۵	اپنے فتوی پر خود عمل	۲۵۰
۱۹۶	دو مثالیں	۲۵۰
۱۹۷	فتوے سے رجوع	۲۵۲
۱۹۸	M.WAY کمپنی کے متعلق فتوی سے رجوع	۲۵۳
۱۹۹	کمال احتیاط	۲۵۴
۲۰۰	پندرہویں رمضان کو چنگھاڑ سے متعلق روایت	۲۵۵
۲۰۱	تفرد سے نفرت اور بڑوں سے استصواب	۲۵۷
۲۰۲	وصیت کا ایک مسئلہ	۲۵۸
۲۰۳	حضرت پالن پوری مدظلہ کا جواب	۲۶۴
۲۰۴	دارالافتا میں طرزِ تدریس	۲۶۵
۲۰۵	طلبۂ افتا کی تربیت واصلاح	۲۶۶
۲۰۶	امتحان وسند	۲۶۷
۲۰۷	کیفیت یا کمیت	۲۶۷
۲۰۸	طلبہ کی مشق فتویٰ نویسی اور تمرین پر کڑی نظر	۲۶۸
۲۰۹	تنبیہات اور ہدایات	۲۶۸
۲۱۰	شاگردوں کی حوصلہ افزائی اور اس کے چند واقعات	۲۷۴
۲۱۱	حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ	۲۷۷

۲۱۲	تعدادِ فتاویٰ	۲۸۰
۲۱۳	تعدادِ فتاویٰ ایک نظر میں	۲۸۲
۲۱۴	محکمۂ شرعیہ کا قیام	۲۸۴
۲۱۵	ایک مثالی مقدمہ	۲۸۶
۲۱۶	مقدمات میں فیصلوں کی تعداد	۲۸۶
۲۱۷	دار القضا کے لیے مستقل آدمی کی تربیت اور اس کی فکر	۲۸۷
۲۱۸	حضرت مفتی صاحب کا گرامی نامہ بنام حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب	۲۸۸
۲۱۹	باب پنجم علمی شہ پارے	۲۹۰
۲۲۰	ماہنامہ انسان میں کالم	۲۹۰
۲۲۱	تربیۃ الاولاد فی الاسلام کا ترجمہ	۲۹۱
۲۲۲	مشاہدات	۲۹۱
۲۲۳	مبادیات حدیث علی نہج مقدمۃ مشکوٰۃ المصابیح	۲۹۲
۲۲۴	فتاویٰ رحیمیہ کا ترجمہ	۲۹۲
۲۲۵	تسہیل السراجی	۲۹۳
۲۲۶	حدیث کے اصلاحی مضامین	۲۹۳
۲۲۷	فتح اللہ الاحد بتوضیح الادب المفرد	۲۹۷
۲۲۸	مکتوبات فقیہ الامت بنامِ حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری	۲۹۷

۲۲۹	خطبۂ استقبالیہ	۲۹۸
۲۳۰	مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب کی مقبولیت کا راز	۲۹۸
۲۳۱	رمضان المبارک کی تیاری	۲۹۹
۲۳۲	نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت	۲۹۹
۲۳۳	بیعت ہونے والوں کو ہدایات	۲۹۹
۲۳۴	سوانح مفتی بسم اللہ صاحبؒ (گجراتی)	۲۹۹
۲۳۵	مسلم پرسنل لاء (گجراتی)	۳۰۰
۲۳۶	کاروباری مسائل اوران کا شرعی حل (قسط اول، متعلقہ ہوٹل)	۳۰۰
۲۳۷	دیگر رسائل	۳۰۰
۲۳۸	محمودالرسائل	۳۰۱
۲۳۹	محمودالمواعظ	۳۰۱
۲۴۰	خدمات کی ایک اور نوع	۳۰۳
۲۴۱	گرامی نامہ مولانا محمد سعد صاحب بنام مفتی صاحب	۳۰۴
۲۴۲	سوانح حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کا مقدمہ	۳۰۵
۲۴۳	اعتذار	۳۱۲

فہرستِ فتاویٰ

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	کتاب الإیمان والعقائد	
۞	**باب عقائد أهل السنة والجماعة**	۞
۱	اہل سنت والجماعت کس کو کہتے ہیں؟	۳۱۷
۲	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لانے والا مسلمان نہیں	۳۱۹
۳	جنت ودوزخ حقیقی وبرزخی	۳۲۰
۴	عذابِ قبر برحق ہے	۳۲۰
۵	''شمعِ حقیقت'' کا مضمون ''عذابِ قبر''	۳۲۱
۶	ہر انسان کے ساتھ جن پیدا ہونے کی حقیقت، ہمزاد، نفس امارہ، نفسِ مطمئنہ	۳۳۰
۷	عقائد شیعہ اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشیں	۳۳۳
۸	تقدیر پر ایمان لانے کی حقیقت	۳۴۳
۹	چندہ کا اعلان ''ایاك نستعین'' کے منافی نہیں	۳۴۷
۱۰	'نبی کی ہڈی کے ذریعہ بارش کا واقعہ' اور 'حیاتِ انبیاءؑ کے عقیدہ میں تضاد	۳۴۷
۱۱	بی بی اماں مرشدہ کا دجل وفریب، علم غیب کا دعوی، بھیس بدلنے کا اختیار، زیارت قبور کے لیے جانا، اجنبی کے جھوٹے کا حکم شرعی	۳۴۹

۱۲	کیا دعاء سے موت ٹل جاتی ہے	۳۵۸
۱۳	جنبی ایمان سے نہیں نکلتا	۳۵۹
۱۴	عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق علماء دیوبند کا مسلک	۳۵۹
۱۵	حضرات صحابہ معیارِ حق ہیں	۳۶۴
۱۶	اللہ کو حاضر ناظر کہنے کے دلائل	۳۶۵
۱۷	کیا جانوروں کی روح عزرائیل علیہ السلام نکالتے ہیں؟	۳۶۶
۱۸	کافر ومشرک کی توبہ	۳۶۷
۱۹	''کالی چودس'' کی منحوسیت کا عقیدہ رکھنا	۳۶۷
۲۰	نکاح کے لیے کسی دن کو منحوس سمجھنا	۳۶۹
۲۱	سنگِ بنیاد کے موقعہ پر جانور ذبح کرنا ہندوانہ رسم ہے	۳۷۰
۲۲	فال کھولنا کیسا ہے؟	۳۷۰
۲۳	نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ تھا	۳۷۱
۲۴	کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہیں پڑتا تھا؟	۳۷۲
۲۵	علم غیب عطائی	۳۷۲
❁	**باب مایتعلق بالإیمان والکفر والکفار**	❁
۲۶	گونگے بہرے کا اسلام	۳۷۳
۲۷	غلطی سے کلمۂ کفر کہنا	۳۷۴
۲۸	معصوم ہونے کے ارادے سے اولا مرتد ہونا پھر مسلمان بن کر مرنا	۳۷۵

۲۹	غیر اسلامی نظام حیات کو افضل قرار دینے والے کے متعلق شرعی حکم	۳۷۶
۳۰	''مجھے ہندو سمجھو مسلمان نہ سمجھنا'' کہنا	۳۷۹
۳۱	دین کی بات سنانے پر ''کیا اللہ کے یہاں سے کوئی آیا ہے'' کہنا	۳۸۰
۳۲	''میں اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں'' اور ''وحی کا انتظار ہے'' کہنا	۳۸۰
۳۳	مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی شان میں کفریہ کلمات بکنا اور تجدیدِ نکاح	۳۸۲
۳۴	مورتی کے گلے میں ہار ڈالنے کا حکم	۳۸۳
۳۵	جہالت میں کلمۂ کفر بولنا	۳۸۴
۳۶	یا علی مشکل کشا کہنے کا حکم	۳۸۷
۳۷	مصلحتاً کفار کو غیر ایمان والا کہنا اور کتابوں میں سے غزوات، جہاد اور مجاہدین کا تذکرہ حذف کرنا کیسا ہے؟	۳۸۷
۳۸	ایک آدمی کے فعل سے دوسرا کافر نہیں ہوتا	۳۹۶
۳۹	ایک فلمی گانے کا حکم شرعی	۳۹۷
۴۰	ہرے رام، ہرے کرشن، جے شیو شنکر گانے کا حکم	۳۹۷
۴۱	''نمسکار، باپا سیتا رام'' کہنے کا حکم	۳۹۸
۴۲	''نماز میں رام رام کرنا'' کہنے کا حکم	۴۰۱
۴۳	''منافقانہ حرکتیں'' کہنے سے منافق کہنا لازم نہیں آتا	۴۰۲
۴۴	قبر پر سجدہ و بوسہ	۴۰۵

۴۵	دوسرے سے مدد لینا شرک نہیں	۴۰۶
۴۶	''اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زنا کروایا'' کہنا کفر ہے؟	۴۰۷
۴۷	''خدا گواہ'' گانا گانے میں کفر کا شبہ	۴۰۹
۴۸	خطیب کا مندر و چرچ کی حفاظت کی دعا کرنا	۴۱۱
۴۹	کیا چھ کونے والا اسٹار یہود کا شعار ہے	۴۱۵
۵۰	عبادت، تجارت، معاشرت اور رہن سہن میں غیروں کی مذہبی علامات	۴۲۱
۵۱	تشبہ اور مشابہت میں فرق	۴۲۴
❁	**باب البدعات والرسوم**	❁
۵۲	سنت و بدعت کے مابین فرق کا جامع ضابطہ	۴۲۵
۵۳	محرم کی بدعات کے لیے ورگنی (چندہ) دینا	۴۳۶
۵۴	مروجہ مجالس میلاد	۴۳۹
۵۵	مروجہ مجالس میلاد اور نیاز میں چندہ دینے کا حکم	۴۴۰
۵۶	میلاد النبی کا جلوس	۴۴۳
۵۷	بدعت سے بچنے پر مالی جرمانہ	۴۴۴
۵۸	شادی میں سہرا باندھنا	۴۴۶
۵۹	مرد کے لیے مہندی لگانا	۴۴۷
۶۰	دولہا کو اونٹ پر بٹھانے کی رسم	۴۴۷

۶۱	پیٹھی لگانا	۴۴۸
۶۲	شادی میں روپیہ لینے دینے کی رسم (نیوتہ)	۴۴۸
۶۳	بارات میں دولہے کے ہاتھ میں کنگنا اور کٹیار دینا	۴۴۹
۶۴	لڑکی کے عوض پیسہ لینا	۴۴۹
۶۵	شادی سے اگلے دن دولہا کے گھر دعوت	۴۴۹
۶۶	''مانجھے بٹھانے'' کی رسم	۴۵۰
۶۷	شادی کی رسوم، دعوت میں تحائف کا لین دین وغیرہ کا شرعی حکم	۴۵۰
۶۸	شادی کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا	۴۶۱
۶۹	نمازوں کے بعد مصافحہ	۴۶۲
۷۰	نماز کے بعد مصافحہ اور درود شریف	۴۶۲
۷۱	عید کی نماز کے بعد مصافحہ بدعت ہے	۴۶۴
۷۲	اجتماعی ایصالِ ثواب	۴۶۴
۷۳	ایصال ثواب اور قرآن خوانی کا جواز وعدم جواز	۴۶۵
۷۴	اجتماعی ایصالِ ثواب سے بچنے کا طریقہ	۴۶۷
۷۵	رسمی قرآن خوانی	۴۷۱
۷۶	رقم لے کر قرآن خوانی کرنا	۴۷۲
۷۷	قرآن خوانی میں ہدیہ لینا	۴۷۲
۷۸	مروجہ فاتحہ، قرآنی آیات دم کر کے اجرت لینا	۴۷۳

۷۹	اشیاء سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کا ثبوت نہیں	۴۷۴
۸۰	اہل میت کی دعوت کھانا ناجائز ہے	۴۷۶
۸۱	گیارہویں، بائیسویں، رجب، محرم اور شب برأت کے ساتھ چند ناجائز کام و رسومات	۴۷۷
۸۲	تعزیت کے اجتماع میں علماء اور عورتوں کی شرکت	۴۷۹
۸۳	تیجہ کے روز رشتہ داروں کا دعوت پر جمع ہونا	۴۸۴
۸۴	چالیسواں کرنا	۴۸۶
۸۵	تیجہ چالیسویں کا کھانا کھانا	۴۸۷
۸۶	انتقال کے بعد کھانا کھلانے کی شرعی حیثیت	۴۸۷
۸۷	اجتماعی ختمات کو ضروری سمجھنا	۴۸۸
۸۸	ختم خواجگاں بدعت نہیں	۴۸۹
۸۹	عرس کی شرعی حیثیت	۴۹۱
۹۰	بعد نماز روضۂ مبارکہ کی تصویر کی طرف رخ کرنا	۴۹۱
۹۱	اذان کے وقت انگوٹھے چومنا	۴۹۵
۹۲	اذان و اقامت میں کلمۂ شہادت پر انگلی اٹھانا	۴۹۶
۹۳	قبر پر اذان دینا	۴۹۷
۹۴	حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہونا	۴۹۷
۹۵	ستائیسویں رمضان کو ستائیس اذانیں دینا	۴۹۸

۹۶	ستائیسویں رمضان میں سات اذانیں بدعت ہے	۴۹۸
۹۷	میت کے سینے پر کلمۂ شہادت لکھنا	۴۹۹
۹۸	دودھ بخشوانا، بچوں کو ایصال ثواب کرنا	۵۰۰
۹۹	متبرک راتوں میں نفلی عبادت کے لیے اجتماع اور کھانے وغیرہ کا اہتمام	۵۰۱
۱۰۰	کیا عاشورہ کا روزہ بدعت ہے؟	۵۰۱
۱۰۱	روح قبض ہونے کے بعد اگر بتی جلانا	۵۰۲
❁	**صلوۃ وسلام کے مسائل**	❁
۱۰۲	کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کا شرعی حکم	۵۰۲
۱۰۳	درود شریف پڑھنے سے شرکت فی البدعت کا شائبہ ہو تو درود نہ پڑھے	۵۳۲
۱۰۴	اذان سے قبل درود شریف پڑھنا	۵۳۴
۱۰۵	اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا	۵۳۴
۱۰۶	نماز پنج گانہ کے بعد بہ آواز بلند درود شریف پڑھنا	۵۳۵
۱۰۷	بعد نمازِ جمعہ اجتماعی صلاۃ وسلام	۵۳۶
۱۰۸	درود شریف کی تختی پر پھولوں کا ہار چڑھانا	۵۳۷
۱۰۹	کھڑے ہو کر صلوۃ وسلام نہ پڑھنے پر بریلوی عالم کا اہل حق کو کافر کہنا	۵۳۷

گرامی نامہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

(نائب رئیس جامعہ دار العلوم کراچی)

بنام مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی قدر مکرم جناب مولانا عبد القیوم راجکوٹی صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ ورعاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ اور "محمود الفتاویٰ" کی تین جلدیں موصول ہو کر باعث ممنونیت ہوئیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً۔ آپ نے یہ جلدیں مرتب کر کے بہت مفید خدمت انجام دی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔ حسب ارشاد چند سطور لکھ کر ارسال کر رہا ہوں۔

آپ نے حضرت والد صاحبؒ کے گرامی ناموں کا ذکر فرمایا کہ وہ آپ نے مفتی اسماعیل بسم اللہ کی سوانح حیات میں شامل کئے، اگر یہ سوانح چھپ گئی ہو تو براہِ کرم وہ بھی ارسال فرمادیں اور بندہ کا جو خط اس سلسلے میں آنجناب کے پاس محفوظ ہے تو اس کی ایک نقل بھی، آج کل میں اپنے پچھلے کاغذات کو ترتیب دے رہا ہوں ان میں یہ خط مجھے نہیں ملا۔

دعاؤں کا سخت محتاج ہوں۔ حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم اللہ کی خدمت میں اس ناکارہ کا سلام اور دعا کی درخواست پیش فرمادیں۔

والسلام

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۴/ ۱۴۳۱/۱ھ

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

(نائب رئیس جامعہ دار العلوم کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم سید نا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین امابعد!

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری (امد اللہ تعالیٰ عمرہ في عافیة سابغة) ہمارے دور کے علماء واہل فتویٰ میں ممتاز مقام کے حامل ہیں، ان کا وجود ملت کا گرانقدر اثاثہ ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری قدس سرہ کی روحانی اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ کی علمی تربیت سے انہیں علم اور روحانیت دونوں کے کمالات سے حصہ وافر ملا ہے، وہ عرصۂ دراز سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں فتوی کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں، ان کے فتاوی پر مشتمل تین جلدیں ''محمود الفتاویٰ'' کے نام سے شائع ہوئی ہیں، جس میں تمام فقہی ابواب سے متعلق ان کے اہم اردو فتاوی کو یکجا کر دیا گیا ہے، گجراتی فتاوی اس کے علاوہ ہیں، بندہ کے پاس یہ جلدیں مولانا مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی نے ارسال فرمائیں تو سرسری نظر سے دیکھنے پر ہی اندازہ ہوا کہ ان میں علم اور فقہ کا بیش بہا سرمایہ موجود ہے، اندازِ فکر واستنباط اپنے اکابر کا ہم رنگ ہے، تفصیلی مطالعہ تو وقت چاہتا ہے؛ لیکن بندہ نے اسے ان کتابوں میں شامل کر لیا ہے جس سے حسب ضرورت وقتاً فوقتاً استفادہ کیا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ

یہ مجموعہ علماء اور عوام دونوں کے لیے نافع ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے شرفِ قبولیت عطا فرما کر حضرت مولانا مدظلہ کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۴/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

تقریظ

حضرت مولانا سید مصلح الدین احمد صاحب بڑودوی دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوز بری مرکز - یو کے - انگلینڈ)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذي اصطفى.

یوں تو آئے دن اتنے علمی و عملی فتنے ظاہر ہو رہے ہیں کہ جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس کس کا جواب دیا جائے اور کس کس کی طرف توجہ کی جائے؟

ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

فتنوں کا ایک سیلاب ہے کہ امنڈتا چلا آرہا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر رکے گا، کہیں تعمیر نو کے نام پر تخریب دین ہے، کہیں عقائد اسلامیہ پر گلے ہیں، کہیں احکام شرعیہ سے انکار ہے، کہیں انکار سنت پر زور ہے، کہیں تحریف قرآن کا فتنہ ہے، کہیں جواز سود و تحلیل خمر کے فتوے ہیں، کہیں رقص و سرور کو جائز کرنے کے لیے تحقیقات ہو رہی ہیں، کہیں سلف صالحین سے بدظن کرنے کی مذموم کوششیں ہو رہی ہیں، کہیں اسلامی نظام کی ناکامی کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں:

مصائب شتى جمعت في مصيبة		ولم يكفها حتى قفتها مصائب

کتنے منتشر مصائب ایک مصیبت میں آکر جمع ہو گئے اور اس پر یہی بس نہیں بلکہ روز نئی نئی مصیبتیں رونما ہو رہی ہیں۔

ان فتنوں اور حملوں کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام ایک ایسا جامع و کامل دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور گوشوں کو حاوی اور شامل ہے، دین اسلام ان تمام خصوصیات

وکمالات کا حامل ہے، جو سابقہ سماوی ادیان میں موجود تھیں، اسی طرح ان تمام کوتاہیوں اور کمزوریوں سے مبرّ اومنزہ ہے، جو دوسرے مذاہب اور خوساختہ ادیان میں تھیں اور ہیں؛ اس لیے ہر مذہب وملت اور دین نے بجا طور پر دین اسلام کو اپنا مقابل وحریف سمجھ کر اس کی راہ روکنے کی کوشش کی۔

اسلامی دعوت کے آغاز سے ہی دین اسلام پر باطل کی طرف سے ہر قسم کی یورش ہوتی رہی اور ہر دور میں ہر طرف سے اس پر طرح طرح کے وار کئے گئے؛ مگر چوں کہ دین اسلام تا قیامت بہ حیثیت دین باقی رہنے اور تمام ادیان پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے، اس لیے مخالف کی مخالفت اس کی راہ روک نہ سکی؛ چناں چہ اہل اسلام نے منشائے خداوندی کی تکمیل میں اس کی حفاظت، دفاع اور نشر واشاعت کے لیے ہر محاذ پر ہر طرح کی قربانیاں دے کر اسلام کی حفاظت، دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا، اس کے لیے مسلمانوں نے کبھی جان ومال کا نقصان اٹھایا، تو کبھی دین وایمان پر وار سہے، دشمنوں نے کبھی سیف وسنان کی بارش کی، تو کبھی قلم وزبان سے زہر افشانی کی، بہر کیف مسلمانوں پر اس عنوان سے سخت سے سخت مشکلات اور کٹھن گھڑیاں آئیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مسلمانوں کی قربانیوں کی بہ دولت دین الٰہی کی شمع بہ دستور تاباں وفروزاں رہی۔

علماء امت کے ذمہ جہاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں، وہاں عصر حاضر کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی بھی انہی کے ذمہ ہے کہ موجودہ دور کے تمدن وتہذیب نے جو نت نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں ان پر غور کر کے ان کا حل تلاش کیا جائے، آج کل کا نیا طبقہ اپنی ناواقفیت کی بناء پر اس خیال خام میں مبتلا ہے کہ اسلام کا قدیم نظام یا قدیم اسلامی فقہ موجودہ معاشرہ کی مشکلات کے حل کرنے کے لیے ناکافی ہے؛ لیکن اگر ذرا غور کیا جاوے

تو بات بالکل واضح ہے کہ ہمارے نظام کے دو حصے ہیں: ایک حصہ وہ ہے جو قرآن وسنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے، یہ تمام تر اس علیم وقدیر اور حکیم وخبیر رب العالمین کا ابدی اور دائمی قانون ہے جس کا علم بھی ہر شیء کو محیط ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ قیامت تک جو آنے والی نسلیں ہیں ان میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی، اور اس کی قدرت بھی کامل ہے؛ چنانچہ اس نے اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام روحانی امراض کے لیے ایسا نسخۂ شفا اتارا ہے کہ جس میں نہ کسی ترمیم واصلاح کی گنجائش ہے، نہ کسی ادنیٰ سی تبدیلی کی۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو علماء امت اور مجتہدین عظام نے قرآن کریم وسنت نبویہ سے استخراج واستنباط کر کے مرتب فرمایا ہے، اس کے مختلف مراتب اور مختلف ادوار ہیں۔ معاملات اور معاشرت میں بہت سے احکام ایسے بھی ہیں کہ جن کا تعلق اس عہد سے تھا مجتہدین امت کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ وہ پہلے ہی سے ایسے اصول وقواعد مرتب فرما گئے ہیں کہ، تا قیام قیامت آنے والے اہل علم کو ان سے استفادہ کا موقعہ ملتا رہے گا، اور ان ہی اصول وقواعد کی روشنی میں آئندہ ہر قسم کی مشکلات حل ہو سکیں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت علماء امت کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے زمانہ میں "اجناس" "واقعات" اور "نوازل" کے عنوان سے روزمرہ کے نت نئے پیش آنے والے مسائل کو یکجا کیا اور پھر قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کو حل کیا، ٹھیک اسی طرح موجودہ فقہاء بھی جدید نوازل وواقعات کا حل قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں تلاش کریں اور اس قسم کے مسائل کے مفصل جوابات امت کے سامنے پیش کر کے امت مسلمہ کے دین دار طبقہ کو مطمئن فرمائیں اور جدید نسل کو

باور کرائیں کہ دین اسلام میں ہر وقت کے صحیح تقاضے کو پورا کرنے کی کامل صلاحیت موجود ہے اور شریعت اسلامیہ زمان ومکان کی قیود سے بالاتر ہے۔

اہم فقہی مسائل بالخصوص جدید فقہی مسائل کا حل امت مسلمہ کی ہر وقت اور ہر لمحہ بنیادی ضرورت رہی ہے؛ کیونکہ ''فقہ'' عملی زندگی کے احکام وآداب کا عنوان ہے اور ہر لمحہ مسلمانوں کے ساتھ یہ ضرورت لاحق ہے، اس اہم ضرورت کی تکمیل بھی توجہ طلب امر ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾ ''پس پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے''۔ اسی طرح ارشاد نبوی ہے: ''انما شفاء العي السوال'' لاعلم کی شفاء سوال کرنے اور پوچھنے میں ہے۔ بلاشبہ اہل علم کا منصب اگر متلاشیان علم کی علمی ضرورت کو پورا کرنا اور پیاس بجھانا ہے، تو لاعلموں کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنی علمی تشنگی حضرات اہل علم کے پاس جا کر دور کریں۔

دیکھا جائے تو سوال وجواب اور استفتاء وفتویٰ مذکورہ بالا اسی اہم بنیادی دینی ضرورت کی تکمیل اور قرآن وسنت کے اسی حکم کی تعمیل ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ہدایات اور ان کے جاں نثاروں کی اپنے ہادی ورہبر کی تعلیمات کو دل وجان سے عزیز رکھنا اور جی جان سے ان پر عمل کرنا اسی کا نتیجہ ہے، قرآن کریم کی تفسیر وتشریح اور ذخیرۂ احادیث کی شکل میں تعلیمات نبوت کا مجموعہ بھی اسی کی عملی شکل ہے، اسلامی فقہ کا ذخیرہ بھی اسی سوال وجواب اور استفتاء وفتویٰ کی مدون شکل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیوں سے مسلمانوں نے اپنی روزہ مرہ زندگی کے مسائل اپنے دور کے اکابر اہل علم اور ارباب فتویٰ کے سامنے رکھے اور انہوں نے قرآن وسنت، اجماع امت، قیاس واجتہاد سے انہیں حل فرمایا، زمانۂ قدیم کے ضخیم فتاویٰ ہوں یا دور

حاضر کے ارباب فتاویٰ کی علمی کاوشیں، سب اسی ضرورت کی تکمیل ہیں۔

دار العلوم دیو بند، مظاہر العلوم سہارنپور سے لے کر آج تک کی تاریخ اس کی شاہد عدل ہے کہ، جب کبھی بھی کسی عالم دین نے کوئی دینی درسگاہ قائم کی، تو عامۃ المسلمین کی اس بنیادی ضرورت کے تحت اس نے ایک دار الافتاء بھی قائم کیا جو مسلمانوں کے روزمرہ مسائل کا شرعی اور فقہی حل بتلائے، پھر ان علماء امت میں سے تقویٰ وتدین کے اعتبار سے جو جتنا قد آور تھا مسلم عوام کا اسی قدر اس کی طرف رجوع ہوا، یہی وجہ ہے کہ بعض اکابر علماء کے فتاویٰ کا مجموعہ پینتیس سے چالیس جلدوں تک جا پہنچا۔

چنانچہ اسی گراں قدر زریں سلسلہ کی ایک کڑی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، نوساری، گجرات، انڈیا کا ''دار الافتاء'' ہے جو بحمد اللہ اپنے آغاز سے تا حال ہندو بیرون ہند مسلمانوں کے اعتقادی، معاشرتی اور معاشی مسائل میں ان کی دینی رہنمائی کا فریضہ بہ حسن وخوبی انجام دے رہا ہے۔

حضرت مولانا احمد خانپوری صاحب بہ حیثیت صدر مفتی:

حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا احمد بزرگ سملکیؒ، حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ ڈابھیلیؒ، حضرت مفتی اسماعیل گورا راندیریؒ، حضرت مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب زید مجدہ؛ یکے بعد دیگرے ان علمی شخصیات نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے دار الافتاء کی مسند صدارت کو زینت بخشی ہے، اور ابھی پچھلے پچیس چھبیس سال سے مولانا احمد خانپوری حفظہ اللہ تعالیٰ صدر مفتی کی حیثیت سے اس شعبۂ افتاء کی خدمات انجام دے رہے ہیں، مفتی احمد صاحب کے قلم سے اس طویل عرصہ میں ہزارہا فتاویٰ صادر ہوئے، ان میں سے بعض فتاویٰ ہفتہ واری اخبار ''امید''

سورت، ماہنامہ بیان مصطفےٰ وغیرہ مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے، اب یہ فتاویٰ مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی معین مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک کی تقدیم وترتیب سے ''محمودالفتاویٰ'' کے نام سے اردو اور گجراتی زبان میں منظر عام پر آگئے ہیں، اردو میں چار جلدیں اور گجراتی میں دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں، ان فتاویٰ کے مستند ومعتبر ہونے کے لیے صاحب فتاویٰ کا نام نامی کافی ہے۔

حضرت مولانا احمد خانپوری صاحب: خانپور، ضلع بھروچ، گجرات، انڈیا کے باشندے ہیں اور ایک تجربہ کار، سنجیدہ، کہنہ مشق، بالغ نظر مفتی ہیں، قرآن کریم، حدیث وفقہ پر عمیق نظر رکھنے والے بڑے صاحب قلم عالم دین ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی ''ادار المباحث الفقهية'' کے متعدد فقہی اجتماعات وسمیناروں میں مختلف موضوعات پر ان کے تحریر کردہ مقالے پڑھے جاتے رہے ہیں اور طبع بھی ہو چکے ہیں، علاوہ ازیں سالہا سال سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں آپ کا حدیث وفقہ کا تدریسی سلسلہ بھی جاری ہے، بخاری شریف بھی فی الحال زیر تدریس ہے، آپ فقیہ الزمن حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں، عوام وخواص کی ایک کثیر تعداد کا اصلاحی تعلق آپ سے ہے۔

شوال ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم اشرفیہ راندیر، سورت میں بہ طور مدرس احقر کا تقرر ہوا، یہ مولانا احمد خانپوری صاحب کی طالب علمی کا ابتدائی دور تھا، انہوں نے درجۂ عربی دوم کی سب کتابیں مجھ سے پڑی ہیں، ذہانت، ذکاوت، قوت حافظہ کے ساتھ ساتھ صلاح وتقویٰ، مطالعہ وتکرار، نماز باجماعت کی پابندی، اسباق میں بلا ناغہ وقت کی پابندی کے ساتھ شرکت اور استاذ کی تقریر کو بہ غور سننا، اساتذہ کا ادب

واحترام، ان کی خدمات، تواضع انکساری، ملنساری وغیرہ اوصاف- جو حصول علم کے لیے نہایت ضروری، اور کسی بھی علمی وعملی کمال کے حصول کے لیے اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں- مولانا احمد خانپوری صاحب کی ذات گرامی بچپن اور طالب علمی کے زمانہ ہی سے ان کی حامل تھیں۔

بہر حال دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے فتاویٰ اور دیگر جملہ دینی وعلمی خدمات کو قبولیت سے نوازے اور ان کے ظاہری وباطنی فیض کو عام وتام فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

والسلام

سید مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی

خادم حدیث نبوی جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوزبری مرکز- یوکے-

۱۵/ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۴/ جون ۲۰۱۰ء پنجشنبہ

تقریظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم

(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم ہندوستان کے جلیل القدر علماء اور صاحب نظر فقہاء میں ہیں، علم و تحقیق کے ساتھ ساتھ دعوت و اصلاح اور تعلیم و تدریس سے آپ کا شبانہ روز کا تعلق ہے، استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی کے تربیت یافتہ اور حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کے معتمد، نیز حلقۂ علماء کی محبوب شخصیت ہیں۔ راقم الحروف نے ان کے فتاویٰ کے مجموعہ ''محمود الفتاویٰ'' کا مطالعہ کیا ہے، بہت خوب فتاویٰ ہیں: تحقیق کے اعتبار سے بھی، زبان و بیان کے لحاظ سے بھی، اور اعتدال کے پہلو سے بھی، خاص کر نئے مسائل اچھی خاصی تعداد میں آ گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اس کی مزید جلدیں آ جائیں، مفتی صاحب کا سایہ عاطفت تادیر امت پر قائم رہے، اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ان سے نفع پہنچے۔

(مولانا) خالد سیف اللہ

(خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۹/ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۳/ فروری ۲۰۱۱ء

گرامی نامہ

حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودرویؒ

(خادمِ حدیث جامعہ جمبوسر، خادم دارالافتاء دارالعلوم کنتھاریہ)

۱۴۳۰ھ میں محمود الفتاویٰ کی تین جلد طبع ہوکر منظر عام پر آئی اس وقت متعدد قدردانوں نے حوصلہ افزائی پر مشتمل تبصرے از راہ شفقت و ذرہ نوازی تحریر فرمائے ان ہی بزرگوں میں حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودرویؒ (۱۳۶۸-۱۴۳۴ھ) سابق شیخ الحدیث جامعہ علوم القرآن جمبوسر و صدر مفتی دارالعلوم کنتھاریہ کی ذات گرامی بھی ہے موصوف نے حسب ذیل گرامی نامہ تحریر فرمایا جو یہاں درج ہے۔ اس کی سطر سطر سے ان کی طبیعت کی شرافت اور عالی ظرفی نمایاں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً:

محترم مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی زید مجدہ العالی و فضلہ الغالی (مرتب محمود الفتاویٰ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ناکارہ خیریت طرفین کا طالب ہے، امید ہے آپ بخیریت و عافیت ہوں گے۔
دیگر عرض ایں کہ مؤرخہ ۴/اگست بروز سہ شنبہ ۱۲/شعبان ۱۴۳۰ھ بمقام جامعہ جمبوسر، پیر طریقت حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے محمود الفتاویٰ کی تین جلدیں بطور ہدیہ سنیہ عنایت فرمائیں، جس کو آپ محترم نے حسن و خوبی کے ساتھ مرتب فرمایا ہے۔ تقبل اللہ منکما و شکر سعیکما الجمیل۔

فتاویٰ کے اس قابل قدر قیمتی مجموعہ کو حاصل کر کے اور اس کو دیکھ کر بندہ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی، باوجود اس کے کہ بندہ کئی روز سے علیل چل رہا تھا، مگر مارے خوشی اور شوق کے اسی وقت پہلی جلد کے مقدمہ کا ادھر اُدھر سے طائرانہ مطالعہ کیا اور بعدہ الحمدللہ تعالیٰ پورا مقدمہ اطمینان سے پڑھا اور کچھ فتاویٰ کا بھی مطالعہ کیا۔

آپ محترم نے مبسوط مقدمہ تحریر فرما کر بغیر کسی غلو ومبالغہ کے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم اور ان کے فتاویٰ کا حقائق پر مبنی تعارف اور حضرت والا کا قابلِ تقلید ماضی وحال پیش فرمایا ہے، اور فتاویٰ کے مجموعہ کی ترتیب پر اس مقدمہ نے چار چاند لگا دیے ہیں۔ احقر نے اپنی طالب علمی کے دور سے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو- جبکہ آں محترم دار العلوم اشرفیہ راندیر میں عربی چہارم وپنجم پڑھتے تھے- دوام واستقامت کے ساتھ علمی، عملی، اخلاقی اعتبار سے صاف ستھری روش کا رہرو دیکھا، جو آج گجرات وبیرون گجرات بلکہ بیرون ہند انہی پہلوؤں سے امتِ مسلمہ کے معروف رہبر ومقتدا ہیں، فن فقہ، حدیث شریف وافتاء کے استاذ ماہر ہونے کے ساتھ وسعتِ ظرفی، متعلقین حضرات کی تربیت اور رجال سازی کی مخلصانہ فکر وسعی یہ حضرت والا کا خاص امتیازی وصف رہا ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، اگر یوں کہا جائے کہ حضرت والا نے بہت سے افراد کو دھکّے دے دے کر ہندوستان کے حضرات اکابر رحمۃ اللہ علیہم اور بڑے بڑے اداروں سے جوڑا ہے اور نااہلیت کے اعتراف کے باوجود بڑی بڑی اہم ذمہ داریوں کے لیے آگے بڑھایا ہے تو بلا مبالغہ یہ ایک حقیقتِ واقعہ ہے اور ان کے عالی ظرف کی خورد نوازیاں ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کے فتاوی کے متعلق بندہ جیسے ہیچ مداں کا کچھ کہنا یا لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے؛ البتہ اس کو پڑھنے والا اس بات کا

اعتراف کرے گا کہ اس میں حضراتِ سلف صالحینؒ کے فتاوی کی طرح قدامت کا استناد اور حوادث ونوازل کا اجتہاد جھلکتا ہے۔

آپ محترم نے مقدمہ میں حضرت مفتی صاحب کے طریقۂ افتاء اور تدریبِ افتاء کے منہج کو اور اس کے اصول زریں کو تحریر فرما کر طبقۂ اہل علم کے لیے عموماً اور شعبۂ افتاء سے متعلق حضرات کے لیے خصوصاً بہت ہی مفید، قابل مطالعہ ولائق عمل مواد جمع فرمادیا ہے، جس سے اہل علم ہمیشہ مستفید ومستفیض ہوتے رہیں گے۔ اخیراً بندہ دعاء کرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خواص وعوام کو محمود الفتاویٰ سے دینی رہبری حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے سایۂ عاطفت کو عافیت کے ساتھ امت پر تادیر قائم وباقی رکھ کر آپ کے علمی واصلاحی فیوض کو جاری وساری رکھیں اور آپ محترم کی اس سعی ثمین کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اس قیمتی مجموعہ کی قدردانی کرتے ہوئے اور اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اس کی طباعت اور اشاعت میں مالی وغیرہ تعاون پیش کرنے والے حضرات کو دارین میں بہترین بدلہ عنایت فرمائیں۔ آمین یارب العالمین و صلی اللہ علی النبی الکریم.

العبد اسماعیل عفی عنہ بھڑ کودروی

خادم حدیث جامعہ جمبوسر خادم افتاء دار العلوم کنتھاریہ

۱۸/شعبان ۱۴۳۰ھ - ۱۰/اگست ۲۰۰۹ء

ترتیب جدید کے متعلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً!

سیدی وسندی مرشد العلما حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کے عقیدت مندوں اور اہلِ علم کی طرف سے مدت سے مطالبہ تھا کہ: حضرت والا دامت برکاتہم کے فتاویٰ موسوم بہ ''محمود الفتاویٰ'' اِکّا دُکّا منتشر جلدوں کے بہ جائے ایک ساتھ مرتب شائع کیے جائیں؛ مگر مجبوری یہ تھی کہ قدیم مجموعے کی ترتیب کے وقت حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا اشہبِ قلم میدانِ فتاویٰ میں جانب منزل رواں دواں تھا؛ اس لیے اس تقاضے کو پورا کرنا ناممکن تھا؛ مگر اب جب کہ حضرت مفتی صاحب فتویٰ نویسی کا سلسلہ موقوف فرما چکے ہیں، اس کی سبیل نکل آئی، اور حضرت ہی کی اجازت سے مفتی عبدالقیوم صاحب دامت برکاتہم (مدرسِ حدیث وفقہ ومعین مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل) کے ترتیب دیے ہوئے مجموعے میں باقی ماندہ فتاویٰ کو شامل کر کے حضرت دامت برکاتہم کے چند شاگردوں نے اس کام کو آگے بڑھایا، جو مبوّب ومرتب شکل میں

آپ کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

یہ مجموعہ اب تک کے اردو زبان میں لکھے گئے تمام فتاویٰ کو پیش نظر رکھ کر ضروری اور اہم فتاویٰ کا انتخاب کر کے مرتب کیا گیا ہے؛ نیز سابقہ طباعت میں جو فتاویٰ لفظاً یا معناً مکرّر تھے ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ جملہ معاونین کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، مزید خدمات علمیہ و دینیہ کے لیے موفق فرمائے، حضرت مفتی صاحب کے سایۂ عاطفت کو بہ صحت و عافیت امت کے سر پر قائم رکھے، اور اس جدید مجموعۂ فتاویٰ کو بھی خاص و عام کے لیے سرمۂ بصیرت بنائے۔

آمین یارب العالمین۔

کتبہ: العبد ابوبکر بن مصطفیٰ پٹنی

۲۹ ر ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ، چہارشنبہ

مقدمہ

از: مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

حمد وستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا۔

اور درود وسلام اس آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

زیر نظر کتاب "محمود الفتاویٰ" حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم (صدر مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) کے فتاوی کا مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل اور تقویٰ وطہارت کے بلند مقام پر فائز فرمایا ہے، آپ تصوف وارشاد میں شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ (م ۱۴۰۲ھ) کے ترجمان ومرید، علوم فقہ میں اپنے شیخ ثانی فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (م ۱۴۱۷ھ) کے جانشین ومجاز، مفتیٔ گجرات، فقیہ عصر حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ (م ۱۴۲۲ھ) کے معتمد، علم حدیث میں محدث دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے شاگرد رشید ہیں، پچھلے ۲۳ر سال سے آپ کے فتاوی وتفقہ سے ایک عالم مستفید ہو رہا ہے، اہل علم میں آپ کے فتاوی کا خصوصی وزن محسوس کیا جاتا ہے، آپ کے فتاوی کئی سال سے مختلف ماہناموں اور رسائل وجرائد میں چھپتے رہے ہیں۔

گجراتی فتاوی سب سے پہلے ۱۹۹۳ء میں ماہنامہ بیان مصطفی (اکل کوا، مہاراشٹر) میں چھپنے شروع ہوئے، اور یہ سلسلہ ۲۰۰۹ء تک جاری رہا پھر بند کردیا گیا۔

ماہنامہ الاصلاح (مجلس خدام الدین سملک) میں ۲۰۰۰ء میں جاری ہوئے،

جو ہنوز جاری ہیں۔

ماہنامہ بیان مصطفی میں بند ہونے کے فوراً بعد ہفتہ واری اخبار امید (سورت) میں شروع ہوئے جو تادم تحریر جاری ہیں۔

۱۴۲۴ھ اردو فتاوی ماہنامہ اذان بلال (آگرہ یوپی) اور بمبئی کے مشہور اخبار ''اردو ٹائمز'' میں شروع ہوئے جو اب تک جاری ہیں۔

اخباری فتاوی کا یہ سلسلہ مقبول ہوا اور یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ اس کے ذریعے قارئین کو بے شمار دینی معلومات حاصل ہوئیں۔ اخبار اور رسائل کی زندگی محدود ہوتی ہے، اس کا ریکارڈ رکھنا اور اسے محفوظ کرنا مشکل ہوتا ہے، بعض متعلقین اور خود راقم الحروف کی دلی خواہش تھی کہ اس علمی ذخیرہ کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا جائے تاکہ مستقبل کی نسلیں اس علمی ذخیرہ سے استفادہ کرسکیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس وقت سردست صرف ''محمود الفتاویٰ'' کی تین جلدیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، اس مجموعہ میں بعض وہ فتاوی جو فائلوں میں محفوظ تھے، موقع کی مناسبت سے ان کو بھی ترتیب میں شامل کرلیا ہے۔

حضرت کے شاگردوں اور متعلقین کا حلقہ دن بدن وسیع ہوتا جارہا ہے، آپ جہاں ''مفتی گر'' ہیں، وہیں علماء کی ایک بڑی جماعت کے لیے راہ سلوک طے کرانے میں ''شیخ'' بھی ہیں، آپ کے فیوض وبرکات کا باطنی سلسلہ ملک وبیرون ملک دور دور تک پھیلا ہوا ہے، عرصۂ دراز سے متعلقین کی خواہش تھی کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے احوالِ زندگی منظر عام پر آنے چاہئے تاکہ اصحاب توفیق انہیں پڑھ کر اپنی راہیں درست کریں، جہد وعمل کا حوصلہ پاویں، صبر واستقامت کی عزیمت سے سرفراز ہوں۔ نیز فتاوی کا وزن

صاحب فتاوی کی علمی قابلیت ومہارت کے تناظر وتقابل میں محسوس کیا جاتا ہے، انھیں وجوہات کی بنا پر راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحب کی تعلیم وتعلم یعنی طالب علمی اور تدریسی زندگی کے متعلق احوال پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ویسے بھی اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی سیرت وسوانح کئی لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ (م ۱۴۲۱ھ) نے اس اہمیت کی چار وجوہات تحریر فرمائی ہیں:

اولاً: ان کے احوال وسوانح ان کی صحبت کا بدل ہیں اور جو لمحات ان کے مذاکرہ میں گذریں وہ گویا ان کی صحبت وہم نشینی میں گذرتے ہیں، جس طرح کسی مصنف کی کتاب کا مطالعہ اس کی صحبت کے قائم مقام ہے، اور اس سے مصنف کے قلبی جذبات واحساسات قاری کی طرف شعوری وغیر شعوری طور پر منتقل ہوتے ہیں، اسی طرح کسی کی سیرت وسوانح کے مطالعہ سے صاحب سیرت کی قلبی کیفیات قاری کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔

ثانیاً: حق تعالیٰ شانہ کی عنایت خاصہ ان اکابر کے شامل حال ہوتی ہے، اس لیے ان کا ذکر خیر رحمت خداوندی کے نزول کا سبب ہے، چنانچہ بزرگوں کا ارشاد ہے: عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة صالحین کے ذکر خیر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے، راز اس کا یہ ہے کہ محبوب کا ذکر بھی محبوب ہوتا ہے، اس لیے عنایت خداوندی ان لوگوں کی طرف بھی متوجہ ہوجاتی ہے، جو تعلق ومحبت سے کسی مقبول ومحبوب بندہ کا ذکر بالخیر کرتے ہیں۔

هم القوم لایشقی بهم جلیسهم

ثالثاً: ان کے صبر واستقامت، اخلاص وللّٰہیت، ریاضت ومجاہدہ، عزیمت وتوکل کے حالات وواقعات شاہراہ انسانیت کی روشن قندیلیں ہیں، جن کی روشنی سے انسانیت کے گم گشتہ قافلے راہ پاتے ہیں، ان کا نقش پا آئندہ نسلوں کے لیے جادۂ منزل بن جاتا ہے،

اور قافلۂ انسانیت ان کی پامال راہ پر چل کر فلاح وکامرانی کی منزل پالیتا ہے۔

رابعاً: ان مقبولان بارگاہ کا وجود ہر زمانے میں حقانیت اسلام کی دلیل وبرہان رہا ہے، اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر قائم ہوتی رہی ہے، اس لیے ان اکابر کا تذکرہ گویا اسلام کی سدابہاری کی داستان ہے، اور اس کے اس اعجازی پہلو کو اجاگر کرنا ہے۔

(حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی ان کے خلفاء کرام ۱/ ۲۳، ۲۴)

صاحب فتاوی کا تعلق ضلع بھروچ سے ہے، ضلع بھروچ گجرات کا قدیم ترین اور مشہور ترین ساحلی علاقہ ہے، اس کے ساتھ ماضی کی عظیم اسلامی یادگاریں وابستہ ہیں، ماضی میں سرزمین بھروچ سے متعدد تاریخ ساز شخصیتیں اٹھیں اور وہ آسمانِ علم وعمل پر نیر اعظم بن کر چمکیں، اسی زرین سلسلہ کی ایک کڑی صاحب فتاوی ہیں۔

مقدمہ شروع کرتے وقت خیال بھی نہیں تھا کہ اتنا طول پکڑے گا مگر خوش گوار یادوں اور لذیذ ترین احوال کے ذکر نے ایسا محو کیا کہ ضخامت کا اندازہ بھی نہ ہو پایا، چوں کہ موضوع دوسرا ہے اس لیے بادل ناخواستہ قلم روکنا پڑا۔

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز، دم درکش
حسن ایں قصۂ عشقت در دفتر نمی گنجد

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت سے امید ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے حالات وتجربات علوم دینیہ اور مدارس عربیہ کے اساتذہ وطلبا کے لیے سرمۂ بصیرت ثابت ہوں گے۔
وما ذلك على الله بعزيز.

اس مجموعہ کا نام ''محمود الفتاویٰ'' حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے منتخب فرمایا ہے، جس میں حضرت کے محبوب شیخ فقیہ الامت حضرت مولانا اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی

نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکت کی طرف مبارک انتساب ہے۔

جن لوگوں کو اپنے مرشد سے والہانہ تعلق ہوتا ہے، ان کو اپنے تمام کاموں میں ان ہی کا جلوہ نظر آتا ہے، ہمارے اکابر میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ (م ۱۳۶۳ھ) کو اپنے شیخ سید الطائفہ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ (م ۱۳۱۷ھ) سے جو تعلق وشغف تھا اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ''عیاں راچہ بیاں''، اسی بنا پر حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنے سارے ہی کاموں کو شیخ کے نام سے موسوم فرمایا، خانقاہ کا نام ''خانقاہ امدادیہ'' اور مدرسہ کا نام ''امداد العلوم'' رکھا، اپنے فتاوی کا نام ''امداد الفتاوی'' رکھا، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ) نے وہاں فتاوی کا کام شروع کیا تو اس کا نام ''امداد الاحکام'' رکھا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ (م ۱۳۹۶ھ) کے فتاوی کا نام ''امداد المفتین'' رکھا۔

ہمارے حضرت مفتی صاحب کو اپنے شیخ کے ساتھ کچھ ایسا ہی شغف ہے، اسی سبب سے اپنے کاموں کو شیخ کی طرف منسوب فرماتے ہیں، چنانچہ جامعہ کی خانقاہ کا نام ''خانقاہ محمودیہ'' زباں زد ہے، اپنا جدید رہائشی مکان جس قطعۂ زمین پر تعمیر کروایا اس کا نام ''محمود نگر'' رکھا، اپنے فتاوی کا نام ''محمود الفتاویٰ'' رکھا، سورت میں جس مکتبہ سے حضرت کی کتابیں نشر ہوتی ہیں، اس کا نام ''شعبۂ فیض محمود'' رکھا، اس کے علاوہ کئی اداروں کا نام ''جامعہ محمودیہ'' رکھا، اپنے متعلقین کے کئی نومولود کا نام ''محمود'' رکھا، مسترشد اور مرشد کے نام کا مادۂ اشتقاق بھی ایک ہی ہے، خود اس کا تقاضہ بھی یہی تھا۔

تا کس نہ گوید بعد ازیں	من دیگرم تو دیگری

اخیر میں راقم الحروف ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنہوں نے اس

مجموعہ کی تیاری میں نقل کتابت سے لے کر طباعت تک کے کسی بھی مرحلے میں حصہ لیا، باری تعالیٰ ان تمام کی خدمت کو شرف قبولیت عطا فرما کر مزید خدمات علمیہ و دینیہ کے لیے موفق فرمائے آمین۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ اور ہزار ہا ہزار احسان ہے کہ اس نے محض اپنے لطف و کرم سے اس مجموعہ کو مرتب کرنے کی مجھے توفیق بخشی، اور اس بہانہ حضرت مدظلہ کی خدمت کا ایک موقع میسر آیا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل		نسیم سحر یہ سب تیری مہربانی

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

اللہ تعالیٰ فتاوی کے اس مجموعہ سے تمام مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور اپنی بارگاہ عالیہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ؛ آمين بحرمة سيد المرسلين صلی اللہ تعالیٰ عليه وآله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً .

صاحب فتاویٰ

کے

حالاتِ زندگی

بابــ اول

حــالاتــ وکوائفـــ

ولادت

آپ کی پیدائش ۲۷/ ذی القعدة ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۴/ستمبر ۱۹۴۶ء بروزِ منگل رات کو دس بجے ہوئی۔ جائے پیدائش ''خانپور'' ہے جو ''جمبوسر'' سے آٹھ کلومیٹر پر ضلع بھروچ میں واقع ہے، خانپور کو خانپور دہ بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کا خاندان

آپ کے دادا صاحب اصلاً ''سارود'' (ضلع بھروچ) کے باشندے تھے، خانپور میں انھوں نے شادی کی تھی، مفتی صاحب کے والد صاحب مدتِ رضاعت میں تھے اسی دوران ان کے والد یعنی مفتی صاحب کے دادا صاحب کا انتقال ہو گیا تھا، بعض مصالح کی بنا پر مفتی صاحب کی دادی صاحبہ اپنے بچوں سمیت اپنے میکہ خانپور میں اپنے بھائیوں کے پاس آگئیں اور باقی زندگی خانپور ہی میں گزارنا طے کر لیا، مفتی صاحب کے والد صاحب جب کچھ بڑے ہوئے اور تعلیم وتربیت قبول کرنے کی عمر کو پہنچے تو دادی صاحبہ نے اپنے لڑکے (مفتی صاحب کے والد صاحب) کو تعلیم وتربیت کے خاطر احمد آباد کے مشہور ''سلطان احمد'' نامی یتیم خانہ میں بھیج دیا۔

والدین گرامی قدر

والد صاحب کا نام محمد تھا، اگر چہ عالم تو نہیں تھے؛ مگر صوم وصلاۃ اور تہجد کے پابند ایک دیندار انسان تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے بیعت کا شرف بھی حاصل تھا۔

۱۹۵۶ء میں جمعیت علمائے ہند کا انیسواں اجلاسِ عام سورت گجرات میں منعقد ہوا جس کی مسندِ صدارت کو حضرت مدنیؒ نے رونق بخشی تھی۔ اس وقت حضرت مدنیؒ نے ضلع بھروچ کے گاؤں گاؤں کا دورہ فرمایا تھا، اسی موقع سے مفتی صاحب کے والدین حضرت مدنیؒ کے دستِ بابرکت پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ بچپن میں خود مفتی صاحب کو بھی حضرت مدنیؒ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔

والد ماجد کا انداز تربیت

آپ کے والد بزرگوار کو فنِ حساب اور گجراتی زبان میں مہارت حاصل تھی، متعدد جگہوں پر اسکول میں ٹیچر کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے، اخیر میں خانپور میں لڑکیوں کے اسکول (کنیا شاڑہ) میں ماسٹر رہے، مدتِ خدمت پوری ہونے کے بعد ریٹائرڈ ہو گئے۔ تربیت کے معاملے میں نہایت سخت اور چوکنّا تھے، اپنے بچوں کی تربیت کا یہ حال تھا کہ شام کے کھانے کے وقت سب بچوں کو دسترخوان پر بٹھلاتے، کھانا نکالنے سے پہلے مسنون دعائیں اور نماز کا طریقہ سنتے، پھر کھانا نکالنے کا حکم فرماتے، ان کی اسی تربیت کی وجہ سے مفتی صاحب بچپن ہی سے تہجد کے عادی ہو گئے۔

مفتی صاحب کی تربیت اور ان کا دینی ذہن بنانے کے لیے ان کی تادیب وتنبیہ کے عجیب قصے ہیں:

ناجائز چپل-جوتے پہننے میں احتیاط

چوں کہ بچپن ہی سے والد صاحب نے نماز کا پابند بنا رکھا تھا، ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے باہر نکلے تو دیکھا کہ چپل ندارد، آپ تھوڑی دیر ٹھہر گئے کہ شاید کوئی بھول سے چپل پہن گیا ہوگا، احساس ہوگا تو واپس آ کر رکھ دے گا؛ البتہ ایک جوڑی چپل رکھے ہوئے تھے جو آپ کے چپل کے مشابہ تھے، جس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید اسی کا مالک پہن گیا ہوگا، پھر بھی آپ نے مزید احتیاط یہ کی کہ جب تمام مصلی مسجد سے باہر نکل جائیں پھر کوئی قدم اٹھایا جائے، چناں چہ تمام مصلی کے نکلنے تک انتظار میں بیٹھے رہے، جب پوری مسجد خالی ہوگئی، ایک بھی مصلی باقی نہ رہا، تو سابق شبہ میں پختگی پیدا ہوگئی، اور یقین کرلیا کہ جو چپل رکھے ہوئے ہیں اسی کا مالک میرا چپل پہن گیا ہے، اسی بنیاد پر آپ نے وہ چپل پہن لیے۔ جب گھر پہنچے اور والد صاحب کو پیش آمدہ واقعہ کا علم ہوا تو فرمایا کہ: جب اس کا مالک آئے گا اپنے چپل تلاش کرے گا تو نہ پا کر پریشان ہوگا، اس کی کیا گارنٹی کہ تمہارے چپل وہی شخص پہن گیا ہے۔ بہر حال! پہنے ہوئے چپل واپس کرنے اور مسجد جا کر چپل چھوڑ آنے کا حکم صادر فرمایا۔

تجربہ ہے کہ بچپن کی تعلیم وتربیت کا اثر زندگی بھر رہتا ہے، بچپن کی اس تعلیم وتربیت کا اثر کہنا چاہیے کہ ایک مرتبہ ڈابھیل سے دیوبند جاتے ہوئے مفتی صاحب دہلی میں حاجی منصور صاحب کے مکان میں قیام پذیر تھے، حاجی منصور صاحب فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے خصوصی میزبان ہیں، حضرت فقیہ الامت کی خدمت میں آنے جانے والے مہمانوں کے لیے ان کا مکان آرام دہ ثابت ہوتا، اور وہ خوب خدمت کرتے۔

چند روز کے بعد راقم الحروف کو دیوبند کے سفر میں ان کے مکان پر قیام کی نوبت آئی، اس وقت حاجی منصور صاحب نے سنایا کہ ''مفتی صاحب کے جوتے سُوّر کے چمڑے سے بنائے گئے تھے، ان کو پتہ نہیں تھا، بتایا کہ یہ تو سور کے چمڑے سے بنے ہیں تو فوراً نکال دیے اور دوسرے جوتے یا چپل پہن لیے۔ حالاں کہ وہ جوتے بہت قیمتی اور باہر کے کسی ملک کے بنے ہوئے تھے، لیکن جب علم ہوا تو ایک گھڑی بھی ایسے ناجائز جوتے پہنے رکھنا گوارا نہیں کیا''۔

رات بھر گھر کی چوکھٹ میں

آپ کے والد صاحب کی سخت تربیت کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کر لیجئے، بچوں کو آوارہ گردی سے بچانے کے لیے والد صاحب نے سب کو اس کا پابند بنا دیا تھا کہ عشا کے بعد جلد گھر آنا ہر چھوٹے بڑے کے لیے لازم ہوگا، چناں چہ مقررہ وقت پر گھر کا دروازہ بند کر دیتے۔ بچپن میں اتفاق سے ایک روز رات کو مفتی صاحب دیر سے پہنچے، دیکھا کہ دروازہ بند ہو چکا ہے، دروازہ پر دستک دی، کسی نے نہیں کھولا، آپ کی والدہ اور دیگر بھائی بہنوں میں سے کسی کی ہمت نہیں تھی کہ والد صاحب کے اشارے کے بغیر کھولے، بار بار دستک دی، مگر کسی نے نہیں کھولا؛ چناں چہ پوری رات گھر کی چوکھٹ پر بادلِ ناخواستہ گزارنی پڑی، صبح کی نماز کے بعد گھر میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔

والد کا سفر حج اور اولاد کے حق میں دعا

آپ کے والد صاحب کی معاشی حالت متوسط درجہ کی تھی، اسکول ٹیچر جب تک

رہے اسکول کی تنخواہ اور بعد میں پینشن پر گزارہ تھا، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے حالات میں حجِ بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی۔

۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں بذریعہ آبی جہاز حج کا سفر کیا، اس سفر میں انہوں نے اپنی اولاد کے لیے دعاؤں کا خوب اہتمام کیا، جس کا اظہار وہاں کے قیام کے دوران بذریعۂ خطوط کرتے رہتے تھے۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا جو بیت اللہ کے روبرو یا بیت اللہ شریف کے سایہ میں کی، یہ تھی کہ: ’’یا اللہ میری تمام اولاد کو حج کی سعادت نصیب فرما‘‘ ان کی دعا الحمد للہ قبول ہوئی اور تمام اولاد کو حج کی توفیق وسعادت میسر آئی، حالاں کہ جس وقت دعا کی گئی تھی اس وقت ان کی مالی حالت کے اعتبار سے دور دور تک اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اولاد میں سے کوئی حج کا سفر کرسکے، لیکن یہ سفر بندے کے دست وبازو اور اس کی تدبیروں کا نہیں بلکہ توفیقِ خداوندی کا رہینِ منت ہوتا ہے، جس کی التجاسن لی گئی اس کو بے بضاعتی کے باوجود توفیق بخشی جاتی ہے، جبکہ حویلیوں اور محلوں میں رہنے والوں کو وسائل اور ذرائعِ آمدورفت کے باوجود ربِ کریم کے دربار میں حاضری نصیب نہیں ہوتی۔

مفتی صاحب کے حق میں والد گرامی کی دعا تو ایسی قبول ہوئی کہ سب بھائی بہنوں سے زیادہ انہیں حج کی سعادت حاصل ہوئی۔

بلکہ ۱۴۲۷ھ میں اعزاز واکرام کے ساتھ بیت اللہ شریف میں سنت طریقہ کے مطابق جن ستونوں کے مابین حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتحِ مکہ کے موقع پر نماز پڑھی تھی اسی جگہ بیت اللہ شریف کے اندر نماز کی توفیق وسعادت عطا ہوئی۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

والد صاحب کا انتقال

والد صاحب کا انتقال ۱۹۶۸ء میں خانپور میں ہوا۔ انتقال جمعہ کے روز ہوا جس کی وہ مدتوں سے تمنا اور اوروں سے دعا کی گذارش کیا کرتے تھے، ان کے انتقال کے بعد تعزیت کے طور پر مولوی اسماعیل احمد بھائی جی صاحب نے ایک خط مفتی صاحب کے نام لکھا تھا جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

''والد صاحب کی موت یقیناً ایک ایسی موت ہے کہ رشک کیا جائے، کیوں کہ ایک تو جمعہ کا دن کہ جس دن کے انتقال پر مغفرت کا وعدہ، ثانیاً صبح کا سنہرا وقت، اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ موت تک ایک بھی نماز قضا نہیں ہوئی، عشا کی نماز پڑھ کر سو گئے اور فجر کی اذان سنتے سنتے اس فانی دنیا سے تشریف لے گئے نہ گھر والوں کو کوئی تکلیف، نہ پرایوں کو، بلکہ صبح میں نیند سے اٹھ کر سب نے جانا کہ انتقال ہو گیا ہے۔ الخ

احقر اسماعیل احمد بھائی جی

والدہ صاحبہؒ کا انتقال

حضرت والد صاحبؒ کے انتقال کے تقریباً گیارہ سال بعد والدہ صاحبہؒ کا انتقال بھی یومِ جمعہ کو بہ وقتِ عصر، ۱۴ رشوال ۱۳۹۹ھ، مطابق ۷ رستمبر ۱۹۷۹ء کو ہوا، جس پر حضرت فقیہ الامتؒ نے تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ پہلا گرامی نامہ ملا، جس میں محترمہ والدہ صاحبہ کی علالت کا تذکرہ تھا، پھر ان کے انتقال کی خبر پہنچی، خدا تعالیٰ ان کو آغوشِ رحمت میں جگہ دے، لطف وکرم کا معاملہ فرماوے، کوتاہیوں سے درگذر کرے، آپ سب کو صبر جمیل دے، تمام اہلِ خانہ کو عافیت سے رکھے۔ یہاں بھی

ایصال ثواب کر دیا ہے، وہاں تو آپ کرتے ہی ہوں گے، اب تو یہی مرحومہ کے ساتھ حقیقی خیر خواہی ہے، للہ ما اعطیٰ ولہ ما اخذ ولکل شئ عندہ اجل مسمیٰ فصبر جمیل . (دیکھیے مکتوبات فقیہ الامت: ۲۲۸/۴)

ابتدائی دینی تعلیم

حضرت مفتی صاحب نے ابتدائی دینی ودنیوی تعلیم وطنِ مالوف خانپور کے مکتب میں مذکورۂ ذیل اساتذہ سے حاصل کی:

تختی، قاعدہ - حافظ ابراہیم قاضی صاحب

پارۂ عم اور کچھ ناظرۂ قرآن - حافظ حسن شاہ خانپوری

قرآن شریف ناظرہ اور اردو کی ابتدائی کتابیں - مولانا محمد امین اسماعیل قاضی ٹنکاروی (جو دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت کے فارغ التحصیل تھے۔)

چوں کہ آپ کے والد صاحب کا شروع ہی سے دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ تھا، اس لیے جس دن ناظرہ قرآن شریف ختم ہوا اس روز گھر میں بہارِ مسرت چھا گئی اور با قاعدہ کھیر وحلوا پکانے کا حکم دیا، جس سے آپ کی حوصلہ افزائی مقصود تھی۔

ابتدائی عصری تعلیم

اسکول کی پوری تعلیم ابتدا سے ساتویں جماعت تک خانپور میں حاصل کی، آپ کے والد صاحب خود ایک ماہر ماسٹر تھے، کئی سال تک اسکول میں پڑھانے کا تجربہ تھا، اسکول کا ہوم ورک خود اپنی نگرانی میں مکمل کراتے، پہاڑے زبانی سنتے، بعض مرتبہ اسی مشغولی کی وجہ سے اسکول جانے میں دیر ہو جاتی تو اس زمانے کے قدرداں ماسٹر صاحبان آپ کو

بلانے کے لیے دیگر طلبۂ اسکول کو آپ کے گھر بھیجتے، وہ طلبہ جب آکر دیکھتے کہ آپ اپنے والد صاحب کے پاس سیکھ رہے ہیں، تو وہ بھی والد صاحب کے نرالے انداز وشگفتہ بیانی سے متأثر ہوتے اور نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کو لے کر جانے کے بجائے آنے والے طلبہ خود سبق میں شریک ہوجاتے۔

اسکول میں جن ماسٹر صاحبان سے پڑھنے کا موقع ملا ان میں سے چند یہ ہیں:

① ماسٹر حسن صاحب جو رشتے میں آپ کے خالو بھی ہیں۔

② ماسٹر محمد موسی خانپوری ثم آچھودی۔

③ ماسٹر اسماعیل احمد پٹیل معروف بہ ''جناب''۔

آپ تمام جماعتوں میں معیاری نمبرات سے کامیاب ہوئے، ساتویں کلاس کا امتحان جمبوسر اسکول میں دیا، اس دور میں ساتویں کا امتحان فائنل کا درجہ رکھتا تھا جس کے بعد سرکاری ملازمت بھی مل سکتی تھی۔

والد صاحب کا فیصلہ

خانپور میں قاعدہ، قرآن شریف اور اردو کی ابتدائی تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد جب عصری تعلیم کی تکمیل کا مرحلہ آیا تو مفتی صاحب کے بڑے بھائی جناب ابراہیم صاحب نے آپ کو مزید حصولِ تعلیم کے لیے احمد آباد لے جانا چاہا، بڑے بھائی دنیوی تعلیم یافتہ تھے، وہ احمد آباد میں مقیم تھے اور ایک ٹھیکیدار ہونے کی حیثیت سے مکانات بنوانے کا کام کرتے تھے۔ بڑے بھائی کا ارادہ دنیوی تعلیم میں آگے بڑھانے کا تھا چناں چہ بھائی نے والد صاحب سے بہ اصرار کہا کہ: احمد کو احمد آباد بھیج دیجیے، میں وہاں اس کو انگریزی پڑھانا چاہتا ہوں۔

ایک متشرع اور دینی ذہن رکھنے والے والد کا وہی جواب تھا جو حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب کے والد ماجد نے ایک انگریزی کلکٹر کو دیا تھا، اس کلکٹر نے اصرار سے کہا تھا کہ اس بچہ (مولانا نعمانی) کو مقامی ہائی اسکول میں بھیج دیا جائے اور ساتھ ہی میں تحصیل دار اور پھر ڈپٹی کلکٹر بننے کے خواب دکھلائے تھے۔ مولانا نعمانی کے والد صاحب کا آخری جواب یہ تھا کہ ''میں اس کو دینی تعلیم دلانے کی کوشش کروں گا جس سے مجھے قبر میں اور اس کے بعد کچھ ملتا رہے گا''۔

چناں چہ مفتی صاحب کے والد ماجد نے آپ کے بڑے بھائی کو جواب دیا ''میں نے احمد کو اپنی آخرت کے لیے رکھ چھوڑا ہے، اس لیے اس کو نہیں بھیج سکتا''۔

والد صاحب کا یہ فیصلہ ممکن ہے کہ بڑے بھائی کے لیے ناگواری کا باعث ہوا ہو؛ مگر آج اس کی قدر بیان کرنے کے لیے کوئی لفظ کافی نہیں ہے۔ ان کا یہ فیصلہ ان کی اپنی ذات کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام اور موجب ثمراتِ اخروی ثابت ہو ہی چکا، اور بعد والوں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب کو خلقِ عظیم کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا ؎

روح پدرم شاد کہ باستاد مرا گفت	کہ فرزندِ مرا عشق بیاموز دگر ہیچ

(اللہ تعالیٰ میرے والد کی روح پر رحمت کرے کہ انہوں نے میرے استاد سے فرمایا تھا کہ میرے بیٹے کو بس عشق سکھا دیجئے باقی کچھ نہیں چاہیے)۔

دارالعلوم اشرفیہ کا انتخاب

خانپور میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے دارالعلوم اشرفیہ راندیر کا

رخ کیا۔ گجرات میں اس وقت چار مشہور درس گاہیں تھیں: (۱) دار العلوم اشرفیہ راندیر (۲) جامعہ حسینیہ (۳) جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (۴) مدرسہ تعلیم الاسلام آنند۔

مکتب میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد عموماً مزید تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ ان ہی اداروں میں آکر طلبِ علم کی پیاس بجھاتے، اپنی زندگی کے سنہرے ایام وہاں کی روح پرور اور ایمان افروز فضاء میں گزارتے، اور وہاں کے علمی سوتوں سے بقدرِ توفیقِ الٰہی اپنی روح کو سیراب کرتے، جذبۂ شوق نے مفتی صاحب کو بھی کھینچا۔ راندیر کا ہی انتخاب اس لیے کیا گیا کہ وہاں آپ کی بڑی بہن کی شادی ''منشی بیکار'' صاحب کے بڑے صاحب زادے سے ہوئی تھی۔ ''منشی بے کار'' صاحب اصلاً خانپور کے تھے، بعد میں راندیر کو وطن بنالیا تھا، مفتی صاحب کے والد کے جگری دوست تھے۔

آپ کے بہنوئی کے والد- جن کا نام منشی ابراہیم دادابھائی، تخلص ''بیکار'' ہے- گجراتی زبان کے صاحبِ طرز ادیب وانشا پرداز ہونے کے ساتھ شاعر بھی تھے، مزاحیہ ادیب تھے، وہ صاف وسادہ، رواں دواں اور شگفتہ نثر لکھتے تھے، انہوں نے گجراتی زبان میں مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں، مولانا عبد الرحیم غلام محمد صادق کے مشہور ترجمۂ قرآن کی نوک و پلک اور اس میں ادیبانہ چاشنی پیدا کرنے کی خدمت ''منشی بیکار'' صاحب نے انجام دی ہے۔

اُس دور میں گجراتی زبان میں نکلنے والے مشہور اخبار ''پٹیل متر'' کے ایڈیٹر تھے، نیز ایک دوسرے اخبار ''صادق'' کے نائب ایڈیٹر رہے، ایک خاص طرز کی انشائیہ نگاری میں بڑی شہرت حاصل کی، واقعہ یہ ہے کہ ''بے کار'' صاحب بڑے کام ونام والے شخص تھے، اصلاً ان کا سرنیم ''پٹیل'' ہے، مگر انہوں نے شاعر ہونے کی حیثیت سے اپنا تخلص

''بے کار'' رکھا تھا اور اسی تخلص سے مشہور تھے۔''بے کار'' صاحب کے دار العلوم اشرفیہ کے مہتمم مولانا احمد اشرف سے اچھے روابط تھے۔اسی بنیاد پر مفتی صاحب کے والد صاحب نے آپ کو دار العلوم اشرفیہ راندیر بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔

دار العلوم اشرفیہ میں

دستور کے مطابق آپ کے والد صاحب نے مہتمم صاحب کی خدمت میں درخواست کے طور پر خانپور سے راندیر خط روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا:

''مہربان مہتمم صاحب دار العلوم اشرفیہ!

آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ میرا لڑکا احمد محمد اکو جی نامی-عمر تقریباً بارہ سال ہے- اس سال گجراتی میں سات کلاس تک تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ فائنل کا امتحان دے چکا ہے، اردو اچھی طرح پڑھنے پر قدرت حاصل ہے، تعلیم الاسلام ''دینی تعلیم'' کے دو حصے اور قرآن شریف ناظرہ مکمل کیا ہے، عالم کورس میں داخل کرنے کے لیے آپ کے مدرسہ میں داخلہ کی درخواست ہے۔لڑکا محنتی ہے، توجہ ولگن کے ساتھ پڑھنے کا کام کرے گا۔

لہٰذا اس سال آپ کے ہاں داخلہ فرما کر ممنون کریں۔راندیر میں ''منشی بیکار صاحب'' ہمارے احوال سے بخوبی واقف ہیں۔ان کا مشورہ (عندیہ) معلوم فرمالیں۔جواب دے کر احسان فرماویں۔بفضلہٖ تعالیٰ اس علاقہ میں علم کا شوق وذوق بڑھ رہا ہے، اس کی ترقی ہونی چاہیے، آپ جیسے بڑے عالم کی زیر تربیت لڑکا اچھی تعلیم وتربیت پائے گا ایسی توقع ہے۔''بیکار صاحب'' کی فرمائش پر ہم نے یہ درخواست تحریر کی ہے، اسے منظور فرمالیجیے۔۲۶/اپریل ۱۹۵۸ء

درخواست منظور ہوگئی، آپ رختِ سفر باندھ کر والد صاحب کی معیت میں راندیر پہنچے اور ۸ /مئی ۱۹۵۸ء میں دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا۔ فارسی اول سے دورۂ حدیث تک مکمل درسِ نظامی کی تعلیم دار العلوم اشرفیہ میں حاصل کی، خوب محنت سے پڑھا، امتحانات میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، امتحان کے بعد نتیجۂ امتحان والد صاحب کو بتلانا ضروری ہوتا، تاخیر ہونے پر وہ یاددہانی پر مشتمل خط تحریر فرماتے۔

آیئے آپ کے نتیجۂ امتحانات پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں جس سے آپ کی محنت ذہانت اور استعداد کا اندازہ ہوسکے گا۔

مختلف درجات میں حاصل کردہ نمبرات

درجۂ فارسی اول کے نمبرات

سہ ماہی امتحان (سہ شنبہ، چہار شنبہ ۱۳۷۸ھ)

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	چہل سبق	۴۸
۲	صفوۃ المصادر	۵۰
۳	رہبر فارسی	۴۷
۴	تحریر	۵۰

ششماہی ۵-۶-۷ جمادی الاول ۱۳۷۸ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	گلزارِ دبستاں	۴۷

۲	کریما	۵۰
۳	پندنامہ	۵۰
۴	مصدرِ فیوض	۴۹
۵	تحریر	۴۹

درجۂ فارسی اول کی تکمیل پر آپ کے والد صاحب کے خط کے جواب میں اہل مدرسہ نے سالانہ امتحان کے حاصل کردہ نمبرات کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا:

’’خط ملا، پڑھ کر حقیقتِ حال سے واقفیت ہوئی۔ آپ کے لڑکے نے عمدہ نمبرات سے کامیابی حاصل کی ہے، فکر نہ کریں، اپنی جماعت کے اٹھارہ طلبہ میں چوتھے نمبر پر کامیاب ہوا۔ نمبرات حسبِ ذیل ہیں:

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	چہل سبق	۵۰
۲	آمدنامہ	۴۸
۳	رہبرِ فارسی	۴۹
۴	کریما	۵۰
۵	پندنامہ	۵۰
۶	نامِ حق	۵۰
۷	گلزار دبستاں	۵۰
۸	مصدر فیوض	۵۰

۹	لغاتِ فارسی	۴۸
۱۰	تحریر	۵۰

اخلاق اچھے ہیں، پڑھنے میں بہت محنت کرتا ہے، اور محنت سے پڑھتا رہتا ہے، فکر نہ کریں، آئندہ سال درخواست دینے کی ضرورت نہیں۔ خانپور میں ملاقات کے وقت مزید حقیقتِ حال سے واقف کروں گا، فکر نہ کریں۔ بعد جلسہ دو ماہ کی تعطیل رہے گی۔ سب کو سلام

از قلم: محمد رجب ترکیسری، جمعرات ۱۲/فروری ۱۹۵۹ء

درجۂ فارسی دوم کے نمبرات

امتحان سہ ماہی میں حاصل کردہ نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	بوستاں	۴۸
۲	گلستاں	۵۰
۳	چہار باب	۴۸
۴	تحریر	۵۰

کل نمبر ۲۰۰ (میں سے) ۱۹۶

امتحان ششماہی میں حاصل کردہ نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	مالا بدمنہ	۵۰
۲	بوستاں	۵۰

۳	گلستاں	۵۰
۴	اخلاقِ محسنی	۵۰
۵	تحریر	۵۰

امتحانِ سالانہ میں حاصل کردہ نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	مالا بدمنہ	۵۰
۲	گلستاں	۴۹
۳	چہار باب	۵۰
۴	اخلاقِ محسنی	۵۰
۵	بوستاں	۵۰
۶	مصدرِ فیوض	۵۰
۷	تحریر	۵۰

۳۵۰ میں سے حاصل کردہ کل نمبرات ۳۴۹

نوٹ: احمد کا نصابِ فارسی مکمل ہوا۔

کتبہ: احقر سید احمد بخاری (بمبوی) تاریخ ۱۷/۲/ ۱۹۶۰ء

درجۂ عربی اول کے نمبرات

(امتحان سالانہ) پہلے نمبر پر کامیابی حاصل کی

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	معلم الانشاء	۴۹

۲	تحریر	۴۹
۳	صرف میر	۵۰
۴	میزان منشعب	۵۰
۵	عربی زبان کا قاعدہ	۵۰
۶	مفید الطالبین	۴۵
۷	علم النحو	۴۵
۸	روضۃ الادب	۵۰
۹	عربی کا معلم	۵۰

۴۵۰ میں سے حاصل کردہ نمبرات ۴۳۸

درجۂ عربی دوم کے نمبرات

مفتی صاحب نے اپنے والد گرامی کو بعد امتحان سہ ماہی نمبرات کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

بعد سلام اطلاعاً عرض ہے کہ ہمارا سہ ماہی امتحان ہو چکا ہے اس میں میں نے نمبر اول پر کامیابی حاصل کی۔ نمبرات حسبِ ذیل ہیں:

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	قلیوبی	۵۰ میں سے ۴۶
۲	نور الایضاح	// ۴۹
۳	علم الصیغہ	// ۵۰

۴	شرح مأۃ عامل	//	۵۰
۵	معلم الانشاء	//	۵۰
۶	تیسیر المنطق	//	۴۶
۷	صغری	//	۴۵
۸	تحریر	//	۴۴

کل ۴۰۰ میں سے حاصل کردہ نمبرات ۳۸۰

فقط تحریر کنندہ: احمد

اسماعیل ماموں اور اہلِ خانہ کو سلام۔ ماہِ صفر ۱۳۸۱ھ

درجۂ عربی سوم کے نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبراتِ مقررہ	امتحان سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
۱	کنز الدقائق	۵۰	۵۱	۴۸	۵۰
۲	شرح جامی	۵۰	۵۰	۴۵	۴۹
۳	اصول الشاشی	۵۰	۵۰	۴۸	۵۰
۴	نفحۃ العرب	۵۰	-	۵۰	۵۰
۵	دروس التاریخ	۵۰	-	-	۴۶
۶	شرح تہذیب	۵۰	-	-	۵۱
۷	مرقاۃ	۵۰	-	-	۵۰
۸	تحریر	۵۰	۵۰	۴۸	۴۸

کل نمبرات: ۴۰۰۔ حاصل کردہ نمبرات　۲۰۱　۲۳۹　۳۹۴

درجۂ عربی چہارم کے نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	امتحان سہ ہی	ششماہی	سالانہ
۱	نور الأنوار	۵۰	۵۱	۵۰
۲	شرح وقایہ	۵۰	۵۰	۵۰
۳	مقاماتِ حریری	۴۸	۴۸	۴۵
۴	قطبی	۵۱	۴۳	۴۹
۵	ترجمۂ قرآن مجید	-	۵۰	۴۹
۶	املاء	۵۰	۵۰	۴۳
۷	میزان الطب	-	-	۴۳

تمام امتحانات میں اول نمبر حاصل کیا۔ احمد محمد منشی

درجۂ عربی پنجم کے نمبرات

آپ کے والد صاحب نے مہتمم صاحب کے نام کارڈ لکھا ہوگا، اس کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا:

ازراندیر، محترم جناب منشی محمد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام مسنونہ!

آپ کا کارڈ موصول ہوا، آپ کا لڑکا ذہین وہوشیار ہے، محنتی ہے، اس کو ہم بھی یہاں آفس میں کام کے لیے بلاتے ہیں۔۔۔۔ باقی سالانہ امتحان کے نمبرات حسبِ ذیل ہیں۔

ہمارے یہاں پچاس نمبرات میں سے نمبرات دیے جاتے ہیں۔ احمد کی جماعت میں کل نو طالبِ علم ہیں جس میں احمد اول نمبر کامیاب ہوا ہے۔

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	ترجمۂ قرآن مجید	۵۰
۲	متنبی	۵۱
۳	ہدیہ سعیدیہ	۴۶
۴	فلسفہ	۴۹
۵	تحریر	۴۹
۶	ہدایہ اولین	۴۸
۷	مختصر المعانی	۴۸
۸	شرح عقائد	۵۰
۹	حسامی	۵۰
۱۰	کتاب تجوید (فن قراءت)	۵۰
۱۱	مشق قراءت	۴۸

فقط والسلام

احقر احمد عارف اشرف راندیری، غفرلہ مدیر دار العلوم اشرفیہ راندیر ضلع سورت

درجۂ عربی ششم کے نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	سہ ماہی	شش ماہی	سالانہ
۱	جلالین شریف	۵۱	۴۵	۴۸

۲	مشکوٰۃ شریف	۵۱	۵۱	۴۸
۳	ہدایہ اخیرین	۵۰	۴۵	۵۱
۴	سراجی	۴۵	۵۱	۴۹
۵	الفوز الکبیر	۴۹	–	۵۰
٦	نخبۃ الفکر	۴۷	–	۵۰
۷	املاء	–	–	۴۹

درجۂ قراءت میں سالانہ امتحان کے نمبرات:

تجوید۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۵۰

قراءت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۴۷

متعلق:- احمد محمد خانپوری

۷/ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ۔۔۔۔یکم دسمبر ۱۹۶۵ء

امتحان سالانہ درجۂ عربی ہفتم کے نمبرات

دار العلوم اشرفیہ راندیر (سورت)

۲۸/ رجب سے لے کر ۳/ شعبان ۱۳۸٦ھ مطابق ۱۳ سے لے کر ۱۸/ نومبر ۱۹٦٦ء تک۔

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	بخاری شریف	۵۱
۲	ترمذی شریف	۵۱

۳	مسلم شریف	۴۷
۴	نسائی شریف	۵۰
۵	ابوداؤد شریف	۵۱
۶	طحاوی شریف	۵۰
۷	مؤطا شریف	۴۵
۸	مؤطا امام محمد	۵۰
۹	ابن ماجہ شریف	۵۰
۱۰	بیضاوی شریف	۵۰

(کل نمبرات ۵۰۰ میں سے ۴۹۵ حاصل ہوئے)

احمد خانپوری درجۂ عربی ہفتم۔

زمانۂ طالب علمی کے اوصاف

دارالعلوم اشرفیہ کے دورِ طالب علمی میں کس لگن اور محنت سے پڑھا اس کا اندازہ امتحان کے حاصل کردہ نمبرات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہانت وفطانت کی نعمت سے نوازا تھا، دوسرے اوصاف کی طرح اس وصف میں بھی اپنے ساتھیوں سے ممتاز خیال کئے جاتے تھے، قوتِ حافظہ بھی زبردست تھی، ایک بار کوئی چیز پڑھ لی یا کسی سے سن لی تو سالہا سال تک یاد رہتی۔ صلاح اور تقوی زمانۂ طالبِ علمی سے طبیعت میں رچا بسا تھا، نماز باجماعت کی پابندی، درس کی حاضری اور درس کی تقریر بغور سن کر تکرار میں بعینہ نقل کرنا، وغیرہ وغیرہ؛ غرض یہ کہ آپ ایک شریف وذہین طالبِ علم کے

اوصاف کے حامل تھے۔آپ کی ان خوبیوں کی شہادت ہم عصروں ہی نے نہیں؛آپ کے اساتذہ نے بھی دی ہے،اور تعریف کی ہے۔یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کو اپنے وقت کی گراں مایہ علمی شخصیتوں اور اصحابِ فضل وکمال سے اکتسابِ علم کا شرف حاصل ہوا۔

راقم الحروف نے آج سے پانچ سال پہلے آپ کے ایک استاذ حضرت مولانا مصلح الدین احمد بڑودوی قاسمی (شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوز بری یو-کے) سے بذریعۂ خط معلوم کیا تھا کہ زمانۂ طالبِ علمی میں مفتی صاحب اپنے اساتذہ کی نظر میں کیسے تھے؟انھوں نے راقم الحروف کے نام ازراہِ کرم ایک تحریر ارسال فرمائی جو انہی کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہے:

حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب بہ زمانۂ طالبِ علمی اپنے اساتذہ کی نظر میں

استاذِ محترم مولانا مصلح الدین صاحب کی تحریر

بے شک حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب اپنے دور کے گجرات (ہند) کے علمائے حق میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں،حق تعالیٰ شانہ نے ان کو ظاہری و باطنی علوم،علمی و عملی کمالات وصفات سے مزین وآراستہ کیا ہے،گجرات و بیرون گجرات بلکہ بیرون ہند مفتی صاحب کے ظاہری و باطنی علوم کا مختلف النوع فیضان جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نواز کر تادیر ان کے اس سلسلۂ فیض کو قائم ودائم رکھے،آمین۔

مفتی احمد خانپوری صاحب زید مجدہ نے فارسی وعربی کی تعلیم از اول تا آخر دورۂ حدیث تک دار العلوم مدرسہ اشرفیہ راندیر-سورت، گجرات میں حاصل کی ہے (یہاں سے فراغت کے بعد دیوبند یا سہارنپور مزید اکتسابِ فیض کے لیے جانا ہوا ہے۔) دار العلوم مدرسہ اشرفیہ راندیر تحصیلِ علم کے زمانہ میں حضرت مولانا احمد اشرف راندیری صاحب، حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب، حضرت مولانا مفتی عبد الغنی کاوی صاحب، حکیم ابوالشفاء حبیب الرحمن صاحب، مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب (دار العلوم دیوبند میں تقرر سے پہلے وہ مدرسہ اشرفیہ راندیر میں تدریسی خدمت انجام دیتے تھے۔) وغیرہ حضرات سے تعلیم حاصل کی ہے۔ یہ سب حضرات علمی، عملی واخلاقی کمالات وصفات کے حامل تھے۔ اور جب کسی شاگرد میں حق تعالیٰ نے اہلیت وصلاحیت رکھی ہو تو وہ بڑی قوت وتیزی کے ساتھ اپنے اساتذہ کی خوبیوں کو اخذ کرتا چلا جاتا ہے، حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب کا یہی حال تھا؛ لہٰذا ان میں اپنے اساتذہ کی خصوصیات وصفات کی ایک نمایاں جھلک آج بھی محسوس ہوتی ہے۔

ہندی کی ایک مثل مشہور ہے ''پوت کے پیر پالنے سے نظر آتے ہیں''، یعنی گہوارہ ہی میں سے بچہ کی حرکات وسکنات اس کے تابناک وروشن مستقبل کی غمازی کیا کرتی ہیں:

بالائے سرش ز ہوش مندی	می تافت ستارۂ سر بلندی

ذہانت، ذکاوت، قوتِ حافظہ کے ساتھ ساتھ صلاح وتقویٰ، مطالعہ وتکرار، نماز باجماعت کی پابندی، اسباق میں بلا ناغہ شرکت اور استاذ کی تقریر کو بغور سننا، اساتذہ کا ادب واحترام، ان کی خدمت، تواضع وانکساری وغیرہ امور واوصاف جو حصول علم کے لیے نہایت ضروری، اور کسی بھی علمی وعملی کمال کے حصول کی اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں،

مفتی احمد خانپوری صاحب کی ذاتِ گرامی بچپن اور طالبِ علمی کے زمانہ ہی سے اس کی حامل تھی، جس کی بنا پر حضرات اساتذۂ کرام کی خصوصی نظران پر رہی۔ اور طالبِ علمی کے زمانہ میں نیز فراغت کے بعد بھی تمام اساتذہ کی نگاہ میں ان کو وقعت وعظمت اور محبت حاصل رہی۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۳۷۸ھ میں احقر نے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد والے سال میں سبعہ وعشرہ کی تکمیل کے ساتھ شعبۂ تدریب الافتا میں داخل ہو کر حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ سے افتا سے متعلق کتابیں پڑھیں، نیز فتویٰ نویسی کی مشق کی۔ آخرِ سال ہی میں دارالعلوم مدرسہ اشرفیہ راندیر میں عربی مدرس کی حیثیت سے احقر کا تقرر ہو چکا تھا۔ شعبان ورمضان کی تعطیل بڑودہ گزار کر ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء ماہِ شوال میں احقر مدرسہ اشرفیہ راندیر حاضر ہو گیا۔ حضرت مولانا احمد اشرف راندیریؒ نے ہدایہ اخیرین وغیرہ اوپر کی کتابیں تجویز کیں۔ احقر نے عرض کیا کہ اگر آپ کا حکم واصرار ہو تو پڑھا دوں گا؛ ورنہ یہ میرے مزاج وطبیعت کے بالکل برخلاف ہے۔ میں تو تمام علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھاتے ہوئے آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ درجۂ عربی اول تو حضرت مولانا سید محی الدین راندیری مرحوم کے پاس تھا اور تا آخرِ حیات انہی کے پاس رہا۔ لہٰذا حضرت مہتمم صاحب نے درجۂ عربی دوم مکمل اور اس کے علاوہ شرح وقایہ، نفحۃ العرب، مرقاۃ وشرحِ تہذیب یہ کتابیں میرے لیے تجویز کیں۔ دو سال تک یہی کتابیں زیرِ تدریس رہیں۔

حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب نے درجۂ عربی دوم کی سب کتابیں مجھ سے

پڑھی ہیں، ان کے علاوہ اور کسی کتاب کا مجھ سے پڑھنا تو مجھے یاد نہیں۔

(۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ نے بہ اصرار مجھے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تدریس کے لیے بلالیا اور میں ڈابھیل منتقل ہوگیا۔)

حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب بچپن ہی سے سلیم الفطرت، فہیم، ذکی وذہین اور قوی الحافظہ تھے، علاوہ ازیں صلاح وتقویٰ اور طبیعت میں سلامت روی وغیرہ خوبیوں کی بنا پر مجھے ان سے بڑا خاطر تعلق تھا۔ (میں نے کچھ کتابیں اپنے والد صاحبؒ سے پڑھی تھیں، ان کا طرزِ تعلیم وتدریس یہ تھا کہ کتاب کا مطالعہ کرکے اگلے دن کا سبق حل کرنے کے ہم ہی مکلف تھے۔ عبارت صحیح طریقہ سے پڑھ کر عبارت کا مطلب ومفہوم بیان کرنا ہمارے ہی ذمہ تھا، اگر مزید توضیح وتشریح ضروری سمجھتے تو والد صاحبؒ کچھ بولتے تھے؛ ورنہ فرمادیتے کہ ٹھیک ہے آگے چلو۔ اور اگر کسی دن مفہوم ومطلب بیان کرنے میں کمی وکوتاہی ہوتی تو بڑی سخت پٹائی ہوتی تھی کہ تم نے آج صحیح طور پر مطالعہ نہیں کیا اور کما حقہ عبارت حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔)

ظاہر ہے کہ اس تعلیم وتربیت کا اثر بھی طبیعت پر لازم تھا، نیز اس زمانہ میں احقر نو فارغ شدہ بالکل نوجوان تھا، اس لیے میں روزانہ طلبہ سے بالالتزام سبق سنتا تھا اور یاد نہ ہونے پر سخت بازپرس کے ساتھ پٹائی بھی کردیتا تھا۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب روزانہ بالالتزام وقت کی پابندی کے ساتھ اسباق میں حاضری دیتے تھے، اور سبق یاد کرکے بہت اچھی طرح سنا بھی دیتے تھے، جس سے مجھے بڑی مسرت ہوتی تھی، اور فطری طور پر میری طبیعت کا میلان ورجحان ان کی طرف ہوگیا تھا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے ایک دن مفتی صاحب کو سبق یاد نہ تھا، مجھے خیال ہوا کہ یہ تو بحمد اللہ بڑے ذہین وفہیم

اور قوی الحافظہ ہیں، یہ چاہتے تو بآسانی یاد کر سکتے تھے، چناں چہ میں نے ان کے سبق یاد نہ ہونے کو تغافل اور تساہل پر محمول کیا، جس کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا، اور میرے ہاتھ میں بید کی چھڑی تھی، اس دن اس چھڑی سے میں نے ان کی سخت پٹائی کر دی۔ غصہ فرو ہونے کے بعد مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے تیرا اس یاد نہ ہونے کو تغافل وتساہل قرار دینا غلط اور خلافِ نفس الامر ہو، اور اس صورت میں تو یہ زیادتی ہے۔ بہرحال اب تک مجھے جب کبھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو مجھے اپنے دل میں بڑی ندامت وشرمندگی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے اور مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے، لیکن اس واقعہ کے بعد مفتی صاحب نے میرے ساتھ برتاؤ میں کوئی فرق نہیں کیا۔

اس زمانہ میں دار العلوم مدرسہ اشرفیہ کی حالیہ عمارت تعمیر نہ ہوئی تھی، مختلف بلڈنگیں مدرسہ نے کرایہ پر لے رکھی تھیں، اور طلبہ کو حسبِ درجات ان میں ٹھہرایا جاتا تھا، طلبہ کی رہائش کا یکجا انتظام نہ ہونے کی بنا پر وہ کسی ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے پابند نہ تھے؛ بلکہ ہر ایک اپنی رہائش گاہ کے قریب واقع مسجد میں نمازِ پنج گانہ باجماعت پڑھنے کا مکلف تھا۔ احقر اس زمانہ میں ''طائی واڑہ'' میں قیام پذیر تھا، اور پنج وقتہ نماز اسی ''طائی واڑہ'' کی جامع مسجد میں پڑھا کرتا تھا، مفتی احمد خانپوری صاحب اس زمانہ میں پندرہ سولہ سال کی عمر کے طالبِ علم تھے، یہ اکثر عشا کی نماز اسی مسجد میں پڑھتے تھے، نماز باجماعت کا اہتمام کرتے تھے، اور عشا کی جماعت کے بعد جامع مسجد کے بائیں گوشہ میں جس کھڑکی کے پاس یہ سنت ونفل پڑھتے تھے وہ گوشہ اب تک میرے حاشیۂ خیال میں محفوظ ہے، میں بغور ان کو دیکھتا رہتا تھا، یہ سنت ونفل اطمینان سے پڑھنے کے بعد دعا میں اہتمام کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور اچھی طرح دعا کرتے تھے۔ مجھے اسی وقت سے

ان کی یہ ادا اور روش بڑی پسند تھی۔

مفتی صاحب کے ساتھ مختلف اسفار میں رفاقت ومعیت رہی، رفقائے سفر کی راحت رسانی کا بڑا خیال فرماتے، بسا اوقات ساتھیوں کا سامان بلا تکلف خود اٹھالیتے تھے، اوران کی ایذا رسانی سے بچنے کا اہتمام کرتے۔ تواضع، عاجزی، انکساری، بے نفسی، خوش اخلاقی وملنساری، دوسروں کے کام آنے کا جذبہ، وغیرہ بہت سی خوبیوں اور صفاتِ حمیدہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا ہے۔ ہر وارد وصادر سے مفتی صاحب کی خیریت مزاج وحالات معلوم کرتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ موجودہ حالات کو دور فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ تادیر ان کو صحیح وسالم قائم ودائم رکھے آمین۔

یہ مختصر طور پر چند پرانی یادیں اور معلومات جو ذہن میں آئیں حوالۂ قلم کرکے ارسال ہیں۔ والسلام خیر ختام۔

سید مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی

خادمِ حدیث: جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوزبری، مرکز یوکے، انگلینڈ

۲۰/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰/ ۵ / ۲۰۰۴ء بروزِ دوشنبہ

لکھنے والوں نے اپنے بڑوں کے متعلق بہت کچھ لکھا، اور پڑھنے والوں نے بھی خوب پڑھا ہوگا؛ لیکن اپنے شاگرد کے متعلق علومرتبت، فہم وفراست اور ذہانت، صلاح وتقوی اور خداداد صلاحیت کی ایسی شہادت اس پُرعصبیت اور ناقدری کے دور میں خال خال ہی نظر آئے گی۔

حضرت مولانا سید مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم نے اپنی مذکورہ تحریر کے ذریعہ اسلاف اور اکابرِ دیوبند کی اپنے شاگردوں پر مہربانی وشفقت اور حوصلہ افزائی پر

مشتمل واقعات کی مثال پیش فرمادی۔ حضرت مولانا کے دل میں اپنے اس شاگرد کے علم وفتوی پر اعتماد اور حقیقت پسندی کا اعتراف اس سے کیجیے کہ:

۱۴۲۱ھ میں جب ان کی جامع مستند کتاب ''انمول حج''، طبع ہوئی، طباعت سے پہلے مسودہ چند اہلِ علم کی خدمت میں تقریظ اور اظہارِ رائے کے لیے بھیجا گیا۔ کتاب پر جن علمانے تقاریظ لکھیں ان میں سرفہرست اپنے اس محبوب شاگرد کی تقریظ رکھی۔

چناں چہ مفتی صاحب اپنی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں: ''استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی سید مصلح الدین احمد صاحب دامت برکاتہم نے بھی ان نئے حالات وضرورتوں کے پیشِ نظر (انمول حج نامی کتاب لکھ کر) اس موضوع کا حق ادا کردیا ہے''۔ (انمول حج ۴)

کتابوں پر بڑے بڑے اصحابِ فضل وکمال کی تقاریظ تحریر کروانے کے اِس پر آشوب دور میں استاذ کی کتاب پر شاگرد کی تقریظ کی یہ نادر مثال ہے۔

اس سلسلہ کو یہیں چھوڑتے ہوئے عنانِ قلم کو راقم مفتی صاحب کے اساتذہ کے تعارف کی طرف موڑتا ہے۔ آپ نے دار العلوم اشرفیہ میں جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور جن سے آپ کو باقاعدہ تلمذ حاصل رہا ہے، ان کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

(۱) مولانا یوسف صاحب بودھانیہ (کینیڈا)

مفتی صاحب کے درجۂ فارسی کے استاذ مولانا یوسف صاحب بودھانیہ مدظلہم- جو اس وقت کینیڈا (ٹورنٹو) میں بقید حیات ہیں- سے راقم الحروف نے ان کے احوال کے متعلق ان کے نام عریضہ لکھا تھا جس کا جواب موصوف نے تحریر فرمایا۔ جو ان کے شکریہ کے ساتھ بجنسہ ان کے الفاظ میں بطور تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ (ع۔ر)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترمی مفتی صاحب زید مجدہ!

بعد از سلام وخیریت! آپ نے میرے اور عزیزم مفتی احمد خانپوری صاحب کے متعلق معلومات طلب کی ہیں، احقر کے ذہن میں چند باتیں ہیں وہ سپردِ قلم ہیں معاف فرمائیں۔

احقر کا نام: یوسف اسماعیل بودھانیا۔ گاؤں: عمرواڈا، تعلقہ: انکلیشور، ضلع: بھروچ (گجرات)۔ تاریخِ پیدائش: ۱/مئی ۱۹۳۴ء، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب "نور العلوم" میں ہوئی۔

اساتذہ: ① حافظ اسماعیل چاند شاہ آلونجوی

② حافظ اسماعیل پانچ بھایا لوہاروی

③ مولانا موسی کرودیا عمرواڈی صاحب

گاؤں میں گجراتی اسکول میں گجراتی پانچویں کلاس تک تعلیم حاصل کی، دس سال کی عمر میں ۴۴ء میں دار العلوم اشرفیہ راندیر میں داخل ہوا۔ ۴۴ء کا زمانہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا، اناج وغیرہ راشننگ (راشن کارڈ) میں ملتا تھا، مکئی لال جواری کی روٹی کھاتے تھے، تمام اشیا بہت کم ملتی تھیں، ہفتہ میں ایک دن چاول آتے تھے، آج طلبہ کو جو راحت ہے، وہ ہمارے وقت میں نہ تھی؛ مگر بحمد للہ طلبہ بڑی محنت سے پڑھتے تھے، طلبہ کی تعداد فقط اسی یا نوے تھی، ایسا کھانا کھا کر بغیر شکایت کے تعلیم حاصل کی۔ اپریل/ ۱۹۵۳ء میں دار العلوم اشرفیہ سے فراغت ہوئی۔ جون ۵۳ء میں دار العلوم

دیو بند میں داخلہ ہوا، دورۂ حدیث مکمل کر کے وطن مالوف عمرواڈا رمضان میں پہونچا۔

دار العلوم اشرفیہ کے اساتذہ

① مولانا اشرف احمد صاحب راندیری نور اللہ مرقدہ
② شیخ الحدیث مولانا محمد رضا صاحب اجمیری نور اللہ مرقدہ
③ مفتی عبد الغنی صاحب کاوی نور اللہ مرقدہ
④ مولانا عبد الصمد صاحب کالا کاچھوی نور اللہ مرقدہ
⑤ مولانا شیر محمد صاحب خراسانی نور اللہ مرقدہ (ایران)
⑥ قاری عبد الرحمن صاحب رنگونی نور اللہ مرقدہ
⑦ مولانا یوسف صاحب پٹیل تراجوی نور اللہ مرقدہ

دار العلوم دیو بند کے اساتذہ

① شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
② شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہ
③ علامہ ابراہیم بلیاوی صاحب نور اللہ مرقدہ
④ قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ
⑤ مولانا فخر الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ
⑥ مولانا ظہور الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ

سنہ ۱۳۷۲ھ سنہ ۱۹۵۳ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد وطن پہنچا۔

مکاتب سنہ ۱۹۵۴ء میں مہتمم مولانا احمد اشرف صاحب کے ماتحت دیہاتوں میں

چلتے تھے، ویزٹ (نگرانی) کے لیے بھیجا، احقر کے کام سے نیز اردو گجراتی خوش خطی پسند آنے سے فارسی اول ودوم پڑھانے کے لیے مدرس رکھا، بعد ازاں عربی اول ودوم وسوم کی کتب درسیہ سونپی، مہتمم صاحب مرحوم نے اپنی بیماری کے دنوں میں امتحانات اور تعلیمات کی ذمہ داری سونپی، سالانہ جلسہ کی تیاری وغیرہ بحمد اللہ بخوبی انجام دی۔

۱۹۵۴ء سے ۱۹۸۷ء تک ایک ہی مدرسہ میں رہا، کوئی مدرسہ نہیں بدلا، اسی طرح پڑھنے کے زمانہ میں فارسی اول تا دورۂ حدیث اشرفیہ ہی میں رہا، یک در گیر محکم گیر۔

۱۹۸۷ء میں کینیڈا پہنچا، یہاں مکتب میں دوسال پڑھایا، مگر سخت سردی وبرف باری کے سبب مدرسہ چھوڑ دیا، بعد ازاں فراغت کی زندگی گزار رہا ہوں۔ تمام فیملی یہاں ہے، لہٰذا کینیڈا کو ہی وطن بنالیا۔

مولانا احمد صاحب خانپوری: موصوف نے احقر سے فارسی اول ودوم پڑھا۔ بڑے محنتی وذہین تھے۔ جہاں تک یاد ہے: فارسی اول سے تا دورۂ حدیث بہت اچھے اعلیٰ نمبرات کے ساتھ اول نمبر ہی سے کامیاب ہوتے رہے۔ اخلاق شریفانہ تھے، لڑائی جھگڑا بدکلامی وغیرہ آپ کی نو سالہ زندگی میں نہیں دیکھی، اساتذہ آپ سے بہت خوش تھے، اساتذہ کی عزت وتکریم برابر کرتے تھے، مدرسہ کے قوانین کی پابندی برابر کرتے، غیر حاضری بہت کم رہی، فی الحال علم وعزت وعمل کے جس درجہ پر فائز ہیں بندہ اپنے لیے کافی مسرت وخوشی محسوس کرتا ہے۔

کینیڈا کے سفر میں موصوف نے نہ دنیا کی چاہت اور نہ مال کی چاہت کی، بلکہ صاف انکار کر دیا کہ مجھے کچھ ضرورت نہیں۔ یہی اخلاق حضرت شیخ الحدیث مولانا اجمیریؒ کے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعزت میں خوب خوب برکت دیوے، اور خلقِ خدا کو مزید

فیض پہونچا کر قبول فرمائے، مزید تزکیۂ قلب، تصفیۂ قلب، تخلیۂ قلب نصیب فرمائے۔
آمین ثم آمین۔ فقط والسلام

یوسف بودھانیا غفرلہ کینیڈا

۲۵/ ذی القعدہ ۱۴۲۹ھ ۲۴/ نومبر ۲۰۰۸ء

۲ مولانا سید محی الدین قاضی

آپ راندیر کے مشہور عالم، اور کئی کتابوں کے مصنف، قاضی رحمت اللہ صاحبؒ کے پوتے اور مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ کے داماد ہیں۔
۱۹۲۴ء میں راندیر میں پیدا ہوئے، ناظرہ انجمن اسلام راندیر میں حضرت اقدس مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ سے پڑھا، بعدہ مکمل درس نظامی دار العلوم اشرفیہ میں پڑھا۔ ۱۹۴۹ء میں فراغت حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے۔

اوصاف: نہایت ہی منکسر المزاج اور متواضع تھے، طلبہ کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے، مزاحی طبیعت کے حامل تھے۔ اپنے اساتذہ ہی کا نہیں؛ بلکہ اپنے شاگردوں کا احترام کرتے تھے، شاگردوں کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب سے محبت اور اپنے اس باصلاحیت شاگرد پر ناز کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: محی الدین کیا لایا تو جواباً کہوں گا: ''دو محدث اور تین داعی چھوڑ کر آیا ہوں''۔

دو محدث سے مراد ① حضرت مفتی خانپوری صاحب جو عرصۂ دراز سے کتبِ حدیث اور بخاری شریف پڑھاتے ہیں۔ ② حضرت مولانا یعقوب صاحب سارودی

دامت برکاتہم ۔شیخ الحدیث دار العلوم کنتھاریہ بھروچ۔

اور تین داعی سے مراد: ① مبلغِ کبیر حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب دامت برکاتہم ② حضرت مولانا ابراہیم دیولوی صاحب دامت برکاتہم ③ مولانا محمد بن سلیمان جھانجیؒ؛ یہ پانچوں حضرات قاضی صاحب کے شاگرد ہیں۔

وفات: ۱۴/ستمبر بروزِ منگل ۱۹۹۹ء فجر کی اذان کے وقت راندیر میں انتقال ہوا، مشہور قبرستان ''گورِ غریباں'' راندیر میں اپنے ہم زلف حضرت مولانا سید ابرار احمد دھولیویؒ کے پہلو میں محوِ خواب ہیں۔

③ حضرت مولانا سید مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم

موصوف حضرت مولانا مفتی سید شمس الدین بڑودویؒ (متوفی ۱۳۸۷ھ) کے دوسرے نمبر کے صاحب زادے ہیں، ۱۴/اپریل ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد صاحب سے حاصل کی، حفظ کی تکمیل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں کی، ۱۳۷۰ھ میں دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا، فارسی اول تا عربی دوم تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۷۲ھ میں دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، ۱۳۷۸ھ میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مراد آبادی سے دورہ پڑھا۔ موصوف ہمیشہ تمام کتابوں میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کرتے رہے، دورۂ حدیث میں ۱۷۵ طلبہ کی تعداد تھی، اس میں دوسرے نمبر پر کامیاب ہوئے، طلبِ علمی کے زمانہ میں اساتذہ کی خصوصی توجہ، اعتماد، محبت وشفقت حاصل تھی، فراغت کے بعد افتا اور فنون کی کتابیں دار العلوم میں پڑھیں۔

تدریسی خدمات: (دار العلوم اشرفیہ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی تدریس کا ذکر

خود موصوف کے قلم سے پہلے گذر چکا ہے)۔آپ سبعہ وعشرہ کے بہترین قاری ہیں، دورِ شباب میں آواز بھی جوان تھی، تلاوت بڑی شیریں، صاف ستھری اور دل کش ہوا کرتی تھی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی مسجد میں تدریس کے زمانہ میں وقتاً فوقتاً فجر کی نماز پڑھایا کرتے تھے، قراءت مطابق سنت طوالِ مفصل میں سے ہوتی تھی، عجیب کشش تھی، آپ کی عمدہ اور دلکش تلاوت سن کر طلبۂ عزیز باہم تذکرہ کرتے تھے۔ یکم جنوری ۱۹۶۵ء سے دار العلوم بڑودہ تاندلجہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، یہاں آپ صدر مدرس رہے، اخیر میں تقریباً بارہ تیرہ سال شیخ الحدیث بھی رہے۔

۱۴۱۸ھ سے تادمِ تحریر جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوز بری تبلیغی مرکز انگلینڈ یو۔کے میں "شیخ الحدیث" کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں، آپ نے مختلف موضوعات پر فقہی مقالات بھی تحریر فرمائے ہیں، جو طبع ہو چکے ہیں، مختلف رسائل بھی آپ کے قلم سے صادر ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ الغرض علمائے گجرات کے اونچے طبقہ میں آپ کا شمار ہے، اور اہل علم کے نزدیک قدر ومنزلت اور پسندیدہ نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

راندیر اور ڈابھیل کے زمانۂ تدریس میں موجودہ وقت کے معتمد وممتاز نامور علماء کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے، ان میں سرِ فہرست حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب کا نامِ گرامی ہے، مولانا سید مصلح الدین صاحب مدظلہ سے مفتی صاحب نے درجۂ عربی دوم پڑھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: سوانح مولانا مفتی سید شمس الدین بڑودوی)

③ مولانا حکیم ابو الشفاء حبیب الرحمن صدیقی بلیاوی رحؒ

ولادت و تعلیم: حضرت مولانا حکیم ابو الشفاء حبیب الرحمن صدیقی صاحب،

۱۹۱۹ء میں محلہ عمر گنج شہر بلیا (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں ان کے دادا مولانا شیخ فضل الرحمن صدیقی اور بڑے دادا شیخ عزیز الرحمن صدیقی کے ہمراہ کلکتہ تشریف لے گئے۔ وہاں دادا جان (نور اللہ مرقدہ) نے والد ماجد کی ابتدائی تعلیم کا انتظام فرمایا، اور وہاں قیام پذیر ہو کر دس سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ اور حفظ کی سعادت سے ہم کنار ہوئے اور گیارہ سال کی عمر میں مزید دینی تعلیم کی غرض سے دار العلوم دیوبند (یوپی) تشریف لے گئے، دار العلوم میں آٹھ سال قیام پذیر ہو کر سندِ فراغت حاصل کی، اور بعد ازاں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات) میں بھی ایک سال رہ کر سندِ فراغت حاصل کی۔ انیس (۱۹) سال کی عمر میں دینی تعلیم کا سلسلہ ختم کیا۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب دیوبندی، علامہ بدرِ عالم صاحب میرٹھی، علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی، شیخ الادب علامہ اعزاز علی صاحب، اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب وغیرہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) سرِ فہرست رہے ہیں۔

درس وتدریس: انیس سال کی عمر میں صوبۂ گجرات کے ایک قدیم ادارہ دار العلوم اشرفیہ عربیہ اسلامیہ بمقام راندیر ضلع سورت میں بحیثیت مدرس تقرر ہوا۔ یہاں ابتدا میں فارسی وعربی کی مختلف کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، اور پھر کتبِ فقہ واحادیث میں ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، طحاوی شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، شرحِ وقایہ، کنز الدقائق کا درس بحسن وخوبی بڑے استقلال سے دیتے ہوئے ۴۵۔۴۶ سال کا طویل عرصہ گزار دیا۔

حکیم ابو الشفاءؒ بڑے خلیق تھے، توکل علی اللہ کی صفت سے متصف تھے، کثیر العیال ہونے کے باوجود کسی قسم کی شکایت یا کسی سے کوئی حرص نہ تھی، سخاوت بھی مولانا کی

مشہور تھی، کوئی بھی مہمان گھر جاتا عالم ہو یا غیر عالم یا طالبِ علم ہو ہر ایک کے لیے چائے ناشتہ کا انتظام فرماتے، حسبِ موقع کھانا بھی کھلاتے، بعض مرتبہ طلبا کا کھانا بند ہوتا تو ان کو گھر پر کھلاتے یا گھر سے کھانا بھیج دیتے، طبیعت میں بہت سادگی تھی، سادہ لباس زیبِ تن فرماتے، مزاج میں تحمل بھی بہت تھا، طلبا کی شرارتوں پر بھی بہت صبر وتحمل فرماتے۔

آپ ایک عالمِ دین ہی نہیں؛ بلکہ طبِ یونانی کے ایک ماہر اور تجربہ کار حکیم بھی تھے، دار العلوم اشرفیہ راندیر (گجرات) میں طبی علوم کا درس بھی دیا۔

حکیم ابو الشفاء صاحب کی مشکوٰۃ کی سند انہوں نے خود حضرت مفتی صاحب کے نام ایک خط میں لکھی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں "عرض یہ ہے کہ احقر نے مشکوٰۃ شریف از اول تا آخر آپ کے اسی جامعہ میں مولانا محمد بدرِ عالمؒ سے پڑھی، اور انہوں نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے سہارن پور میں۔ آگے کی سند اس موضوع کی کتب میں مشہور ہے۔

ثانیاً جب احقر دار العلوم دیوبند دوبارہ آیا تو التعلیق الصبیح کے مصنف اور میری دیگر کتابوں کے استاذ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی جن کو اب چند ماہ سے "رحمہ اللہ" لکھا جارہا ہے، ان سے اجازت لے کر شریکِ درس ہوا۔ خاصا حصہ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ میں دوبارہ سماعت کر رہا ہوں، فرمایا کہ: وقت ضائع نہ کریں اور میرے ہی پاس تفسیر کی کتابوں میں شریک ہوجائیں۔ بہر حال آپ کی فرمائش سے ظاہر کردیا۔ پہلے اس کی بڑی وقعت ہوتی تھی اور جب سے جہالت عام ہے مخفی رکھا جاتا ہے۔ اللہ اس بیماری سے نجات عطا کریں۔ ویسے تمام کتب اور خاص کر کتبِ احادیث کی اجازت مخدومنا مولانا علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور علامہ حضرت مولانا شیخ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ مدنیؒ اور مولانا محمد بدرِ عالم میرٹھیؒ سے اجازت حاصل ہے۔ ولا فخر فیہ اور اگر فخر کیا بھی جائے تو

محمود ہے۔ اللہ عجب وغرور سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی نصیب فرمائیں۔ دعاؤں میں یاد رکھیں والسلام

احقر ابوالشفاء

دورانِ طالب علمی آپ حکیم صاحب کے بعض گھریلو کام مثلاً دودھ لانا، ماہ کے اختتام پر رقم ادا کرنا، کسی کو خط لکھنا وغیرہ بھی انجام دیا کرتے تھے، حکیم صاحب آپ سے بڑی محبت وشفقت فرماتے، وقتاً فوقتاً اپنے ذاتی امور میں مشورہ بھی کرتے۔

حکیم ابوالشفاء صاحب سے مرقاۃ، شرح تہذیب، مقاماتِ حریری، میزان الطب، قلیوبی، مشکوٰۃ پڑھی۔

تاریخِ وفات: ۱۱/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۸۵ء بروزِ بدھ آپ کی وفات ہوئی۔ انتقال کے وقت چہرہ شگفتہ تھا، اور عجیب سی مسکراہٹ تھی، اس کو دیکھ کر حضرت ہی کے شاگرد جو علیا کے استاذ تھے انہوں نے یہ اشعار پڑھے تھے:

یاد داری کہ وقت زادنِ تو	۞	ہمہ خنداں بودند وتو گریاں
آں چناں زی کہ وقتِ مردنِ تو	۞	ہمہ گریاں بودند تو خنداں

④ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب پالن پوریؒ

عربی سوم میں اصول الشاشی اصولِ فقہ کی کتاب مولانا حبیب اللہ صاحبؒ پالنپوری (ہردیواسنی) سے پڑھی۔ راقم کو مولانا حبیب اللہ صاحب کے حالات نہیں ملے۔ علمائے پالن پور سے درخواست ہے کہ ان کی علمی خدمات واوصافِ عالیہ کی تحقیق فرما کر ارسال فرماویں بہت بہت شکریہ کے مستحق ہوں گے۔

⑤ حضرت مولانا آدم صاحب پالنپوریؒ

ابو الفضل مولانا محمد آدم پالنپوری (طالعپوری) نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ۱۳۶۱ھ میں فراغت حاصل کی، بعد فراغت لاہور جا کر علمِ تفسیر پڑھا۔ موصوف نے دار العلوم اشرفیہ راندیر اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیں، علوم حدیث وفنون کے ماہر، گجرات کے علمی حلقوں کو ان پر فخر تھا، ان کا ''درسِ مسلم'' بہت مشہور تھا، علامہ شبیر احمد عثمانی کے درسِ مسلم کی یاد تازہ کر دیتا، طلبہ ان سے مانوس رہتے، درس کا طریقہ بڑا پیارا اور نرالہ تھا۔

ان کے ایک قریبی شاگرد نے بتلایا کہ: ان کا درس اس طرح ہوتا کہ ''اول طالبِ علم عبارت پڑھتا، پھر حضرت الاستاذ سبق کی عام فہم تقریر فرماتے، یہ تقریر اتنی دلنشین اور سہل ہوتی کہ غبی سے غبی طالبِ علم بحث کا ماحصل سمجھ جاتا۔ سبق میں جب کوئی معرکۃ الآراء اور مشکل مقام آتا تو سبق سے پہلے کوئی لطیفہ سنا کر طلبہ کے دل ودماغ کو فریش کرتے، بعدہ درس کی سلجھی ہوئی تقریر فرماتے، بعد تقریر طلبا سے استفسار فرماتے ''کہ سمجھ میں آیا؟'' کبھی کسی طالبِ علم سے تقریر سن بھی لیتے، جب اطمینان ہو جاتا تب فرماتے یہ وہ مقام یا بحث ہے جس کو لوگ مشکل کہتے ہیں، مگر کبھی بھی کسی مشکل مقام کے متعلق پہلے نہیں بتلایا کہ یہ مشکل ہے۔

''درسِ مسلم'' میں بارہا مولانا نے فرمایا کہ: ''کسی حدیث کی تاویل کروں تو میرا ہاتھ پکڑ لینا'' مولانا کی نظر احادیث پر ایسی وسیع تھی کہ ان کے یہاں تعارض کا خانہ تھا ہی نہیں، تطبیق کی راہ عیاں تھی۔

تاریخِ جامعہ ڈابھیل میں ہے: مولانا اپنی علمی قابلیت سے بڑے بڑے مسئلوں کو بآسانی حل فرما دیتے تھے۔ نرم مزاج، بہترین اخلاق سے آراستہ، ملنسار اور خندہ جبیں واقع ہوئے تھے۔ (تاریخِ جامعہ ۱۶۸)

ان کی شخصیت دل نواز، باغ و بہار تھی، ان کے عالمانہ لطائف و ظرائف عجیب ہوتے نمونہ کے طور پر دو لطیفے پیش کرتا ہوں:

① جس زمانہ میں علم التفسیر پڑھنے کے لیے لاہور تشریف لے گئے تھے وہاں کا ایک لطیفہ سنایا کرتے کہ میں نے لاہور میں ایک بدو (دیہاتی) سے پوچھا کہ: آپ لوگ ناشتہ میں کیا کھاتے ہیں؟ اس نے کہا ہم غریبوں کا کیا ناشتہ، صبح بیدار ہو کر قضائے حاجت کے لیے جنگل جاتے ہیں، وہاں سے بادام، چلغوزہ، اخروٹ لا کر گھی اور شہد کے ساتھ ملا کر کھا لیتے ہیں، معاً ایک آدھ مرغی کا چوزہ بھی ہوتا ہے، یہ ہمارا ناشتہ ہے۔

② طلباء کی ایک جماعت کو کسی وجہ سے ایک استاذ صاحب نے کہا کہ: تم لوگ بڑے نالائق ہو اس جماعت کے ایک فرد نے مولانا آدم صاحب سے شکایت کی کہ فلاں استاذ صاحب نے ہمیں نالائق کہا۔ ان کی بات سن کر مولانا آدم صاحب نے سر پکڑ لیا، انا للہ الخ پڑھا، پھر فرمایا مجھے تم لوگوں کو لائق کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ (فضلائے جامعہ ۲۲۸)

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سالانہ اجلاس کی روئداد ہمیشہ موصوف ترتیب دیتے تھے، ۱۳۸۳ھ میں حضرت مفتی صاحب کا تقرر جامعہ میں ہوا، اس سال سے روئداد کی ترتیب کی ذمہ داری مفتی صاحب کے حوالہ کر دی، مفتی صاحب نے معذرت فرمائی کہ میں اس کی لیاقت و اہلیت نہیں رکھتا تو فرمایا کہ: ہم جانتے ہیں آپ میں لیاقت ہے کہ نہیں۔ معذرت قبول نہیں فرمائی، اس کے بعد سالہا سال سالانہ روئداد مرتب کرنے کی خدمت حضرت

مفتی صاحب انجام دیتے رہے۔

زندگی کے اخیری ایک دو سال بیمار رہے مگر جب کوئی بھی طبیعت کا حال پوچھتا یہی کہتے کہ: اچھا ہوں ''رضا بر قضا''۔ آپ کا شیوہ تھا، جامعہ کی تدریس کے دوران اپنے وطن طالعپور میں کچھ ہفتہ بیمار رہ کر ۱۳۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔ انتقال کے بعد ایک شاگرد نے خواب میں مسندِ درس پر تشریف فرما دیکھا، شاگرد نے پوچھا: آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ مولانا کے قریب احادیث کی کتابوں کا ذخیرہ رکھا ہوا تھا، اس کی خدمات کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اس کے طفیل بخشش ہوگئی''۔ (حسنِ خاتمہ کے پانچ سو واقعات ۴۹۰)

مولانا آدم صاحب سے شرحِ وقایہ ترجمۂ قرآن شریف، ہدیہ سعیدیہ، دیوانِ متنبی پڑھی۔

⑥ مفتی عبد الغنی کاوی صاحب

مسلم شریف، موطا محمد، ہدایہ اولین، اخیرین، مختصر المعانی، شرح عقائد، سراجی، نور الانوار پڑھی۔

مفتی عبد الغنی صاحب ضلع بھروچ کے ایک تاریخی گاؤں ''کاوی'' میں ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم ''کاوی'' میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخلہ لیا، وہ دور جامعہ کا سنہرا اور انتہائی آب وتاب کا دور تھا، علوم وفنون کے ماہر اساتذہ موجود تھے۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، بابا عبد الرحمن امروہی، علامہ ابراہیم بلیاوی، مہاجر مدنی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی،، حضرت علامہ یوسف بنوری، حضرت مولانا احمد بزرگ، مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ، مولانا عبد العزیز کیمل پوری، اور مولانا

نور محمد صاحب جیسی عظیم ہستیوں کا شمار ہوتا ہے۔

آپ کی خدمات: ڈابھیل سے (۱۳۶۱ھ میں) فارغ ہونے کے بعد ۱۹۴۴ء میں آں موصوف نے راندیر دار العلوم اشرفیہ کو اپنی خدمات دینیہ کا پلیٹ فارم بنایا، اور تاحیات وہیں خدمت انجام دیتے رہے۔ یہ عرصہ کل چوالیس سال کا ہوتا ہے، اور اس پلیٹ فارم سے آں موصوف نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کے زیرِ تدریس ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف، نور الانوار، سراجی، ہدایہ، مسلم شریف، جیسی اہم کتابیں رہیں۔ آپ نے ابتدائی کتابیں بھی پڑھائی ہیں اور انتہائی بھی، اس لیے آں موصوف ہر فن میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ موصوف فتاویٰ نویسی کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ تقریباً تیس سال تک دار العلوم اشرفیہ میں رہ کر فتاویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دی۔ آپ کے یہ فتاویٰ اس وقت کے ایک ماہنامہ ''وہوراویلفیر'' میں شائع ہوکر مقبول خاص وعام ہو چکے تھے۔ آج آپ کے فتاویٰ کی ایک جلد ''فتاویٰ عبد الغنی'' کے نام سے مطبوع ہے۔

نیز مدرسہ میں ناظمِ تعلیمات، اور ناظمِ امتحانات کی خدمت بھی انجام دی، دار العلوم میں مفتی اور شیخ الحدیث کے بعد دوسرے نمبر کے استاذِ حدیث کے عالی منصب پر فائز رہے۔ ساتھ ہی آپ کئی دینی وملی تنظیموں سے وابستہ تھے، مجلسِ تحفظ اسلام، رؤیت ہلال کمیٹی، شرعی پنچایت اور امارت شرعیہ جیسی تنظیموں سے منسلک تھے، اور اس طرح دینی وقومی خدمات انجام دیں۔

آپ کے خصائل: موصوف کا شمار گجرات کے نامور علمائے دین میں ہوتا ہے، ہر فن میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ فقہ کے ساتھ خاص مناسبت تھی، اسی وجہ سے

موصوف کے فتاوٰی کافی مختصر؛ لیکن جامع ومانع اور سائل کے لیے تسکینِ صدر کا باعث تھے اور ماقل ودل کے صحیح مصداق تھے۔ اتنی خدمات کے ساتھ ساتھ وقت کی پابندی آپ کی ایک خصوصی شان تھی۔ مدرسہ کا وقت شروع ہونے سے ۵ رمنٹ قبل ہی درسگاہ میں حاضر ہوجاتے تھے، اور سبق شروع فرمادیتے تھے۔ اپنی طرح طلبہ کو بھی اوقات کی پابندی کی تاکید فرماتے۔ آپ کا درس ''کوزے میں دریا بند کرنے'' کی مثال تھا۔

کافی کم گو، خاموش مزاج اور ہمیشہ اپنے کام میں مگن رہتے۔ تہجد کے پابند اور اپنے اشغال پابندی سے ادا کرتے رہتے۔ یکسوئی کے طالب اور لوگوں کے زیادہ اختلاط سے دور رہتے، فرائض وسنن کے پابند، نماز ہمیشہ صفِ اول میں ادا کرتے اور کبھی تکبیر تحریمہ بھی فوت نہ ہوتی۔ تقریر کافی مختصر لیکن درس کو سمجھنے کے لیے بالکل کافی وشافی ہوتی تھی۔

درس کو کبھی ناغہ نہ کرتے تھے، حتی کہ ایک مرتبہ زینہ سے پیر پھسل جانے کی وجہ سے کمر کی ہڈی میں تکلیف ہوگئی جس کی وجہ سے آپ کپڑے بھی نہ پہن سکتے تھے۔ ایسی حالت میں بھی درس کو ناغہ کرنا گوارا نہ کیا، اور شال اوڑھے ہوئے درس گاہ تشریف لائے اور سبق پڑھایا۔ درس میں ہمیشہ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ کبھی طلبہ کے ذہنوں کو متوجہ کرنے کے لیے ایک آدھ چٹکلا سنادیتے تھے۔

عبارت کی غلطی کو کبھی برداشت نہ فرماتے، اگر کوئی طالب علم سبق میں توجہ نہ دیتا ہو تو اسے کہتے: کیوں بورڈ پر چڑھتا ہے؟ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

حضرت مولانا شیخ الحدیث رضا اجمیریؒ ان کی ایک خوبی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ہمارے ساتھ ۴۴ سال سے زیادہ عرصہ ہوا مرحوم کا تعلق تھا؛ لیکن کبھی ایک دوسرے

کے دل میں رنجش نہیں آئی، ورنہ بھائی بھائی میں جھگڑا ہوتا ہے، یہ مرحوم کا کمال تھا۔

سانحۂ ارتحال: ۶/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ بمطابق ۲۹/ ۱۰/ ۸۷ء کی جمعہ کی وہ رات پورے عالم اسلام کے لیے اور خاص کر اہل گجرات کے لیے ماتم کی رات بن گئی، موصوف نے عشا کی نماز سے فارغ ہو کر سنتیں اور وتر کی نماز بھی ادا کرلی۔ ویسے آپ کا روزانہ کا معمول سنت کے مطابق وتر کی نماز کو تہجد کے ساتھ پڑھنے کا تھا، لیکن اس رات گویا کہ موصوف کو پہلے سے ہی اطلاع ہو چکی تھی، آپ نے اس رات وتر کی نماز عشا کے بعد ہی پڑھ لی اور روزانہ کے معمول کے مطابق چھت پر تھوڑی چہل قدمی کی۔ آخری وقت میں بھی اپنی ذمہ داری کا احساس اور علم سے شغف اتنا تھا کہ شبِ وفات میں بھی مسلم شریف کے ۲۸ رطلبہ میں سے چار طلبہ کے جوابی پرچہ جانچ کر سو گئے تھے۔ تقریباً چار بجے استنجا کے لیے اٹھے، اور پھر سو گئے، بس ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کرلیں، اور اس دارِ فانی کو الوداع کہتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے:

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی	ایک مسافر کی رہ تمام ہوئی
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو تیرا	نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو تیرا
الٰہی! ان کی تربت خلدزار نور ہو جائے	نسیمِ سحرِ خموشاں شمیمِ حور ہو جائے

مفتی عبدالغنی صاحب سے ہدایہ اولین واخیرین، مختصر المعانی، شرح عقائد، سراجی، نور الانوار، مسلم شریف، مؤطا امام محمد پڑھی۔

⑦ محدثِ کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم

موصوف کی نسبت کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا، مگر چوں کہ

صاحبِ سوانح کی سوانح اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک ان تمام کا تذکرہ نہ ہو جن کے فیوضِ تعلیم وتربیت صاحبِ سوانح کے کردار وشخصیت کی تکمیل میں ممد ومعاون رہے ہیں؛ اس لیے ذیل میں مختصراً حضرت مفتی سعید صاحب کا ذکرِ خیر کیا جاتا ہے:

آپ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں موضع ''کالیڑا'' ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کالیڑہ کے مکتب میں حاصل کی، فارسی کی تعلیم دار العلوم چھاپی اور اپنے ماموں مولانا عبدالرحمن شیرا سے حاصل کی، بعدہ پالنپور شہر میں حضرت مولانا محمد نذیر میاں صاحب کے مدرسہ میں داخلہ لیا، وہاں چار سال میں عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں۔ پالن پور میں شرح جامی تک حصولِ تعلیم کے بعد ۱۳۷۷ھ میں مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا، وہاں امام النحو والمنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جمویؒ سے نحو ومنطق اور فلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۸۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر فقہ، حدیث، تفسیر اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۸۲ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے، دورہ میں اول نمبر سے کامیاب ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ یکم ذی قعدہ کو دار الافتا دار العلوم دیوبند میں داخلہ ہوا اور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوری کی نگرانی میں کتبِ فتاوی کا مطالعہ اور فتوی نویسی کی مشق کا آغاز فرمایا۔ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ نو سال تک دار العلوم اشرفیہ راندیر (سورت) درسِ نظامی کی بہت سی کتابیں پڑھائیں، قیامِ راندیر میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

شوال ۱۳۹۳ھ میں دار العلوم دیوبند میں تقرر ہوا، دار العلوم کے ۳۷ سالہ قیام میں تدریسی، شعبۂ افتا کی نگرانی وفتوی نویسی، مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی نظامت اور تحریری وتصنیفی خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں۔ ان کے مفصل تذکرہ کی اس مختصر تعارف میں

گنجائش نہیں، ۱۴۲۹ھ سے بخاری شریف کا کامیاب درس دے رہے ہیں۔

حضرت مفتی احمد صاحب مدظلہ دار العلوم اشرفیہ میں جس سال مشکوٰۃ میں تھے اسی سال حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب کا مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا، آپ کے مقبول درس کا شہرہ سن کر آپ نے اور دیگر رفقائے درس نے کوشش کی تھی کہ کسی طرح مشکوٰۃ شریف مولانا پالن پوری صاحب کے پاس آجائے؛ مگر کامیابی نہیں ہوئی اس لیے خارج میں مختصر المعانی پڑھ کر علمی پیاس بجھائی، مفتی صاحب کو دورِ طالبِ علمی سے حضرت مولانا پالن پوری سے قلبی تعلق ہے، خارج اوقات میں آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور استفادہ فرماتے رہتے، فراغت کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے متعلق آپ ہی نے مشورہ دیا تھا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مولانا پالن پوری مدظلہ کے خود نوشتہ خطوط کا ایک ذخیرہ مفتی صاحب کے مرقع خطوط کی زینت ہے، شاید ان کا کوئی مختصر سے مختصر اور سرسری طور پر لکھا ہوا خط بھی ضائع نہیں ہوا، ان میں علمی استفسارات کے جواب بھی ہیں، کسی نئی کتاب یا مضمون کے شائع ہونے کی اطلاع بھی ہے، تمام خطوط سے استاذانہ شفقت، علمی و دینی ترقی کی خواہش اور اس بارے میں رہنمائی سطر سطر سے جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان میں سے چند خطوط تبرکاً موقع بموقع آگے درج کیے جائیں گے۔

رزقِ حلال کی برکت: حضرت پالن پوری مدظلہ کے والد ماجد جناب ''یوسف صاحب'' جامعہ ڈابھیل کے خوشہ چیں رہے ہیں؛ مگر اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے، ان کی اولاد میں علما و فضلا پیدا ہوئے اس کی باطنی وجہ حرام مال سے اجتناب ہے، ان کا یہ واقعہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے دور کا ہے، راقم الحروف نے

یہ واقعہ ان کے صاحب زادے مولانا حبیب الرحمن بن یوسف پالن پوری حال استاذ حدیث دارالعلوم اشرفیہ سے سنا جو انہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

''جس زمانہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اور محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ ڈابھیل میں پڑھاتے تھے اس وقت والد صاحب ڈابھیل کے طالب علم تھے اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ کے خادمِ خاص تھے، والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کنز الدقائق حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی سے پڑھی ہے، میں ہمیشہ سبق میں پہلی تپائی پر استاذ محترم کے سامنے بیٹھا کرتا تھا۔

ایک روز استاذِ محترم مولانا بدرِ عالم صاحب سبق پڑھانے کے لیے تشریف لائے، کتاب کھولی، پھر بند کردی اور ارشاد فرمایا کہ: آج تم لوگوں کو کچھ نصیحت کرنی ہے، استاذِ محترم نے اس وقت تعلیم و تربیت سے متعلق بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں، ایک اہم بات جو اس وقت ارشاد فرمائی وہ یہ تھی: آج چودہویں صدی میں اگر کسی کو صحابہ کی زندگیوں کا کچھ نمونہ دیکھنا ہو، صحابہ کی زندگی کیسی سادہ تھی اگر اس کی ہلکی سی جھلک دیکھنی ہو تو پالن پور میں ریل کی پٹری سے مشرق میں جو لوگ رہتے ہیں ان کی زندگیوں کو دیکھو، ان کو دیکھ کر صحابہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

والد صاحب فرماتے: استاذِ محترم مولانا بدرِ عالم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان میں کوئی اچھا عالم پیدا نہیں ہوتا۔ والد صاحب سامنے ہی پہلی تپائی پر بیٹھے تھے، والد صاحب نے استاذِ محترم سے سوال کیا کہ: حضرت! آپ ایک طرف تو اس قوم کی اتنی تعریف کرتے ہیں کہ ان کی زندگیاں صحابہ کی زندگیوں کے مشابہ ہے، دوسری

طرف آپ یہ فرما رہے ہیں کہ: ان میں کوئی اچھا عالم پیدا نہیں ہوتا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

تو استاذِ محترم نے فرمایا کہ: ان کی کمائیاں حلال وطیب نہیں ہیں۔ اس وقت پوری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اسی کی جانب مولانا بدرِ عالم صاحب نے اشارہ فرمایا، اور پھر والد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا: یوسف! اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا، کیوں کہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ: استاذِ محترم کی نصیحت کو سن کر دل پر ایک چوٹ لگی، اور اسی وقت یہ تہیہ کر لیا کہ چاہے اس راہ میں چاہے جتنی بھی قربانی دینی پڑے، باپ سے الگ ہونا پڑے، بھوکا رہنا پڑے، کیسے ہی حالات کیوں نہ آئے، مگر حرام اور مشتبہ مال کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

والد صاحب کی طالب علمی کے زمانہ میں ہمارے دادا نے بنیے سے سودی قرض لے کر ایک زمین کرایہ پر لی، والد صاحب اس وقت ڈابھیل میں پڑھتے تھے، والد صاحب کو جب علم ہوا تو دادا سے اختلاف کیا تو دادا نے ناراض ہو کر والد صاحب کو شادی سے پہلے طالبِ علمی کے زمانہ میں ہی گھر بار سے الگ کر دیا، ان گھریلو حالات کی وجہ سے والد صاحب اپنی تعلیم مکمل نہ کر پائے اور حرام سے بچنے کا جو تہیہ کر لیا تھا اس کی وجہ سے مجبوراً والد صاحب نے تعلیم کو یہ سوچ کر چھوڑ دیا کہ اپنی زندگی تو جیسی بھی گزری گزری؛ لیکن انشاء اللہ اپنی اولاد کو حرام اور مشتبہ مال سے بچاؤں گا تاکہ حلال اور طیب مال سے پرورش پا کر بچے اچھے عالم اور نیک اور صالح بنیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی اور مولانا یوسف بنوری صاحب

جیسے عالم بنانے کا عظیم جذبہ دل میں لے کر انھوں نے بچوں کو ناجائز اور حرام مال سے بچایا، آج اللہ تعالیٰ نے ان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر فرمایا، اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کا مکین بنائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین یارب العالمین.

احقر حبیب الرحمن یوسف پالن پوری عفی عنہ

خادم دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت

۲۹/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ۔ ۲/ اگست ۲۰۰۸ء

حضرت مولانا سعید احمد صاحب مدظلہ سے مختصر المعانی، ابوداؤد شریف، نسائی شریف پڑھی۔ اللہ تعالیٰ استاذ وشاگرد کی عمر میں برکت نصیب فرمائے اور ان کے فیوض سے تا دیر ہمیں مستفیض فرمائے آمین۔

⑧ برکتِ گجرات حضرت مولانا محمد رضا اجمیری ثم راندیریؒ

سرحدی علاقہ افغانستان میں ایک ایسی جگہ جہاں کوئی علمی ماحول نہیں تھا ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے، وطن میں تعلیم کا نظم نہیں تھا، علمی سفر کے لیے بے چین تھے، والد صاحب کا خُردسالی میں انتقال ہو گیا تھا، خفیہ طور پر بچپن ہی میں علمی سفر طے کر کے لاہور پہنچے، کچھ عرصہ لاہور میں ملازمت کی، پھر ۱۶ سال کی عمر میں اجمیر شریف پہنچے، وہاں مدرسہ معینیہ عثمانیہ نامی دار العلوم میں داخلہ لیا، جہاں ہر فن کے ماہر اساتذہ موجود تھے، آٹھ دس سالہ نصاب چار پانچ برس میں مکمل کر کے ۱۹۴۲ء میں سندِ فراغت حاصل کی، پھر تین سال ''ناگور'' میں تدریس اور امامت کی، ۱۹۴۵ء میں دار العلوم اشرفیہ راندیر کے لیے مدعو کیا گیا، اور فارسی اور عربی کی کتابیں دی گئیں، فارسی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، اخیر عمر تک آپ کو

گلستاں، بوستاں اور مثنوی سے بڑا شغف تھا، یہ کتابیں ہمیشہ زیر مطالعہ رہتیں، گلستاں وبوستاں کے پورے پورے اقتباسات اور بیش تر حکایات ازبر تھیں، کچھ مدت کے بعد آپ کو درجاتِ علیا کی کتابیں دی گئیں۔

ہندوستان کے آزاد ہونے اور پاکستان بننے کے بعد دار العلوم اشرفیہ کے استاذ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب پشاوری جب اشرفیہ چھوڑ کر پاکستان تشریف لے گئے اس وقت آپ کو بخاری شریف پڑھانے کے لیے دی گئی، اس وقت سے لے کر آخری سانس تک اسی منصب پر فائز رہے، ایک ہی ادارہ میں آپ نے چون سال تدریس میں گزار دیے، جس میں پچاس سال بخاری شریف پڑھائی۔

آپ کا درس نہایت جامع مختصر ہوتا، مدرسہ کے اوقات کی پابندی کا بہت لحاظ رکھتے تھے، سفر وحضر میں ہمیشہ باوضو رہتے، اور طلبہ کو بھی باوضو رہنے کی تاکید فرماتے، فرمایا کرتے کہ: ’’بے وضو مسلمان کا رتبہ اتنا گر جاتا ہے کہ وہ قرآن پاک کو چھونے کے قابل نہیں رہتا، اس لیے ہمیشہ باوضو رہا کرو‘‘۔ آپ اپنا کام خود کرتے، زندگی بھر کسی طالبِ علم کو خادم نہیں بنایا، طلبا خود خدمت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تو بحسن خوبی ٹال دیتے۔

مفتی صاحب دامت برکاتہم کی خصوصیت کہنا چاہیے کہ دورہ کے سال جب آپ کو آنکھ کے آپریشن کے لیے اسپتال میں داخل کیا گیا تو مفتی صاحب کو خدمت کی سعادت میسر ہوئی، جی چاہتا ہے کہ اس واقعہ کو مفتی صاحب کے ہی الفاظ میں نقل کردوں جس سے آپ کی رضا بر قضا والی صفت کا بھی پتہ چلتا ہے، آپ کے انتقال کے بعد راندیر کے تعزیتی بیان میں مفتی صاحب نے فرمایا:

رضا بر قضا سے متعلق ایک واقعہ

اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت عطا فرمائی کہ پڑھنے کے زمانہ میں میرے دورہ کا سال تھا اس وقت حضرت والا کی آنکھ کے موتیا کا آپریشن طے ہوا، حضرت والا نے اس آپریشن کو منظور فرما لیا، ایک ڈاکٹر کے یہاں ایڈمیٹ کیا گیا، حق تعالیٰ نے مجھے حضرتؒ کی خدمت کا موقع بھی عنایت فرمایا، میں حضرت کی خدمت تو کیا کرتا، میں آپ کو بتلاؤں کھانا وغیرہ آتا تھا تو میں کھلاؤں اس سے زیادہ حضرتؒ میرا خیال رکھتے تھے اور میری ضرورتوں کو زیادہ مدِنظر رکھتے تھے، حالاں کہ میں حضرت کی خدمت کے لیے دواخانہ میں تھا۔ خیر! جب حضرتؒ کا آپریشن ہوا تو ایک مدت تک مجھے بھی یہ خیال نہ رہا کہ اس آپریشن کا نتیجہ کیا نکلا؟ بعد میں کچھ ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ حضرتؒ کی وہ آنکھ جس میں آپریشن کیا گیا تھا اس میں بینائی نہیں ہے، حضرتؒ پہلے ہی سے یہ خدشہ ظاہر فرما رہے تھے۔

دراصل بات یہ ہے کہ حضرتؒ کے قریب اور ایک مریضہ تھی جس کی آنکھ سے موتیا کو نکالا گیا تھا، پھر جب اس مریضہ کی آنکھ کا پٹہ کھولا گیا تو اس وقت وہ چلا رہی تھی کہ مجھے نظر نہیں آتا ہے، خیر! اس کو یہ کہہ کر تسلی دی گئی تھی کہ کچھ دنوں کے بعد آہستہ آہستہ تجھے نظر آئے گا۔ بہر حال اس عورت کی بینائی جاتی رہی تو حضرتؒ بھی ختمِ بینائی کا ہی خدشہ ظاہر فرما رہے تھے۔

بعد میں مجھے بہت مدت کے بعد معلوم ہوا کہ حضرتؒ کی اس آنکھ میں بینائی باقی نہیں رہی ہے۔ آپ حضرات کو بھی شاید معلوم ہو بہت سے حضرتؒ سے ملنے والے ایسے لوگ ہوں گے بلکہ میں نے خود ہی آپریشن کے کئی سال بعد دریافت کیا کہ حضرت

آپ کی آنکھ میں شاید بینائی نہیں ہے، تو حضرت نے بات ٹال دی اور اپنی عادت کے مطابق جواب دے دیا، جواب سے میں نے یہ سمجھا کہ حضرتؒ کی آنکھ میں ضرور بینائی موجود ہے۔ تو آپ اندازہ لگائیے کہ رضا برقضا کا کوئی ایسا نمونہ کہیں موجود ہے کہ پیش کیا جاسکے؟۔ (تذکرۃ الرضا ۱۲۴، ۱۲۵)

آپ کا اصلاحی تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تھا، گجرات کے ایک سفر میں حضرت مدنیؒ راندیر تشریف لائے تھے، اس وقت راندیر میں ''قوۃ الاسلام'' مسجد میں بعد نمازِ مغرب حضرت اقدس سید مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ اور حضرت مولانا محمد رضا اجمیریؒ کو بیعت فرمایا تھا۔

۲۴/ نومبر ۱۹۹۴ء جمعہ کی رات سورت کے ''حیات'' نامی اسپتال میں حیاتِ مستعار پوری کی۔ مسکراتے ہوئے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف بلند کی اور کلمۂ توحید کا ورد کرتے کرتے جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر اختیار فرمایا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت اجمیریؒ جیسے خود سادہ تھے ان کے خطوط بھی ان کی طرح سادہ، عام فہم، پر مغز، بزرگانہ وشفقت آمیز ہوتے۔ مفتی صاحب کے نام سترہ مرقعہ خطوط محفوظ ہیں۔ یہاں تبرکاً دو نقل کئے جاتے ہیں، خوش قسمتی سے دونوں خط سندِ حدیث کے سلسلہ میں ہیں، پہلا خط جس پر ۹/ ۱۰/ ۱۹۶۸ء کی تاریخ درج ہے، مفتی صاحب نے دار العلوم دیوبند کے قیامِ تعلیم کے دوران سندِ حدیث تحریر فرمانے کی درخواست کی ہوگی جس پر تحریر فرمایا:

''سند حاصل کرنا رسمی طور سے ایک عملِ حسن ہے جو امتِ مسلمہ میں چلا آتا ہے اور

ایک تبرک ہے، اس سے زیادہ اہمیت کی چیز نہیں ہے۔ اصل چیز تو بزرگان دین کی صحبت اور فیض ہے، جس کو یہ دولت نصیب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ قبولیت سے بھی نوازے تو سمجھیے کہ یہ بڑی نعمت اور دولت ہے۔ خصوصی سندات بھی اسی مقصد کے ماتحت حاصل کئے جاتے ہیں، خصوصی سندات بڑی بزرگ ہستیوں کا کام ہے۔ یہ چیز بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو اچھے اچھے بزرگ علمائے کرام سے دست یاب ہو سکے گی، جن کے پاس ہر قسم کے کمالات بھی ہیں، شہرت بھی اور قبولیت بھی۔ حضرت شیخ زکریا مدت فیوضہم اور حضرت شیخ فخر الدین اور آپ کے دیگر اساتذۂ کرام جو وہاں پر مصروفِ افادہ ہیں ان سے سماعت اور استفادہ فرماتے ہوئے سند حاصل فرمائیں اور وہاں کا معمول بھی ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، آپ لوگ مجھے اچھی طرح سے جانتے ہیں، ''اندھوں میں کانا راجا'' والی بات ہے۔ یہاں بیٹھے بیٹھے چند دانوں کے ساتھ سرزوری کرتا رہتا ہوں، جن میں صلاحیت ہوتی ہے ان کو اصلی مراکز کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہوں اور کچھ مناسبت پیدا کرنے کی کوشش رہتی ہے۔ جو سعادت مند ہوتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں اور شوق سے پھر اصلی مقام پر پہونچ کر جوہر استحقاق کا مظاہرہ کر لیتے ہیں۔ بس! یہاں کے سب احباب سلام عرض کرتے ہیں اور والد مرحوم کے انتقالِ پر ملال پر اظہارِ غم وصدمہ کرتے ہیں۔

فقط دعا گو ودعا: جو محمد رضا

دوسرا خط جس پر ۴ / ۷ / ۱۹۷۴ء کی تاریخ ہے، قیامِ جامعہ ڈابھیل میں جس سال مؤطا کی تدریس سپرد کی گئی اس سال اس کتاب کی سند معلوم کی تھی۔ مفتی صاحب نے مؤطا امام مالک حضرت اجمیریؒ سے پڑھی ہے اس کتاب کی سند کے متعلق جو خط تحریر فرمایا ہے اس کے ہر ہر لفظ سے کسرِ نفسی وتواضع عیاں ہے، ملاحظہ کیجیے:

عزیزم مولوی احمد خانپوری صاحب دمتم بالخیر والعافیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، گرامی نامہ ملا، حال معلوم ہوگیا۔ مؤطا بڑی اچھی کتاب ہے، تواتر اً ثابت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ تو اس کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، سند کا سلسلہ میں نے رکھا ہی نہیں ہے، بڑے بڑے حضرات موجود ہیں جو یہ سلسلہ جاری رکھتے ہیں، میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ نوشتہ سند میرے پاس نہیں ہے، میں نے کبھی اس کا اہتمام بھی نہیں کیا ہے۔ میں نے مولانا محمد یونس صاحب میرٹھیؒ سے یہ کتاب دار العلوم عثمانیہ اجمیر شریف میں قریباً ۱۹۴۲ء میں پڑھی تھی، جو بڑے صالح اور نیک بزرگ تھے، مولانا احمد حسن امروہی کے فیض یابوں میں سے تھے، اور وہ مولانا نانوتویؒ کے شاگردِ خاص تھے۔ دیگر اساتذہ کا سلسلہ شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتا ہے۔ اور ان کے اوپر کا سلسلہ معروف ہے۔

آپ پڑھائیے، یہ بڑا مبارک سلسلہ ہے، ''اوجز'' سے استفادہ کرتے رہیئے، حضرت شیخ پاکستان پہونچ گئے ہیں، معلوم ہوگیا ہوگا۔ دعا فرماتے رہیں۔ خدا حافظ

محمد رضا

اخیر میں حضرت اجمیریؒ کی مبارک تحریر پر اس مضمون کو پورا کرتا ہوں، یہ تحریر درحقیقت ایک سند ہے، مفتی صاحب کی درخواست پر حضرت اجمیریؒ نے سند کا مضمون بذاتِ خود تحریر فرما دیا، میرے نزدیک ''بزرگ استاذ'' کی ''بزرگ شاگرد'' سے وابستہ دعائیں اور امیدیں لفظ بلفظ پوری ہوئیں۔ اس لیے مضمونِ سند کو ''الہامی'' کہنا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی حبیبہ و خلیلہ الکریم

الأمين وعلى اٰله وأصحابه وعلى من تبعهم الى يوم الدين اما بعد:

برادرِ محترم مولانا الحاج احمد بن الحاج محمد خانپوری نے احقر کے پاس دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں پڑھی ہیں اور اچھی محنت اور شوق وذوق سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اچھی قابلیت سے نوازا ہے، ہمیشہ رفقا اور شرکائے درس میں ممتاز رہے ہیں، اساتذہ اور رفقا ہمیشہ آپ کے اعلیٰ اخلاق سے متأثر رہے ہیں۔

آپ کی ذات سے پوری امید ہے کہ قوم اور ملت کو خوب فیض یاب رکھیں گے، اور اسلافِ صالحین کے نقشِ قدم پر قائم اور دائم رہ کر علومِ نبوت کی ضیا پاشیوں میں اپنی قیمتی زندگی کو معمور اور مصروف رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر رہتے ہوئے اس فانی زندگی کو پوری کریں، اور رب العالمین راضی رہے۔

احقر کے اساتذۂ حدیث تو کئی حضرات ہیں؛ مگر احقر نے ان تین بزرگوں سے زیادہ فیض حاصل کیا ہے: حضرت الحاج مولانا محمد شریفؒ الٰہ آبادی اور مولانا الحاج محمد یونس میرٹھیؒ، مولانا مفتی امتیاز احمد بہاریؒ۔

احقر العباد: محمد رضا اجمیری عفی عنہ

حضرت مولانا اجمیری صاحب نور اللہ مرقدہ سے مفتی صاحب نے درجۂ عربی ششم میں جلالین، دورہ میں بخاری شریف مکمل، ترمذی شریف، مؤطا مالک اور ابنِ ماجہ شریف پڑھی۔

قیامِ راندیر پر ایک نظر

مفتی صاحب نے بارہ سال کی عمر میں ۱۸ / مئی ۱۹۵۸ء دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا اور ۱۸ / نومبر ۱۹۶۶ء تک یعنی نو سال تین ماہ میں درسِ نظامی مکمل کرلیا۔ مفتی صاحب

زمانۂ طالبِ علمی میں نہایت ہی انہماک اور جاں فشانی سے اسباق کی طرف متوجہ رہے، جس کی شہادت آپ کے اساتذہ کے قلم سے گذر چکی ہے، اسباق سے فارغ اوقات میں اساتذہ کی خدمت میں حاضری اور ان کے گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹانے کا بھی معمول تھا، ان ہی اوصافِ عالیہ کے باعث آپ کے اساتذہ کی مشفقانہ توجہ آپ پر مرکوز رہی، جن حضراتِ اساتذہ سے علم سیکھا وہ حضرات خود بزرگ تھے، اس لیے بزرگوں سے عقیدت ومحبت ہوجانا فطری امر ہے۔

حضرت لاجپوریؒ سے خادمانہ تعلق

قیامِ راندیر کے دوران مفتیٔ اعظم گجرات حضرت سید مفتی عبد الرحیم لاجپوری نور اللہ مرقدہ سے تعلق پیدا ہوا، اور یہ تعلق وربط روز افزوں ہوتا گیا، جس کی تفصیل آگے آئے گی یہاں صرف اتنا ذکر کردینا کافی ہے کہ آپ نے مشاغلِ علمیہ کے ساتھ ساتھ دوپہر میں کھانے کے بعد کا وقت - جو طلبہ کے لیے آرام کا وقت ہوتا ہے - حضرت لاجپوریؒ کی خدمت کے لیے فارغ کررکھا تھا، حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہوتے، اور رجسٹر میں فتاوی نقل فرماتے، حضرت کے پاس ملک وبیرونِ ملک سے استفتا آتے رہتے، وہاں کسی ناقل کا مستقل انتظام نہیں تھا، طلبہ ہی یہ خدمت اپنی سعادت سمجھ کرانجام دے دیا کرتے تھے، مفتی صاحب کو یہ سعادت میسر ہوئی، چناں چہ خود تحریر فرماتے ہیں:

''احقر کو اپنے دورِ طفولیت (جبکہ میں دار العلوم اشرفیہ راندیر میں پڑھ رہا تھا اسی وقت) سے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل رہی، اس زمانہ میں حضرت کے فتاوی نقل کرنے کے لیے حضرت کے دولت کدہ پر روزانہ حاضر

ہوتا تھا، اور فراغت تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا، حضرت بھی احقر کے ساتھ پدرانہ شفقت ومحبت فرماتے تھے۔ (مقدمۂ حیات عبدالرحیم صاحب ۳۰)

ایک مرتبہ تو زمانۂ تعطیل بھی حضرت لاجپوریؒ کے دولت کدہ پر گزار دیا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا چوبیس گھنٹے حضرت کی معیت اور نیک صحبت میں گزارے، اور نقلِ فتاوی کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔

حضرت شیخ الحدیث سے نیازمندانہ تعلق

مفتی صاحب کی زندگی میں وہ بڑا مبارک دن تھا جب انھیں شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے نیاز حاصل ہوا، اور خدا طلبی کا ذوق اور اہل اللہ کی خدمت میں حاضری کا شوق پیدا ہوا، یہ بہت ہی بڑی دولت ونعمت ہے؛ بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے۔

نشانِ منزلِ جاناں ملے نہ ملے	مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جستجو میرا

کہتے ہیں کہ جس کا رزق جہاں مقدر ہوتا ہے وہیں ملتا ہے، اس کے لیے دیس، پردیس کی قید وشرط نہیں، یہ کلیہ مادی وروحانی دونوں قسم کے رزق کے لیے عام ہے، کہاں خانپور کا ایک ادنی طالبِ علم اور کہاں سہارن پور کا قطبِ عالم! کہاں کنز الدقائق کا طالبِ علم اور کہاں معدن الحقائق کا کوہِ گراں! کہاں شرح جامی کا طالبِ علم اور کہاں جامعِ شریعت وطریقت کا درِ علم! کہاں شرحِ تہذیب پڑھنے والا اور کہاں مہذب بنانے والا! بظاہر کوئی جوڑ ہی نہیں؛ لیکن جس کا مقدر کھل چکا ہو، سعادت جس کی قسمت میں لکھی جا چکی ہو، خلاف توقع غیبی اسباب مہیا ہو ہی جاتے ہیں۔

چناں چہ علمائے دیوبند کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مفتی صاحب نے بھی صرف ظاہری علوم کے حصول پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ طالبِ علمی ہی میں اہل اللہ سے اپنا رشتہ جوڑا، جس کی ابتدائی تقریب یہ ہوئی کہ قیامِ راندیر میں جب آپ عربی سوم کے طالبِ علم تھے کچھ پریشانیاں لاحق ہوئیں، جن کے ازالہ اور دعا وتوجہ کے لیے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر فرمایا:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ

از راندیر احمد محمد خانپوری

السلام علیکم

ذوالمجد والکرم و مصلحِ قلب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتکم!

امید قوی ہے کہ مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

احقر مدرسہ اشرفیہ راندیر کا ایک طالبِ علم ہے جو کنز الدقائق، اصول الشاشی، شرحِ جامی، شرحِ تہذیب وغیرہ پڑھتا ہے۔ احقر آج آپ کے دربار میں بذریعۂ خط پہنچا، اسے باعثِ سعادت مندی سمجھتا ہے۔ امید ہے کہ میرے احوال پر غور فرمائیں گے۔ وہ یہ کہ درسی کتب بینی میں نیز اسباق میں دل نہیں لگتا، بحمد اللہ اسباق یاد ہوجاتے ہیں؛ لیکن فی الحال دل نہیں لگتا، بلکہ نماز وغیرہ میں بھی نہیں لگتا، عجیب عجیب خیالات آتے ہیں اور احباب کے لعن وطعن سے مایوس ہوگیا ہوں، یہاں تک کہ خودکشی کرلوں ایسے خیالات آتے ہیں، احباب کی جانب سے جھوٹی تہمتیں ڈھائی جاتی ہیں۔ دل لگتا ہے تو صرف قرآن شریف میں لگتا ہے؛ باقی کسی میں نہیں؛ نیز یہ باطنی امراض ہوئے۔

اور ایک جسمانی مرض ہے جس سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے، وہ یہ ہے کہ برص کی بیماری ہے، اولِ وہلہ میں دعا کریں یا کوئی وِرد بتائیں جس سے وہ تجاوز نہ کرے۔ اور مذکورہ باطنی امراض کے لیے جو مناسب سمجھیں تحریر فرمائیں۔ دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مرضیات پر چلائے اور نامرضیات سے اجتناب اور علم کا قدرداں بنائے۔

محتاجِ دعا: احمد خانپوری، بقلم خود

۲۶/ ربیع الثانی ۸۲ھ

جواب کے لیے لفافہ پیشِ خدمت ہے۔

جوابِ عریضہ از شیخ الحدیث

برص اور اسباق میں دل نہ لگنے اور احباب کے لعن وطعن کا علاج

عنایت فرمایم سلمہ!

بعد سلام مسنون! عنایت نامہ پہنچا، بیماری کی خبر سے قلق ہوا، یہ ناکارہ دعا کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ ہر نماز کے بعد سات مرتبہ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَسَيِّءِ الْأَسْقَامِ ① اول آخر درود شریف تین تین مرتبہ پڑھا کریں۔ یہ ناکارہ بھی دعا کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو جملہ امراض سے شفا عطا فرماوے۔ اسباق، مطالعہ میں دل نہ لگنے کا علاج یہ ہے کہ اسباق، مطالعہ میں شریک ہوجاویں، إن شاء اللہ دل لگنا شروع ہوگا۔ احباب کے لعن طعن سے جی برا کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، وہ تو آپ پر احسان کرتے ہیں کہ

---

① یہ دعائے ماثورہ ہے: ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ لینا چاہتا ہوں جسم پر سفید داغ پڑنے سے اور کوڑھ اور دیوانگی اور بقیہ جتنی خراب بیماریاں ہیں سب سے (الحزب الأعظم منزل یوم الاثنین)

اپنی نیکیاں آپ کو دیتے ہیں اور اگر ان کے پاس نیکیاں نہیں تو آپ کے گناہ اپنے سر لیتے ہیں؛ البتہ ان کے لعن طعن سے یہ غور ضرور کرلیا کریں کہ اگر وہ عیب آپ میں موجود ہے جس پر وہ لعن طعن کرتے ہیں تو اس کو چھوڑنے کی کوشش کریں، اس کے لیے اس ناکارہ کا رسالہ ''الاعتدال'' ② مطالعہ میں رکھنا مفید ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے آپ کو اپنی رضا ومحبت عطا فرماوے، مرضیات پر عمل کی زیادہ توفیق عطا فرماوے، نامرضیات سے حفاظت فرماوے۔ فقط والسلام۔

زکریا بقلم حامد حسین، ۱۶/ جمادی الاولی ۸۲ھ

بکری کے دماغ سے جو کیڑے مثل کملے نکلتے ہیں ان کو استخوان زانوئے خوک کے ہمراہ مل کر کے برص کے داغ پر لگانے سے چند روز میں برص کا نشان تک نہ رہے گا۔ بارہا تجربہ کیا ہے، اس سے بہتر کوئی اور نسخہ برص یعنی سفید داغ کا میسر نہیں ہوسکتا، جب تک یہ استعمال کیا جائے لیموں زیادہ کھایا جاوے، اور دودھ اور مچھلی سے پرہیز۔

ایک خواب

مفتی صاحب نے قیامِ راندیر میں ایک خواب دیکھا اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں لکھا:

میدانِ حشر قائم ہے لوگ حیران اور پریشانی کے عالم میں ہیں، خواب ہی میں مجھ سے مولانا محمد سعید صاحب راندیری (مرحوم) نے فرمایا: گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے

---

② ''الإعتدال في مراتب الرجال'' معروف بہ ''اسلامی سیاست'' یہ رسالہ درحقیقت ایک طویل وعریض خط ہے جس کو حضرت شیخ نے اپنے ایک مخلص خادم وشاگرد کو مسائلِ حاضرہ کے متعلق سات سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کتاب وسنت کی روشنی میں انتہائی سنجیدگی ومتانت سے شعبان ۱۳۵۷ھ میں تحریر فرمایا تھا۔

بندوں کے ساتھ رحم وکرم ہی کا معاملہ کرے گا، اس کے بعد فرشتے باری تعالیٰ کا عرش لے کر اترے اور اللہ تعالیٰ کی تجلی ظاہر ہوئی۔

خواب کی تعبیر (مغفرت کی بشارت)

عنایت فرمایم سلمہ!

بعد سلام مسنون! عنایت نامہ پہنچا۔ تمھارا خواب بہت مبارک ہے۔

اس میں ایک جانب تو تنبیہ ہے اس بات کے اوپر کہ آدمی کو موت کو اور حساب کتاب کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے کہ یہ چیز بہر حال پیش آنی ہے۔ اور دوسری جانب ان شاء اللہ تمھاری مغفرت کی بشارت ہے، نیز مولانا محمد سعید صاحب راندیری کے علوِشان کی طرف بھی اشارہ ہے، ان کی خدمت میں کبھی کبھی جاتے رہا کرو، بندہ کی طرف سے بھی سلام مسنون کہہ دیں۔ فقط والسلام۔

محمد زکریا بقلم شمیم ۱۷/ ربیع الثانی ۸۳ھ

ایک اَور خواب

اسی زمانۂ طالبِ علمی میں دوسرا خواب دیکھا خواب اور اس کی تعبیر غور سے پڑھیے:

ہمارا دار الاقامہ ہے، وہاں سے میں نکل رہا تھا، جب احاطہ کے صدر دروازہ سے باہر آیا تو دیکھا کہ ایک طالبِ علم گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا، وہ گھوڑا سرکش اور متمرد معلوم ہوتا تھا، اور اس کے قبضہ میں نہ آتا تھا، تو اس نے ارادہ بدل دیا، اور اتر جانا چاہتا تھا، تو میں نے کہا کہ چڑھ جاؤ، کیوں گھبراتے ہو؟ گھوڑے تو ایسے ہی ہوا کرتے ہیں تو پھر وہ دوبارہ چڑھ گیا، اور میں بھی اس کے ہمراہ پیدل چلنے لگا۔

وہ گھوڑا سیدھے راستے سے گذر کر ایک گلی میں گھسا، وہاں سے پھر ایک میدان میں گیا، جہاں پر گھانس قدِ آدم جتنی اگی ہوئی تھی، وہاں پر دیکھا کہ گھوڑا ایک بڑے اژدہے کو دیکھ کر بدکنے لگا، تو میں نے اس اژدہے کو قتل کرنے کے لیے پیچھا کیا، مگر میرے پاس کچھ ہتھیار نہ تھا، جس کی وجہ سے میں اس کو پتھر مارنے لگا، وہ اژدہا گھانس میں چھپنے لگا، ایک دوسرا شخص بھی اس کو پتھر مارنے لگا، پھر میں نے ڈھیلے مارنا ترک کر دیا اور بندوق تلاش کرنے گیا تاکہ اسے قتل کر دوں، اتنے میں اس آدمی نے یہ جانا کہ اژدہا اس کو کاٹے گا جو اس کو چھیڑے، تو اس شخص نے پتھر مارنا ترک کر دیا، اور کہا کہ میں تو اسے نہیں چھیڑوں گا، میرا اس نے کیا بگاڑا ہے، جب میں بندوق تلاش کرنے گیا تو میرے ساتھ ایک اور شخص تھا جسے میں پہچانتا نہیں ہوں، اس نے کسی سانپ کی سرسراہٹ سنی تو وہ اس کے پاس گیا، تو معلوم ہوا کہ وہ اژدہے کا بچہ تھا، جب وہ پاس گیا تو وہ بچہ اس سے کہنے لگا کہ کب سے کیوں تم لڑتے رہتے ہو، چلو صلح کر لیں۔

میں نے جب سنا تو میں بھی اس کے پاس گیا اور کہا کہ اچھا چلو، جب میں اور وہ اور کوئی تیسرا شخص بھی ساتھ تھا تینوں اس کے پاس صلح کے لیے بیٹھے تو ذرا ادھر اُدھر کی بات ہونے کے بعد اس بچہ نے میرے ہاتھ پر ڈنک مارا اور کہا کہ ایک کی تو تم کو قربانی کرنی ہوگی اس کے بعد گویا مجھ پر بے ہوشی سی طاری ہوگئی اور میں مرنے لگا پھر خواب ختم ہوگیا۔

خواب کی تعبیر

(آپ کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کو نقصان)

عنایت فرمایم سلمہ!

بعد سلام مسنون! عنایت نامہ پہنچا۔ خواب اِن شاء اللہ مبارک ہے، اس کی تعبیر

یہ ہے کہ ان مولوی صاحب کو تمھارے سے دینی فائدہ پہنچے گا، اور تمھاری وجہ سے اِن شاء اللہ دشمنانِ اسلام کو نقصان پہنچے؛ البتہ اژدہے کے بچے نے جو پشت پر ڈنک مارا ہے وہ خود انہیں بھی نقصان ہے، اللہ جل شانہ تمھیں شرور سے محفوظ رکھے۔ فقط والسلام

زکریا عفی عنہ بہ قلم محمد شفیق ۱۶/ رجب

حضرت شیخ الحدیثؒ سے غائبانہ رشتہ بذریعۂ خطوط قائم ہو چکا تھا، اور قیامِ راندیر کے زمانہ میں سورت اسٹیشن پر حضرت شیخؒ کی زیارت بھی کی تھی۔ زیارت کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضرت شیخؒ اور حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ امیر جماعت تبلیغ حج کے سفر پر تشریف لے جا رہے تھے، اور دہلی سے بمبئی فرنٹیر میل سے آنے والے تھے، قرب وجوار کے اہلِ تعلق کو حضرت شیخؒ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی، عشا کے بعد ہی زائرین ہزاروں کی تعداد میں سورت ریلوے اسٹیشن پر جمع ہونے شروع ہو گئے تھے، جن میں جامعہ حسینیہ راندیر، دار العلوم اشرفیہ راندیر اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے طلبہ واساتذہ کے علاوہ ہزاروں عوام سراپا اشتیاق بن کر شروع رات ہی سے وہاں پہنچ گئے تھے، حالاں کہ ریل کے ٹھہرنے کا وقت صرف تین منٹ تھا۔

صبح چار بج کر کچھ منٹ پر فرنٹیر پہنچا، اور مجمع دیکھ کر افسران نے تین منٹ کے بجائے پندرہ منٹ ٹھہرایا، اور تشنگانِ زیارت کے لیے سامانِ سیرابی فراہم کیا، مجمع کو بٹھا دیا گیا؛ تاکہ سب ہی زیارت سے مستفید ہو سکیں۔ اس وقت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی نے ریل کے دروازہ پر کھڑے ہو کر بیان کرنا شروع کیا، جو ریل کی روانگی تک جاری رہا۔ جب ریل چلنے لگی تو دل ہلنے لگے، اور آنسو بہنے لگے، بعضوں کی چیخیں بلند ہو گئیں، اور بعض تو غش کھا کر گر پڑے۔ (ماخوذ از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفائے کرام ۱/ ۲۶۷)

بھلا ایسا روحانی منظر دیکھنے کے بعد سہارن پور جانے اور حضرت شیخ کے قدموں میں گرنے کا شوق موجزن کیوں نہ ہوتا؛ چناں چہ ان تمام دواعی کے نتیجہ میں مفتی صاحب نے عربی چہارم کے بعد مظاہر علوم جانے کا فیصلہ کرلیا، لیکن والد صاحب کے منشا کے بغیر مدرسہ بدلنا مشکل تھا، ان کو سہارن پور جانے کا ارادہ معلوم ہوا تو اشرفیہ کے اساتذہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اسے سہارن پور جانے نہ دیجئے؛ چناں چہ آپ نے دورہ تک کی تعلیم اشرفیہ ہی میں مکمل فرمائی۔

آپ کے والد صاحب کا منشا یہ تھا کہ ایک ہی جگہ تعلیم مکمل ہو، مدرسہ بدلنے میں تعلیم کے نقصان اور جی نہ لگنے کا امکان رہتا ہے، اس لیے ان کے فیصلے کے مطابق مفتی صاحب نے پوری تعلیم دار العلوم اشرفیہ میں مکمل فرمائی۔

آپ کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں والد گرامی کی فکر

قیامِ راندیر میں بھی مفتی صاحب کی تعلیم وتربیت پر والد صاحب کی کڑی نظر ونگرانی برابر رہی، خانپور سے بذاتِ خود راندیر آتے، اور اپنے لائق بیٹے کے اساتذہ و ذمہ دارانِ مدرسہ سے ملتے، اخلاق وعادات اور امتحان کے نتائج معلوم کرتے، کبھی اپنے دوست اور رفیق ''بے کار صاحب'' (جن کا ذکر گزر چکا) اور اپنی بیٹی (مفتی صاحب کی بڑی بہن صاحبہ) کے نام خط لکھتے کہ: احمد کا خیال رکھیں۔

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ تربیت کے معاملہ میں وہ بڑے سخت تھے، مفتی صاحب کا دینی ذہن بنانے میں ان کی تربیت کا خاص دخل رہا ہے۔

جن لوگوں سے مستقبل میں اللہ تعالیٰ کو دین کا کام لینا منظور ہوتا ہے بچپن میں ان کی

تربیت کا انتظام اسی طرح ہونا قدرتی امر ہے۔ جن لوگوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی ''آپ بیتی نمبر ایک'' چند تربیتی واقعات ص ۴۳ تا ۵۵ والا حصہ پڑھا ہے وہ جانتے ہیں بچپن میں ان کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے کیسی سخت تربیت فرمائی تھی تب جا کے شیخ ''شیخِ وقت'' بنے ہیں، مفتی صاحب کے والد ماجد عالم نہیں تھے؛ مگر دین دار ضرور تھے، وہ بچپن ہی سے اپنی اولاد میں دینی رسوخ پیدا کرنے اور ان کو سادہ طبیعت میں ڈھالنا چاہتے تھے۔

مفتی صاحب کی تربیت کے تعلق سے والد صاحب کی تربیت کے دو تین واقعات ملاحظہ کیجئے:

تربیت کے تین واقعے

(۱) یہ واقعہ قیامِ راندیر کے دور کا ہے، مفتی صاحب کے والد صاحب کی حالت دنیوی معیشت کے لحاظ سے متوسط درجہ کی تھی، ان کے مزاج میں کفایت شعاری رچی بسی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے خانپور سے راندیر دو جوڑی کپڑے سلا کر بھیجے، جس کپڑے سے یہ جوڑے بنائے گئے تھے اس کا شمار گھٹیا کپڑوں میں ہوتا ہے جس کو گجراتی میں ''مادر پاٹ'' کہتے ہیں، عموماً ''مادر پاٹ'' کا استعمال اس وقت دیہاتی اور غربا قسم کے لوگ کرتے تھے، یہ کپڑا میلا ہونے کے بعد دھونے سے سکڑ جاتا ہے، آج کل کی طرح ناز ونعمت میں پلنے والے طلبا کی طرح اس زمانہ میں پریس شدہ کپڑوں کے پہننے کا دستور بھی نہیں تھا اور نہ ممکن، مفتی صاحب کے پاس جب یہ کپڑے پہنچے تو پہنتے ہوئے عار وشرم محسوس کی، رفقا میں سے بعض نے کہا بھی کہ تو ایسے گھٹیا کپڑا پہنے گا؟

ان کے عار دلانے اور اکسانے سے استعمال نہ کرنے کی رائے میں اور پختگی پیدا ہوئی؛ چناں چہ آپ نے راندیر سے والد صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ "آپ نے جو لباس تیار کر کے بھیجا ہے مجھے وہ پسند نہیں ہے"۔ اس کے جواب میں خانپور سے والد صاحب کا گرامی نامہ بجلی بن کر گرا، جس میں انہوں نے سخت الفاظ میں لکھا: "میں نے اپنی حیثیت کے مطابق کپڑے سلا کر بھیجے، اگر تم کو پسند نہیں تو وہاں سورت اور راندیر کے درمیان "تاپی" ندی ہے، اس میں پھینک دو"۔

چناں چہ بادلِ ناخواستہ ہی سہی پدر کی ڈانٹ پر "مادر پاٹ" پہننا ہی پڑا۔

مفتی صاحب نے زمانۂ طالبِ علمی میں کبھی بھی غیر حاضری نہیں کی؛ البتہ نو سال میں دو مرتبہ ایسا اتفاق ہوا جس میں آپ کو مجبوراً وطن جانا پڑا۔

(۲) ایک مرتبہ بیمار ہوئے، راندیر علاج کیا، مگر خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تو مہتمم صاحب (حضرت مولانا احمد اشرف راندیری) سے اجازت لے کر خانپور آ گئے، گھر پہنچتے ہی والد صاحب نے تعلیم کے وقت میں آنے پر باز پرس و گرفت کی، بیماری کا عذر بتلایا، انہوں نے فرمایا: خانپور کے بالمقابل راندیر میں علاج و معالجہ کے وسائل زیادہ ہیں، وہیں علاج کرانا چاہیے؛ چناں چہ بہت کچھ کہنے کے باوجود ایک نہ سنی، خفا ہو گئے، حتی کہ ساتھ میں کھانے بھی نہیں بٹھایا۔ چناں چہ اسی دن مدرسہ واپس کر دیا، ایک دن بھی خانپور ٹھہرنے نہیں دیا۔

(۳) دوسری غیر حاضری ایک شادی کے موقع پر ہوئی، ماموں زاد بہن کی شادی تھی، آپ شادی میں شرکت کی خاطر مدرسہ سے اجازت لے کر خانپور پہنچے، والد صاحب سے ملاقات ہوئی، آمد کی وجہ پوچھی، بتلایا گیا؛ مگر وہ آپ کی اس آمد و شرکتِ شادی سے خوش

نہیں تھے، واپس بھیجنا چاہا، رشتہ داروں نے منایا، منت سماجت کی، رشتہ داروں نے کہا: ایک دن تو رکنے دیجئے، کل چلا جائے گا، مگر کسی کی نہیں سنی اور اسی دن مدرسہ بھیج دیا۔

مفتی صاحب زمانۂ تعطیل میں راندیر سے خانپور آتے تو والد صاحب تعطیل کے اوقات کو وصول کرتے، اس زمانہ میں مفتی صاحب کے والد کے نام ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ سے ہر ماہ آتا رہتا، تعطیل میں صبح کے ناشتہ کے بعد تقریباً گیارہ بجے تک مفتی صاحب کے لیے پابندی تھی کہ مذکورہ رسالہ یا حسبِ منشا کوئی اُور دینی کتاب پڑھ کر سناوے، اس کے بعد ہی چھٹی ملتی،

ع اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

یہاں تو سبق بھی یاد، اعلیٰ نمبرات؛ بلکہ اول نمبر سے پاس پھر بھی زمانۂ تعطیل میں چھٹی نہ ملتی،

ع ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

فراغت کے بعد

اس وقت مدارسِ دینیہ سے فراغت کے بعد دینی مدارس کے طلبہ مظاہر علوم سہارنپور یا پھر دارالعلوم دیوبند جا کر مزید تعلیم حاصل کرتے، مگر مفتی صاحب کو عربی ادب پڑھنے کا شوق دامن گیر تھا، عربی ادب کی طرف رجحان ہونے کی وجہ ظاہر تھی کہ آپ نے جن اساتذہ سے علوم عربیہ حاصل کئے تھے وہ خود علم وفن کے ماہر تھے۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا سید مصلح الدین صاحب مدّظلہ (کی خودنوشتہ تحریر میں گزر چکا ہے کہ انہوں نے خود اپنے والد ماجد سے کیسے پڑھا اور اپنے شاگردوں کو

پڑھانے کا کون سا طرز اختیار کر رکھا تھا، مولانا سید مصلح الدین صاحب) کے حالات میں لکھا ہے:

"۱۳۷۲ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ان کا امتحانِ داخلہ شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب نے لیا اور ۴۸ نمبر دے کر کامیاب کیا، پھر فرمایا: ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے؟ انہی کتابوں کو دوبارہ پڑھ لو تو بہتر ہے، چناں چہ شیخ الادب صاحبؒ کے مشورہ کے مطابق ہدایۃ النحو وغیرہ کتب دوبارہ پڑھی، آپ مفتی صاحب کے عربی دوم کے استاذ ہیں"۔

فخرِ گجرات حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ کے ذکرِ خیر میں گزر چکا ہے کہ انھوں نے امام النحو والمنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جمویؒ سے نحو اور منطق کی اکثر کتابیں تین سال تک پڑھیں، مفتی صاحب نے آپ سے اور کتابوں کے ساتھ مختصر المعانی پڑھی۔

حضرت مولانا آدم پالن پوریؒ سے مفتی صاحب نے دیوانِ متنبی پڑھی۔ "مولانا آدم صاحبؒ کے متعلق ان کے بعض شاگردوں سے سنا کہ: عربی لغت وادب میں ان کی نظر وسیع تھی، متنبی کے درس میں شواہد کے طور پر عربی واردو کے محفوظ اشعار سنایا کرتے تھے؛ بلکہ متنبی کے درس میں طرزِ بیان اور اندازِ ادا سے محسوس ہوتا کہ مولانا خود متنبی ہیں"۔ مولانا آدم صاحب خود ظریف الطبع طبیعت کے حامل تھے۔ مذکورہ اساتذہ سے عربی زبان کی عملی مشق اور ان کی ظرافتِ طبعی نے عربی زبان کی وحشت اور درسی کتاب کی ثقالت کو دور کر دیا تھا، شاید یہی وجہ ہے کہ مفتی صاحب کے حافظہ میں متنبی کے کئی اشعار محفوظ ہیں، جو گاہے گاہے بیانوں اور گفتگو کے دوران نوکِ زبان پر آجاتے ہیں۔

مثل: ''الشجرة تعرف بثمارها'' یعنی درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے مشہور ہے۔

الحاصل درسِ نظامی میں عربی زبان سے تعلق رکھنے والی کتابیں ماہر فن اساتذہ سے پڑھنے سے عربی ذوق پیدا ہو چکا تھا، اپنے محبوب استاذ حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ سے عربی ادب پڑھنے کے متعلق مشورہ کیا، مولانا نے فرمایا: حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب سے رابطہ کرنے کے بعد یعنی ان کی وساطت سے ندوۃ العلماء لکھنؤ درخواست بھیجو۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب اُس وقت فلاحِ دارین ترکیسر کے فعال مہتمم تھے، عربی ادب میں ان کا ذوق بلند ہے، عربی ہی نہیں؛ بلکہ گجراتی اور اردو زبان پر اچھی گرفت ہے، ان کا اندازِ تحریر بھی شستہ، پاکیزہ اور دل کش ہے، تینوں زبانوں میں ان کی تصانیف موجود ہیں، جو جامعیت اور ادبی دل کشی کی وجہ سے اہلِ علم کے مابین قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

مولانا نور عالم امینی صاحب زید مجدہ نے ان کی مترجم کتاب ''دیوان الامام الشافعی'' کی تقریظ میں ان کے متعلق لکھا ہے ''ہم عصر گجراتی علماء میں علمی ذوق، تصنیف وتالیف کے مذاق، تاریخ وسیر کے گہرے مطالعہ اور بالخصوص عربی زبان وادب سے بے پایاں شغف کے حوالہ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں''۔ (ص:۲۱)

ان ہی اوصافِ عالیہ وعلمی خصوصیات کی بناء پر ایک باذوق علمی دوست نے مولانا کے متعلق راقم الحروف سے کہا کہ: ''مولانا گجرات کے علی میاں ہیں''۔

ایک ملاقات میں ان کا یہ جملہ راقم نے مولانا سے نقل کیا تو مولانا حسبِ عادت مسکرانے لگے۔

ندوۃ العلماء سے ان کے روابط رہے ہیں، اس وجہ سے حضرت مفتی سعید پالن پوری مدظلہ نے حضرت مولانا عبداللہ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔

شوال کی تعطیل میں ترکیسر حاضر ہوکر ندوہ جانے کا مشورہ کرنے اور وہاں کے امتحان کی تیاری کرنے کے سلسلہ میں مولانا عبداللہ کے نام مفتی صاحب نے خط لکھا تھا، مولانا عبداللہ کی طرف سے جواب آیا۔

مکتوبِ گرامی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ

عزیزم مولوی احمد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام میں کل شام ترکیسر پہنچا تو آپ کا مکتوب بھی ملا، سورت کے عالمی اجتماع کے بعد آپ تشریف لائیں گے تو ان شاء اللہ رسائل ومجلّات بتلاؤں گا، حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ کا گرامی نامہ میرے پاس نہیں آیا، مگر آپ بلا تکلف رسائل حاصل کرلیں، اور حتی الامکان فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

مجھے آپ کے اس شغف اور ذوق سے خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو علم وعمل میں ترقی نصیب فرماوے اور دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے، میرے لیے بھی دعا فرماتے رہنا۔ والسلام

اخوکم فی الدین عبداللہ غفرلہ

۱۹/ شعبان ۱۳۸۶ھ ۳/ دسمبر ۱۹۶۶ء

اسی تعطیل میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری سے برابر ربط رہا، بذریعۂ خطوط ندوہ کی تیاری کے متعلق رہنمائی حاصل کرتے رہے، حضرت مولانا پالن پوری

مفتی صاحب کے خطوط کا برابر جواب دیتے رہے، ان کے مرقع گرامی ناموں میں سے موقع کی مناسبت سے یہاں صرف چار نقل کئے جاتے ہیں، مولانا کے گرامی ناموں کی سطر سطر سے عیاں پدرانہ شفقت اور مربیانہ عنایت کو دیکھ کر اپنے چھوٹوں پر اسلاف واکابر کی شفقتوں کے واقعات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

نامہ ہائے گرامی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

مکتوب نمبر ①

برادر عزیز سلمہ!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

تمہارا مرسلہ کارڈ ملا، تم کو جوابی خط لکھنے کی حاجت نہیں ہے، نفس خط ہی لکھ دیا کرو، تمھارا بخار وغیرہ خدا کرے ختم ہو گئے ہوں، سردی سے احتراز کرنا چاہیے، میں فی الحال گھر پر ہی ہوں اور غالباً رمضان بھی یہیں گزرے۔ یہاں پہنچ کر عجیب کسلان کا دور دورہ رہا، دو چار کے علاوہ کسی کو خط نہیں لکھ سکا، آج ہی مولانا عبد اللہ صاحب کو لکھتا ہوں۔ سورت کے اجتماع میں لوگ کثرت سے شرکت کے لیے روانہ ہوئے ہیں، ہم ہی ایک کور باطن اس روح پرور اجتماع سے محروم رہے۔ تاہم زیادہ افسوس بھی نہیں؛ کیوں کہ وہاں صرف نام لکھانے کی تقاریر ہوں گی، غالباً تم نے شرکت کی ہوگی، اگر تفصیلی رپورٹ لکھ سکو تو اچھا رہے، والد صاحب بھی شرکت کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ جمبوسر کے احوال کیا ہیں اگر ہو سکے تو لکھو۔ تم کو بنام ناظم ندوۃ العلماء دار العلوم لکھنؤ ایک خط لکھنا چاہیے جس میں اپنی تعلیم کا مختصر حال لکھ کر معلومات حاصل کرنا چاہیے کہ درجۂ تخصص

میں میرا داخلہ ہو سکے گا؟ اور کب تک آنا چاہیے؟ اگر اصول وضوابط چھپے ہوئے ہوں تو منگوانا چاہیے، مولوی عبداللہ صاحب سے بھی اس سلسلہ میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ بہر حال تم کو یہ کام جلد کرنا چاہیے۔

میں بخیر ہوں، والد صاحب سے سلام کہو، بھائی سے بھی، اور کوئی شناسا پرسانِ حال ہو تو اس سے بھی۔ والسلام۔ مولوی ابراہیم صاحب آچھودی کہاں ہیں؟ معلوم ہو سکے تو لکھو۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ ۴/۱۲/۶۶

مکتوب نمبر ②

برادر عزیز سلمہ! سلام مسنون

تمہارا ارسال کردہ لفافہ ملا، کاشف احوال ہوا۔ مولوی عبداللہ صاحب پر میں نے یہی لکھا تھا؛ لیکن اب تو مدتِ خواندگی بھی ختم ہو چکی ہے، اس کے رسل ورسائل کتب وغیرہ نہ لائے ہوں تو اس مشورہ کو سرے سے نکال دو، قرآن وغیرہ کتبِ موجودہ میں گزر اوقات کرو۔

① ندوہ میں اولاً تو سند پیش کرنا نہیں ہوگا؛ بلکہ حسبِ دستور مدارسِ عربیہ داخلہ امتحان ہوگا، تاہم اگر اس کی نوبت بھی آئی تو اس وقت اس مسئلہ سے نمٹا جائے گا، تم لکھنؤ سے میرے نام تار دے دینا میں فراغت کا سارا سرٹیفکٹ لے کر ارسال کر دوں گا، اور موجودہ سند وہاں پیش کرنا ہوگا تو کافی ہو جائے گا، بہر حال اس الجھن میں فی الحال نہ الجھو۔ اہلِ دفتر کی ذہنیت کی غمازی اس سے خوب ہوگی، خدا ان کو سمجھے۔

② ایک شریکِ جلسہ نے ڈیڑھ لاکھ کا اندازہ لگایا تھا، اس طور پر کہ کل ۸۵ صفیں تھیں، اور فی صف پندرہ سو آدمی تھے، پھر بھی کافی لوگ باہر تھے۔

③ میں فی الحال بخیر ہوں، قرآن عزیز وغیرہ مشاغل میں گزر اوقات کرتا ہوں۔

④ تم کو لکھنؤ جلد پہنچنے کی سعی کرنا چاہیے، والد صاحب کے حج کے سفر سے پہلے بھی جانا ہو تو تاخیر نہ کرنا چاہیے، والد صاحب کب تشریف لے جائیں گے؟ تاریخ متعین ہوئی یا نہیں؟ بھائی وغیرہ سے والد صاحب سے سلام اور احباب پرسانِ احوال سے بھی۔ والسلام

سعید احمد پالن پوری ۲۱/ ۱۲/ ۶۶ء

مکتوب نمبر ③

برادر عزیز سلمکم اللہ! سلام مسنون

۲۱/ رمضان کا مکتوب کارڈ پہنچا، اگر تخصص عربی درجہ اول کی وہ نوعیت ہے جو آپ نے لکھی ہے تو پھر تھوڑی سی سعی سے درجۂ ثانی مل جائے گا، اور وہی آپ کے لیے مناسب رہے گا۔

وہاں پہنچ کر رابع صاحب اور علی میاں صاحب سے اولاً ملاقات کی جائے اور تمام تفصیلی حالات راندیر کے پتہ پر ارقام کیجیے، میں غالباً ۱۰/ شوال تک راندیر پہنچ جاؤں گا۔

والدین اور بھائی صاحبان سے سلام مسنون۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ ۲۸/ رمضان

مکتوب نمبر ④

برادر عزیز سلمہ! سلام مسنون

تمھارا ۴/ رمضان کا مرسلہ کارڈ ونصابِ تعلیم آج ۱۴/ رمضان کو دس یوم کے بعد پہنچا۔ خیر غنیمت کہ پہنچ گیا۔ میرے نزدیک مناسب تمھارے لیے "الاختصاص فی

الأدب العربي" کی تجویز ہے؛ لیکن کاش ایسا ہوتا کہ تم سنۃ اولی کے نصاب کا مطالعہ از خود کر لیتے اور بقیہ دو سال کے لیے داخل ہوتے ؛ مگر مطالعہ کی صورت کیا ہوگی ، وطن میں تمھیں کتابیں دست یاب نہ ہوں گی ، نہ کوئی آدمی ملے گا جو بتلا سکے۔ البتہ یہ صورت ہے کہ عید کے فوراً بعد وہاں لکھنؤ جا کر پہلے سال کے نصاب کا مطالعہ اچٹتا ہی سہی کرلو اور اس کا داخلۂ امتحان دے کر دوسرے سال میں داخلہ لے لو۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر تین سال ہی رہ کر تخصص فی الادب مکمل کرلو۔ غالباً صحیح (۳۰) ہے؛ کیوں کہ ۱۹۸۵ء کا دستور مطبوعہ ہے، روپئے کی قیمت گھٹنے پر یہاں یہی (۱۵) اضافہ ہوکر (۳۰) ہوگیا ہے، اس لیے ان کو تصحیح کرنا پڑی ہے۔ جمبوسر والوں کا ایک کارڈ ملا تھا، جواب نہ لکھا ہے نہ فرصت ہے، ملاقات ہو تو سلام و دعا کہو۔ دستور ارسال ہے: والد صاحب یا بھائی صاحب کو سرپرست لکھانا چاہیے۔ ۷ /شوال تک جدید طلباء کو حاضر ہو جانا چاہیے؛ اس لیے تم کو ۵ /شوال سے چلے جانا چاہیے، اور غالباً رمضان بعد ملاقات نہ ہو، ہاں وہ لنگڑی سند ضرور لے جانا چاہیے، دستور میں جو سامان لکھا ہے وہ ضرور ہونا چاہیے۔ والسلام

سعید احمد

مفتی صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ عربی ادب پڑھنے کے لیے درخواست بھیجی تھی، انھوں نے جواب دیا تھا کہ فراغت کی تصدیق ضروری ہے لہذا برائے تصدیق نامہ اپنے استاذ شیخ محمد رضا اجمیری کی خدمت میں عریضہ لکھا۔

مکتوب حضرت مفتی صاحب

ذو المجد والکرم جامع الکمالات والشیم حضرت مولانا صاحب من الله علینا

بطول بقاء کم .

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! عرض ایں کہ میں بخیر ہوں اور آپ کی خیر وعافیت کا بہ بارگاہِ الٰہی ہردم خواہاں!

دیگر میں نے ندوہ (لکھنؤ) اپنے داخلہ کے لیے ایک خط لکھا تھا، تو وہاں سے جواب آیا کہ تم ایک درخواست لکھ کر بھیج دو، جس میں مدرسہ اشرفیہ کے صدر مدرس یا مہتمم کی جانب سے میری فراغت کی تصدیق ہو، اس لیے ساتھ کی درخواست لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کی ہے کہ آپ اس پر تصدیق کردیں۔ اس میں یہ بھی لکھا کہ اگر میری طرح اور چار پانچ درخواستیں آگئیں تو ہی وہ لوگ درجۂ مذکورہ (درجۂ تخصص) کھو لیں گے؛ تاکہ اگر ابھی سے پانچ چھ ہوں تو درجہ ختم ہونے تک کم از کم چار طلبہ باقی رہیں، ورنہ ایک دو پر درجہ ممکن نہیں، اور اس صورت میں وہ لوگ مجھے نفی میں جواب لکھ دیں گے۔

تو آپ سے عرض ہے کہ آپ بتلائیں کہ اس صورت میں کونسی راہ اختیار کروں، مجھے بہرصورت اپنی تعلیم آگے بڑھانا ہے، امید ہے کہ آپ میری رہنمائی فرماکر مجھے ممنون فرمائیں گے۔ تصدیق بھی ذرا پُرزور الفاظ میں کریں؛ تاکہ ان لوگوں کی توجہ مبذول ہو، آپ کی بڑی کرم فرمائی ہوگی۔

والد صاحب اور بھائی صاحب کی طرف سے سلام قبول کریں، اپنی دعاؤں میں ضرور بالضرور یاد رکھیں۔ فقط والسلام

آپ کا کفش بردار: احمد خانپوری

جواب از مولانا محمد رضا اجمیریؒ

من جانب محمد رضا اجمیری

از راندیر، کنارہ مسجد۔ ۲۵/ رمضان المبارک۔ ۷/ جنوری ۱۹۶۷ء

عزیزم مولوی احمد صاحب دمتم بالخیر والسرور!

السلام علیکم

بفضلہٖ تعالیٰ یہاں پر خیر و عافیت شاملِ حال ہے، اللہ تعالی سے آپ حضرات کی خیر و عافیت مطلوب ہے۔

مبارک ایام ختم ہو رہے ہیں، دعا فرماتے رہیں، دولتِ ایمان؛ نیز سکون واطمینان حاصل رہے۔ حسبِ ارشاد چند جملہ لکھ دیئے ہیں جو کافی ہیں، آپ کے حسبِ شان اگر کچھ زیادہ تفصیل لکھوں تو وہ لوگ اس کو مبالغہ پر محمول کریں گے۔ لہذا قصداً اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

اگر درجۂ مطلوبہ میں کامیابی نہ ہو سکے تو کوئی اور درجۂ تخصص جو مناسبِ ذوق ہو اختیار فرمائیں، اس کا تعلق تو آپ کے ذوق سے ہے۔ میرا ذوق تو تخصص فی التفسیر یا پھر حدیث ورنہ فقہ کی طرف ہے۔

آپ کے والدِ محترم نیز برادرانِ عزیز کو سلام عرض کریں، آپ کے ماموں صاحب کو بھی سلام عرض کریں۔ فقط

العاصی: محمد رضا اجمیری

مضمونِ تصدیق

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

امابعد: عزیزم مولوی احمد خانپوری امسال بفضلہٖ تعالیٰ دارالعلوم اشرفیہ کے درجۂ دورۂ حدیث سے فارغ ہو گئے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنے تمام رفقاء پر کافی فائق رہے، درجۂ اول میں پاس ہو گئے ہیں۔ ذوق اور شوق کے اعتبار سے بھی ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں۔ ان کی قابلیت سے بھی مجھے اچھی امیدیں وابستہ ہیں۔

حررہ: محمد رضا اجمیری، معلم: دارالعلوم اشرفیہ

۷/جنوری ۱۹۶۷ء

ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عربی ادب پڑھنے کے لیے درخواست

از احمد محمد منشی

مقام پوسٹ: خانپوردہ۔ تعلقہ: جمبوسر۔ ضلع: بھروچ (گجرات)

بہ خدمتِ شریف حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تحیۂ مسنونہ! عرض معروض ایں کہ میں نے اس سال دارالعلوم اشرفیہ راندیر کا فضیلت کا مروجہ نصاب ختم کیا ہے، اور اس کی باقاعدہ سند بھی حاصل کی ہے، اب میرا ارادہ اپنے تعلیمی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ کے دارالعلوم میں درجۂ تخصص فی الادب میں داخلہ لینے کا ہے۔

امید ہے کہ آپ میری اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخش کر مجھے اس کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ والسلام

منتظرِ جواب: احمد خانپوری

درخواست کا جواب از لکھنؤ

عزیز مولوی احمد خانپور!

وعلیکم السلام

طلبہ کی مناسب تعداد نہ ہونے کی وجہ سے تخصصِ ادب کا درجہ نہیں کھل سکا ہے، کسی دوسرے مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ کو یہاں فضیلتِ دینیات سالِ اول میں داخل کیا گیا ہے۔

اور اس درجہ کے بعض دینیاتی مضامین سے ان کو مستثنیٰ کر کے ان کی جگہ پر ادبِ عربی کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں، ضابطہ کے طور پر ان کا داخلہ فضیلت میں ہے۔ اور سند بھی اسی کی ملے گی، اگر آپ آنا چاہیں اور اس طرح داخلہ پسند کریں تو آجائیں، ان شاء اللہ آپ کا داخلہ ہوجائے گا اطمینان رکھیں۔ جواب میں تاخیر کی وجہ بھی یہ انتظار تھا کہ شاید کچھ اور طلبہ آجائیں تو پھر ان سب کے لیے تخصص ادب کا سال اول کا درجہ باقاعدہ کھول دیا جائے۔ والسلام۔

ابو العرفان ندوی، مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶/۲/۶۷ء

ارادۂ دیوبند

ندوۃ العلماء سے داخلہ کے انتظار میں دن گذرتے رہے، رمضان المبارک قریب الختم تھا، آئندہ سال کا پروگرام طے کرنے میں فکرمند تھے کہ کیا کروں؟ استاذ محترم مفتی سعید احمد صاحب سے پھر مشورہ کیا، ان کی رائے دیوبند جانے کی ہوئی، انہوں نے

ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا جوان کی محبت وشرافت اور شفقت کا آئینہ دار ہے، خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفرِ دیوبند کے لیے کرایہ وغیرہ کا مکمل انتظام نہیں تھا، مولانا نے ہمت افزائی فرمائی۔ علمائے سلف کے بہت سے واقعات پڑھے اور سنے کہ وہ حضرات اپنی اولاد پر خرچ کرنے کی طرح اپنے شاگردوں پر بلا دریغ خرچ کیا کرتے، اسی نوع کی ایک مثال مفتی پالن پوری نے قائم فرمادی، واضح ہو کہ قیامِ راندیر میں مفتی پالن پوری مدظلہ کا گزارہ مدرسہ سے ملنے والی تنخواہ پر تھا، اسی سے گھر چلاتے، ان کے دیگر بھائی دارالعلوم اشرفیہ میں ان کی ماتحتی ونگرانی میں تعلیم حاصل کرتے، ان کی کفالت بھی مولانا کے ذمہ تھی، اس عسرت کے دور کا یہ واقعہ ہے، فتوحات اور ثروت کے دور میں کسی پر خرچ کرنا آسان ہے، لیکن پہلی تاریخ اور تنخواہ کے انتظار کے دور میں کسی پر خرچ کرنا مردانہ ہمت کا کام ہے۔

گرامی نامہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ

ایک لفافہ روانہ کیا تھا؛ مگر ناتمام، یہ اس کا تکملہ ہے۔ اب میرا ذہن افکار سے قدرے سبک دوش ہوسکا ہے۔

(۱) مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ انھوں نے آپ کو راندیر تشریف آوری کے لیے لکھا ہے۔ اگر ارادہ ہو تو بہت اچھا ہے تاکہ ملاقات بھی ہوجائے؛ لیکن رمضان میں سفر میں پسند نہیں کرتا اس لیے تم کو اس قسم کا مشورہ بھی نہیں دیتا۔

(۲) تم کو ضرور دیوبند جانا چاہیے، والد صاحب ۳۰/دیں گے تو بہتر۔ بقیہ ۲۰ کی سعادت میں حاصل کروں گا، لیکن رقم کی پریشانی سے تعلیم پر کسی قسم کا اثر نہ پڑنا چاہیے۔ بھائی صاحب، والد صاحب سے مشورہ کے بعد مجھے مطلع کرو۔

③ ''اتحاف'' کی نقل کے لیے بہت ہی مشکور ہوں، رمضان کے بعد ان شاء اللہ اس کی تجلید کرا کر مطالعہ کرلوں گا اور صحیح شکریہ تو اس وقت ادا کروں گا۔

④ اس ماہ کے دسمبر کے شمارہ میں ''معارف'' میں میرا مضمون صفحات میں شائع ہوا ہے، مگر ۲۰/ دسمبر کو مولوی ابراہیم ودانوی حال مدرس ڈابھیل بمبئی سے تشریف لائے تھے، دو دن رہ کر رات ہی وہ گھر گئے، اور وہ شمارہ پہلے بخاری صاحب کے پاس، پھر مولانا شمس الدین صاحب کے پاس، اور مولوی ابراہیم کو اس وقت ملا جبکہ وہ گھر کے لیے سفر کرنے والے تھے، انہوں نے باصرار وہ رسالہ لے لیا اور گھر لے گئے ہیں، اس لیے وہاں سے آنے تک بھیجنا متعذر رہے۔ باقی والدین، بھائیوں سے سلام کہو۔ والسلام

سعید احمد پالن پوری

حضرت مفتی صاحب کے متعلقین احباب و دوستوں سے کہوں گا کہ فتوحات کے اس دور میں مکتوب بالا میں ذکر کردہ عسر کے دور پر بھی نظر رکھیں۔

دیوبند کا رخت سفر

دار العلوم دیوبند جا کر فنون میں داخلہ کا شوق تھا، دیوبند میں دورہ پڑھنا مقدر میں نہیں تھا اور نہ ارادہ، اس لیے فنون میں داخلہ کے لیے سفارش درکار تھی۔ اس زمانہ میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند) کے دورے ضلع بھروچ میں کثرت سے ہوتے تھے، کاوی (ضلع بھروچ) کے منشی عیسیٰ صاحب (متوفی ۱۹۸۲ء) کے حکیم الاسلام سے گہرے روابط تھے، منشی صاحب اگرچہ عالم نہ تھے؛ مگر خداداد صلاحیت و استعداد، اکابرین سے روابط اور ان کی توجہ اور دینی کتابوں کے بھرپور

مطالعہ کی بنیاد پر خالص دینی مزاج اور اسلامی بصیرت رکھتے تھے، متعدد اکابرِ دیوبند کو ضلع بھروچ میں مدعو کر کے اس علاقے کو بزرگوں کی برکات سے مستفیض کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے، ان کے ماہنامہ ''پیغام'' نامی گجراتی رسالہ کی متنوع اور ہمہ جہت خدمات ہیں۔

خود منشی صاحب کے حضرت سید مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ سے دیرینہ ومخلصانہ تعلقات تھے، مفتی صاحب کے گجراتی فتاویٰ ''پیغام'' میں شائع ہوتے تھے، ''پیغام'' میں فتاوی طبع ہونے سے پہلے حضرت لاجپوریؒ ''راندیر کی بڑی مسجد کے خطیب'' سے معروف ومشہور تھے، حضرت لاجپوریؒ کو ''مفتی'' کے نام سے کوئی نہیں جانتا تھا، ''پیغام'' شائع ہونا شروع ہوا تو حضرت مفتی صاحبؒ عالمِ افتا میں بحیثیت ''پیغام کے مفتی'' پیغام کے صفحات پر ظاہر ہوئے، فتاوی رحیمیہ کی جلد اول ''پیغام'' میں ہی شائع شدہ فتاوی پر مشتمل ہے، چناچہ مفتی لاجپوری صاحبؒ کے ایماء پر منشی عیسی صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے لیے ایک سفارشی تحریر حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے نام لکھی، مفتی صاحب وہ تحریر لے کر خانپور سے رختِ سفر باندھے دارالعلوم کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند میں

۸/شوال ۱۳۶۶ھ کے اوائل میں دیوبند پہنچے، وہاں داخلہ کی کارروائی میں آٹھ دس روز صرف ہوتے ہیں، اس عرصہ میں پھر ایک مرتبہ ندوۃ العلماء سے رابطہ کیا؛ مگر ان کا جواب وہی کہ ''ہنوز ''تخصص ادب'' کے لیے کسی اور کی درخواست نہیں آئی؛ لہذا یہ درجہ نہیں کھل سکے گا'' لہذا وہاں سے ناامید ہو کر دیوبند میں داخلہ لینا طے کر لیا۔ راقم لکھ چکا ہے کہ جس کا رزق جہاں مقدر ہوتا ہے وہیں ملتا ہے، مفتی صاحب نے عربی ادب پڑھ کر

ادیب بننے کا قصد کر رکھا تھا اور اسی کے لیے بہت کچھ تگ ودو کی، مگر ازل سے آپ کے لیے کسی اور میدان میں ''ادیب'' بننے کا فیصلہ ہو چکا تھا، آپ نے زبان وقلم کو شستہ ومہذب کرنا چاہا مگر قسامِ ازل کے ہاں آپ کے لیے دل کا شستہ اور مہذب ہونا اور اس سلسلہ سے مربوط ہونا لکھا جا چکا تھا۔

بہر حال ندوہ کے بجائے دیوبند کی نسبت مقدر تھی:

''تجری الریاح بما لاتشتهی السفن''

امتحانِ داخلہ

فنون میں داخلہ کے لیے حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ نے امتحان لیا، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گجراتیوں سے مانوس تھے، دار العلوم چھاپی کے امتحان واجلاس کے لیے آنا جانا ہوتا، مولانا نے پوچھا: فنِ منطق میں کون کونسی کتابیں پڑھی ہیں؟ بتلایا: مرقاۃ وغیرہ، مولانا نے سلم العلوم اور میبذی کا امتحان لینا چاہا، مفتی صاحب نے یہ کتابیں کبھی دیکھی بھی نہیں، پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

سلّم اور میبذی دونوں کا شمار نہایت مغلق اور اَدق کتابوں میں ہوتا ہے، مولانا نے پہلے ''سلّم العلوم'' کھولی اور عبارت پڑھ کر مطالب سمجھانے کا حکم فرمایا، مفتی صاحب نے

''سلّم العلوم'' قاضی محب اللہ بہاریؒ (متوفی ۱۱۱۹ھ) کی تصنیف ہے، یہ شخص جملہ علوم کے بحرِ ذخار اور فنِ منطق ومعقول کے امام تھے، ان کی اس کتاب نے علمِ منطق کو خاصہ جاندار بنا کر زندہ جاوید کر دیا ہے، درحقیقت اس میں علامہ بہاریؒ کا علمی اعجاز کار فرما ہے، سلّم تمام مدارسِ عربیہ نظامیہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ ''میبذی'' قاضی کمال الدین میبذی (متوفی ۱۰۶۰ء) کی تصنیف ہے، شرح الحکمت عرف میبذی بھی درسِ نظامیہ کے نصاب میں شامل ہے۔

فرفر عبارت پڑھ دی، اس درمیان مولانا کے پاس کوئی شخص آیا اور مولانا سے باتیں کرنے لگا، مفتی صاحب نے موقع غنیمت سمجھ کر سلّم کا حاشیہ سرسری نظر سے دیکھ لیا پھر عبارت کا مطلب سمجھایا، مولانا نے فرمایا: ''اچھا ہے''

سلّم کے بعد میبذی کا امتحان اسی طرح ہوا، دونوں کتابوں میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی کا پروانہ مل گیا اور فنون میں باقاعدہ داخلہ ہوگیا۔

راقم پہلے بھی لکھ چکا ہے کہ مفتی صاحب دورِ طالب علمی ہی سے دوسرے اوصاف کی طرح ذہانت وذکاوت میں اپنے رفقائے درس میں ممتاز خیال کئے جاتے تھے، اس خوبی کی شہادت میں ''سلّم العلوم'' اور ''میبذی'' کا امتحان پیش کردینا کافی ہے کہ منطق اور فلسفہ جیسے خشک اور مشکل فن کی کتابوں کا جس کو آپ نے پڑھا بھی نہیں تھا فرفر امتحان دے دیا۔
مفتی صاحب نے دار العلوم میں دو سال پڑھا: پہلے سال فنون، دوسرے سال افتا۔

سالِ اول فنون

(۱) مولانا نصیر احمد خاں صاحب دامت برکاتہم کو فنِ ہیئت میں بڑا درک حاصل ہے، آپ نے ہیئت کے رسالہ ''فتحیہ'' پر حاشیہ لکھا ہے جو دار العلوم دیوبند کے نصابِ تعلیم میں شامل ہے، مفتی صاحب نے مولانا سے درجِ ذیل کتابیں پڑھیں: (۱) تصریح (۲) شرح چغمینی (۳) رسالہ ماردینیہ (۴) بست باب۔ ایک ہی گھنٹہ میں مذکورہ کتابیں یکے بعد دیگر درساً پڑھیں۔

مفتی صاحب خود فرماتے ہیں: ''حضرت الاستاذ اس فن میں ماہر تھے، درس ایسے پُر لطف انداز سے سمجھاتے کہ مزہ آجاتا، فنِ ہیئت سے کافی دلچسپی پیدا ہوئی، پوری

جماعت کو سبق کا تکرار میں ہی کراتا تھا، دار التفسیر پر ''کرّہ'' (گولا) لے جا کر وہاں ''کرّہ'' کی مدد سے تکرار کراتا تھا، نتیجۃً یہ سب کتابیں اس وقت زبانی یاد ہو گئی تھیں، ایسی یاد کہ کوئی نیند سے اٹھا کر پوچھے تو بھی بتلا دوں، ان کتابوں کے امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی''۔

(۲) مولانا محمد حسین بہاری (متوفی ۱۴۱۲ھ) اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر حلقۂ دیوبند میں نہایت عظمت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، بڑے چھوٹوں سے یکساں مشفقانہ انداز، بے تکلفی، خوش مزاجی اور کبھی کبھی محبت آمیز غصہ کا اظہار جیسی منفرد خوبیوں کے حامل تھے، شب بیداری اور سحر خیزی کے علاوہ باجماعت نماز اور اسباق کے انتہائی پابند تھے، مفتی صاحب نے موصوف سے یہ کتابیں پڑھیں: (۱) شمسِ بازغہ (۲) صدرا (۳) مسامرہ (علمِ کلام میں) (۴) مسلم الثبوت (اصولِ فقہ میں)۔

(۳) مولانا اسلام الحق کوپاگنجی اعظمی (متوفی ۱۳۹۲ھ) سابق مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل جو بڑے ذی استعداد، یکسو مزاج اور خالص علمی رنگ کے عالم تھے، دیوبند کے زمانۂ قیام میں ملا حسن، میبذی، اور مقدمۂ مسلم کی شرحیں بھی لکھیں، مفتی صاحب نے ان سے اصولِ فقہ میں ''توضیح تلویح'' کا درس لیا۔

(۴) مولانا شریف حسن صاحب دیوبندی (متوفی ۱۳۹۷ھ) (سابق شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل) جن کو جملہ علوم وفنون میں کامل دست گاہ حاصل تھی، طلبہ ان کے درس سے مطمئن ہو کر اٹھتے تھے۔ مفتی صاحب نے مولانا موصوف سے ایک گھنٹے میں (۱) سبعہ معلقہ (۲) دیوانِ حماسہ؛ دونوں کتابیں پڑھیں۔

(۵) مولانا وحید الزماں کیرانویؒ (متوفی ۱۹۹۵ء) عربی ادب میں سند کی حیثیت کے

حامل ہیں، دار العلوم میں عربی ادب کا احیاء اور جدید عربی زبان کی بزم آرائیاں مولانا کی انتھک محنت ہی کی رہینِ منت ہیں، دار العلوم کے واسطہ سے عربی ادب کا جو بھی فیض موجودہ زمانہ میں پہنچا ہے وہ مولانا اور ان کے لائق وفائق شاگردوں ہی کی جد وجہد کا ثمرہ ہے۔ مولانا اعلیٰ درجہ کے ذہین اور نہایت پر جوش تقریر وتحریر کی صلاحیت کے مالک تھے۔ سابق اوراق میں گذرا کہ مفتی صاحب کو عربی ادب سے بہت دلچسپی تھی اور اس سلسلہ میں دار العلوم اشرفیہ سے فراغت کے بعد ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' عربی ادب پڑھنے کے لیے خوب کوشش بھی کی تھی؛ لیکن عربی ادب تمام نہ سہی تو کچھ نہ کچھ دیوبند میں پڑھنے کا موقع مل ہی گیا، مشہور ہے ''جوئندہ یابندہ'' طلبِ صادق ہو تو کبھی نہ کبھی منزلِ مقصود تک رسائی ہو ہی جاتی ہے۔ فنون کے سال میں باقاعدہ گھنٹوں میں عربی ادب پڑھنا مشکل تھا؛ اس لیے بعد المغرب خارج وقت میں مولانا کیرانوی صاحب کی خدمت میں اور طلبہ کے ساتھ حاضری دیتے، مولانا اپنے مخصوص طرز کے مطابق کاپی میں زبانی عربی جملوں کی مشق کرواتے تھے، مولانا کی پر لطف مشق سے عربی ادب سے بہت کچھ مناسبت ہوگئی۔ ما لا يدرك كله لا يترك كله. شاید اسی کا اثر ہے کہ مفتی صاحب نے بعض عربی استفتاء کے جوابات عربی میں تحریر فرمائے۔

(٦) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (متوفی ۱۴۰۳ھ) (مہتمم دار العلوم دیوبند) کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷٦ھ) کے علوم پر کمالِ قدرت حاصل تھی، دار العلوم میں حکیم الاسلامؒ شاہ صاحب کی شہرۂ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے چند ابواب کا درس دیا کرتے، حکیم الاسلام نے یہ کتاب امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی (متوفی ۱۳٦۳ھ) سے پڑھی ہے۔ دار العلوم کے

طلبہ میں سے جن کو اس درس میں شرکت کرنی ہو ان کے لیے ضروری تھا کہ درخواست دیں، جن کی درخواست منظور کی جاتی ان کو درس میں شرکت کی اجازت ہوتی، فنون پڑھنے کے سال میں مفتی صاحب نے حکیم الاسلام کی شاگردیت کا شرف حاصل کرنے کے لیے حجۃ اللہ پڑھنے کی درخواست دی جو قبول کی گئی، حکیم الاسلام کے اسفار پے در پے ہوتے رہتے، جب تشریف فرما ہوتے دن میں ساڑھے گیارہ بارہ کے درمیان ''حجۃ اللہ'' کا درس دیتے جب سفر میں ہوتے تو چھٹی، اس طرح ''حجۃ اللہ'' کے چند صفحات پڑھنے کی سعادت ملی۔

⑦ ایک گھنٹہ ''خوش خطی'' میں تھا، مفتی صاحب تحریر کی نوک پلک درست کرنے کا کام قیامِ دار العلوم اشرفیہ راندیر ہی میں سیکھ چکے تھے، آپ کے فارسی کے استاذ مولانا یوسف بودھانیہ خود ایک خوش خط استاذ تھے، اس کا اثر شاگرد پر پڑنا ظاہر ہے، اشرفیہ کے مہتمم صاحب بھی تحریر کی درستگی پر بہت زور دیتے اور گرفت فرماتے تھے، یہاں تک کہ وہ بہ ذاتِ خود طلباء کی سلیٹ اور کاپیاں منگا کر چیک کرتے، اور غلط املا کی اصلاح کرتے، بالخصوص نام کی درستگی پر بہت ٹوکتے اور خود صحیح نام کے کئی نمونے تحریر فرمادیتے۔

دار العلوم کے کاتب صاحب نے حروفِ تہجی تحریر کروانے میں کئی دن نکال دیے، کاتب صاحب نرم مزاج تھے، حرفِ ''جیم'' تک کاتب صاحب کے پاس سیکھا پھر چھوڑ دیا۔

مفتی صاحب کے قیامِ دار العلوم کے پہلے سال کے اساتذہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے وقت کی بلند پایہ اور گراں مایہ علمی شخصیتوں کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی سعادت حاصل ہوئی، ان میں بعض نابغۂ روزگار شخصیتیں اپنے فن میں امام تھیں، جن کی بعض تصانیف دار العلوم کے نصاب میں داخل ہیں۔

ندوۃ العلماء میں داخلہ مقدر نہ ہونے کی مصلحت بھی سمجھ میں آ گئی کہ اگر وہاں داخلہ ہوتا تو صرف ایک فن ''عربی ادب'' سے حصہ پاتے، لیکن دار العلوم میں ایک ہی سال میں متعدد فن کے ماہرین کے متعدد چشموں سے فیض یاب ہوئے، یعنی علمِ ہیئت، علمِ کلام، اصولِ فقہ، احکامِ شرعیہ کے مصالح و حکمتیں وغیرہ علوم حاصل کئے، مستقبل میں فتاوی نویسی کے دور میں ان ہی علوم کی ضرورت پڑنے والی تھی، فنون کے سال یعنی ۱۳۸۶ھ کے سالانہ امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی۔ کتابوں کے نام اور حاصل کردہ نمبرات حسبِ ذیل ہیں۔

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات	نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	صدرا	۴۸	۸	شرح چغمینی	۴۴
۲	تصریح	۴۵	۹	مسلم الثبوت	۴۷
۳	مسامرہ	۴۸	۱۰	بست باب	۴۵
۴	توضیح تلویح	۴۵	۱۱	شمس بازغہ	۴۷
۵	حماسہ	۴۰	۱۲	سبعہ معلقہ	۴۰
۶	تمرین تقریری	۴۵	۱۳	تمرین تحریری	۴۴
۷	حجۃ اللہ	۴۰	۱۴	خوش خطی	۳۵

بزرگوں کی مجالس میں حاضری

اسلام کے قرنِ اول سے آج تک ہر زمانہ میں اللہ کی مخلوق کی تعلیم و تربیت اور اصلاحِ اعمال و اخلاق کے لیے علما، صلحا اور اہل اللہ کی مجلسیں نسخۂ اکسیر ثابت ہوئی ہیں،

علمائے دیوبند میں بھی مجالس کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب (مجاز حکیم الامت حضرت تھانویؒ) کی مجالس بڑی عالمانہ، پر وقار اور مفید ہوتیں، دار العلوم کے اساتذہ اور طلبا اس میں متعدد سوالات کرتے اور حضرت بے تکلف سبھوں کا تسلی بخش جواب دیتے، یہ مجلس شام کے وقت بعد العصر منعقد ہوتی، مفتی صاحب اس میں اہتمام سے شرکت فرماتے، حکیم الاسلام کے ایک گرامی نامہ میں جو جناب منشی عیسی کاوی والے صاحب کے نام تحریر فرمایا، اس میں خود حکیم الاسلام نے اس کا ذکر فرمایا ہے، منشی صاحب نے اس کا تذکرہ مفتی صاحب کے نام ایک خط میں کیا تھا، وہ یہ ہے:

مکتوب منشی عیسی بھائی صاحب کاوی بنام مفتی صاحب

۸۶ ازکاوی مؤرخہ ۱۷ / مارچ۔ ۵ / ذی الحجہ

مکرمی جناب مولانا احمد صاحب خانپوری زید مجدکم۔!

بعد سلام مسنون! طالبِ خیر بہ خیر ہے، محبت نامہ موصول ہوا، آپ کے امدادی داخلہ سے مسرت ہوئی، حضرت مہتمم صاحب کا گرامی نامہ بھی آپ کے عنایت نامے کے ساتھ ہی ملا تھا، آج ان کی خدمت میں بھی شکریہ کا خط لکھ دیا ہے، ہاں! حضرت مہتمم صاحب کے پہلے خط میں ارشاد تھا کہ ”شام کی مجلس میں مولوی احمد شرکت کرتے ہیں، جو بالکل خالص دینی مذاکرہ پر مشتمل ہوتی ہے“ آپ اس پر عمل فرمائیں، آپ کی علمی ترقی کے لیے مفید ہوگی، امید کہ مزاج سامی بہ خیر ہوں گے، ہاں! محترم جناب مولانا مہتمم صاحب کی خدمت میں بھی سلام پہنچائیں۔ فقط

نیازمند عیسی بھائی

مفتی صاحب کے فنون والے سال حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری (متوفی ۱۳۹۶ھ) کے قیامِ دارالعلوم کا آخری دور چل رہا تھا، گجراتی طلبا حضرت مفتی مہدی حسن صاحب سے زیادہ مانوس تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ مفتی مہدی حسن صاحب کو ان کے استاذ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ (متوفی ۱۳۷۲ھ) نے فراغت کے بعد گجرات کی موقّر درس گاہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر۔سورت بھیج دیا تھا، گجرات میں مدتِ مدیدہ تک افتا اور تدریس کی خدمت انجام دے کر اہلِ گجرات کو اپنے علم وعمل سے گرویدہ کر چکے تھے، حسنِ اتفاق کہ مفتی صاحب بھی اسی ادارہ کے فارغ التحصیل تھے جس میں مفتی مہدی حسن صاحب خدمت انجام دے چکے تھے، اس لیے آپ سے انسیت اور زیادہ ہوگئی تھی، گجراتی طلبا کے ساتھ مفتی صاحب کو بھی ان کی خدمت اور مجالس میں حاضری کی سعادت میسر ہوئی۔

مفتی صاحب کے دارالعلوم میں داخلہ لینے کے سترہ ماہ پہلے ماہِ جمادی الاولی ۱۳۸۵ھ میں فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحبؒ (متوفی ۱۴۱۷ھ) کا کانپور سے دارالعلوم دیوبند میں ورودِ مسعود ہو چکا تھا، مفتی صاحب نے فنون میں داخلہ لیا تھا، حضرت فقیہ الامت صاحب سے اس سال کوئی کتاب پڑھنے کا موقع نہیں ملا اس لیے کوئی خاص شناسائی نہیں ہوئی، ہم وطن گجراتی رفقا کے ساتھ کبھی کبھی حضرت فقیہ الامت کی قیام گاہ (مسجدِ دارالعلوم سے متصل کمرہ ۱۴ جسے عرصہ تک شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ جیسے بزرگ کے قیام کا اعزاز حاصل رہا) میں حاضری کی سعادت ہوتی رہی، اسی حاضری کی برکت کہئے کہ بعد کے سالوں میں فقیہ الامت سے ایسا تعلق ہوا کہ شاید وباید۔

اساتذۂ راندیر سے ربط

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

حضرت مفتی صاحب کی علمی ترقی میں اساتذہ کی توجہ ودعا کا خصوصی دخل ہے، اس کی شہادت، مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے بایں الفاظ دی ہے:

''اپنے اساتذہ بالخصوص مولانا اجمیری صاحبؒ کے منظورِ نظر اور چہیتے شاگردوں میں سے رہے ہیں، حضرت مولاناؒ کی خاص نظر تھی ان پر''۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین ۱/ ۲۳)

قیامِ دیوبند کے زمانہ میں راندیر کے اساتذہ وبزرگوں سے خط وکتابت کا تعلق مسلسل قائم رہا، ان حضرات کو بھی مفتی صاحب کے حالات اور علمی مشاغل سے بزرگانہ وپدرانہ دلچسپی تھی، ان حضرات کے مکتوبات پڑھنے سے ان کی پدرانہ شفقت اور مربیانہ عنایت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اکابرین کے واقعات میں بارہا پڑھا اور سنا تھا کہ اس زمانہ میں شاگردوں کا تعلق اپنے اساتذہ سے محدود ومشروط اور صرف حلقۂ درس تک مقید نہیں ہوتا تھا، ان کا تعلق سعادت منداولاد کا، جانثار خادموں کا سا بھی تھا، خطوط سے اس تعلق کا بھی اندازہ ہوگا۔ اساتذہ کے خطوط میں بطورِ نمونہ چند پیش کئے جاتے ہیں:

مکتوبات حضرت مولانا مفتی عبدالغنی کاوی صاحبؒ

مکتوب نمبر (۱)

حامداً ومصلیاً ومسلماً   ازعبدالغنی کاوی مدرس اشرفیہ راندیر

مکرم مولوی احمد صاحب زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ بندہ بالخیر اور آپ کی خیریت مطلوب، گزشتہ کل بمؤرخہ: ۸/ مارچ ۱۹۶۷ء چہار شنبہ آپ کا کوائف نامہ موصول ہوا، مہتمم صاحب (قاری طیب صاحب) کی بے التفاتی سے قلق ہوا، منشی صاحب کے سفارشی خط کے باوجود بے توجہی! یاللعجب!

فنونات میں اور صفِ عربی میں داخلہ سے مسرت ہوئی، خداوند قدوس آپ کو کامیابی سے نوازے، دولتِ علم سے مالا مال کرے آمین۔ اگر افتا کی مشق کا موقع ملے تو بہتر، اس بہانہ سے کتبِ فقہ نظر سے گذر جائے گی۔ وقت کی قدر کیجئے، سیاح، آوارہ لڑکوں کی رفاقت سے اجتناب کیجئے، آپ سمجھ دار ہیں، عاقل را اشارہ بس است۔ باقی بدستور ہے۔ مولانا اجمیری صاحب ہدیۂ سلام پیش کرتے ہیں۔ فقط

عبد الغنی احمد کاوی مدرسہ اشرفیہ راندیر سورت

مکتوب نمبر (۲)

ازعبد الغنی کاوی مدرسہ اشرفیہ راندیر بمؤرخہ: ۲۳/ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

مکرم مولوی احمد صاحب زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد دعائے ترقی علم وعمل بندہ بحمد اللہ بالخیر ہے، اور آپ کی عافیت مطلوب ہے۔ بمؤرخہ: ۲۷/ اپریل ۶۷ء آپ کا کوائف نامہ صادر ہوا، سہ ماہی کے لیے خوب تیاری کیجئے؛ تاکہ اعلیٰ نمبر حاصل ہوں، اساتذہ کی قابل ضبط باتوں کو تحریر کر لیجئے، تاکہ ہمیشہ کارآمد ہوں۔ مقصد پیشِ نظر ہو، الحاصل آپ کا وقت بے حد قیمتی ہے۔ عاقل را اشارہ بس است۔ حضرت مہتمم صاحب سنا ہے کہ: آج وہاں سے سوار ہوں گے، ہفتہ عشرہ میں

اِن شاء اللہ العزیز پہنچ جائیں گے، بعدہٗ ایک خط آپ ان کے نام خیریت دریافت کرنے کا ارسال کیجئے، ان کے آنے کے بعد ہی امتحان اِن شاء اللہ ہوگا۔ فقط والسلام۔ جملہ اساتذہ کی جانب سے سلام۔

بندہ عبدالغنی کاوی مدرسہ اشرفیہ راندیر

مکتوبات حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحبؒ

مکتوب نمبر (۱)

عزیزم مولوی احمد حفظکم اللہ تعالیٰ الاحد الصمد .

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

گرامی نامہ ملا، یاد فرمائی کا شکریہ، مجھے آپ کا حال معلوم ہوگیا تھا، خیر بہت اچھا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مقدس سرزمین میں پہنچادیا، امید ہے کہ آپ کی نیک طبیعت وہاں کی تاریخی عظمت کو ضرور ملحوظ رکھے گی۔

عموماً محیط ماحول سے کبھی کبھی طبیعت میں کچھ کدورت پیدا ہوجایا کرتی ہے، مگر سمجھ دار شخصیتیں ایسی چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی ہیں، آپ اپنے اصلی مقصد کو ملحوظ رکھئے۔

آپ کے برادر کل تشریف لائے تھے، والدین کو پہونچانے کے لیے آئے تھے، اچھا کیا کہ آپ نے فنون میں شمولیت کی، وہاں کی زندگی تو کچھ مجاہدانہ ضرور ہوگی؛ مگر دراصل زندگی کا یہی رخ نہایت مفید ہوتا ہے۔

سب احباب بخیریت ہیں، سلام عرض کرتے ہیں، دعا فرماتے رہیں۔ حضرت شیخ

رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اگر ممکن ہو تو سلام عرض کریں، اور حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں بھی سلام عرض کریں بشرطِ امکان، دیگر احباب نہ معلوم آپ کے ساتھ کون ہیں۔ فقط

منجانب: رضا اجمیری از راندیر مدرسہ اشرفیہ ۷/۹/۶۷ء

مکتوب نمبر (۲)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والسرور.

سلام مسنون!

الحمد للہ کہ آپ بخیر و عافیت ہیں، یہاں پر بھی بفضلہٖ تعالیٰ خیر و عافیت شامل حال ہے۔ آپ کی یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، سب احباب یاد کرتے ہیں اور دعا کے لیے کہتے ہیں۔ آپ کی خیر خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے، بلا ضرورت خط تحریر کرنا فضول ہے، آپ کے مخلصانہ جذبات مجھے معلوم ہیں، آپ نے تو مجھ پر بڑا احسان فرمایا ہے، اکثر اوقات آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آپ بھی کبھی کبھی دعا میں یاد فرماتے رہیں۔

مولانا آزاد مرحوم کے تحریر کردہ اشعار یاد آتے ہیں ①:

می بینمت عیاں و دعا می فرستمت الخ

آپ کی طبیعت کی حالت آپ نے تحریر نہیں فرمائی، نہ معلوم اب وہ عارضہ ہے یا نہیں؟

---

① امام الہند مولانا ابو الکلام آزادؒ اور صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کے خطوط کا مجموعہ ''کاروانِ خیال'' کے نام سے چھپا ہے، اس میں ایک دوسرے کی یاد پر محبت بھرے اشعار مرقوم ہیں ان میں مولانا آزادؒ کا ایک شعر ہے:

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین	دل می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

ترجمہ: اے نظر سے غائب جو دل کا ہم نشین ہو چکا ہے۔ میں تجھے بالمشافہ دیکھتا ہوں اور تجھے دعا دیتا ہوں۔

(کاروان خیال ص: ۱۲۳)

اللہ تعالیٰ اس کو دفع فرمائے۔ رشید احمد کے لیے دعا فرماتے رہیں وہ بھی سلام عرض کررہے ہیں، ۱۵/ اپریل ۱۹۶۷ء آپریشن آنکھ کا ایک سال پورا ہوگیا۔ نہ معلوم آپ کونسے درجے میں شامل ہوگئے ہیں، استفادہ کا اچھا موقع ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، یہاں کے متعلق کوئی کام ہو تو ضرور تحریر کریں۔

منجانب: محمد رضا اجمیری ۲۰/ اپریل ۶۷ء ۹/ محرم ۸۷ھ جمعرات

مکتوب نمبر (۳)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والبرکۃ والسرور.

سلام مسنون! مؤمن کا بہترین تحفہ ہے۔

التفات نامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ، میں بھی جویانِ احوال تھا اور سوچتا تھا کہ طبیعت کا کیا حال ہوگا، والا نامہ سے اطمینان وسکون حاصل ہوا، الحمد للہ! یہاں پر بھی سب احباب بخیر وعافیت ہیں، سلام عرض کرتے ہیں اور دعا کے لیے خواہشمند ہیں، طلبا نے دورہ بھی یاد کرتے ہیں۔ مولانا عبد الغنی صاحب، حکیم صاحب، مولانا سعید وغیرہ حضرات بخیر ہیں، سلام عرض کرتے ہیں، یہاں پر بھی بارش کا سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ چالو ہے، لوگ خوشحال ہیں، گزشتہ سال جہاں جہاں پانی کی وجہ سے پریشانیاں تھیں وہاں پر بھی بفضلہٖ تعالیٰ خوب خوب بارش ہوئی۔ فلہ الشکر والحمد۔ اے غائب از نظر ① الخ کا مطالعہ فرمالیجئے، دعاء فرماتے رہیں، کہ اللہ تعالیٰ آلائشاتِ دنیا سے محفوظ رکھے۔ احباب کو سلام عرض کریں فقط۔ عجیب! آپ کو خط لکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کا کارڈ جوابی تھا۔

---

① صفحہ ۱۴۰ پر جو شعر گزرا اس کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب نمبر (۴)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والسرور.

سلام مسنون کے بعد!

امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا، آج آپ کا یہ کارڈ سامنے آگیا جس نے آپ کی یاد تازہ کردی، بفضلہٖ تعالیٰ یہاں پر سب خیر وعافیت ہے، اللہ تعالیٰ آں جناب کو بھی مع الاحباب بخیر وعافیت رکھے، امسال خلافِ عادت نہایت شدید بخار کا حملہ ہوا تھا طبیعت نہایت کمزور ہوگئی تھی، ابھی کچھ اثر ہے، الحمد للہ اب ٹھیک ہوں، نہ معلوم آپ کی کیا حالت ہے، ہو سکے تو معلومات سے نوازیں، بیماری میں آپ یاد آجاتے ہیں کیوں کہ آپ بیماری کے رفیقِ شفیق ہیں، سب احباب بخیریت ہیں، سلام عرض کرتے ہیں، مولوی حمید صاحب افریقہ تشریف لے جارہے ہیں، اسی ہفتہ میں چلے جائیں گے، احباب کو سلام عرض کریں۔ فقط

منجانب: محمد رضا اجمیری از مدرسہ راندیر ۸ / اکتوبر ۶۷ء

مکتوب نمبر (۵)

عزیزم مولوی احمد صاحب دمتم بالخیر والکرامۃ!

سلام مسنون کے بعد!

نوازش نامہ موصول ہوکر مسرت افزائے خاطر فاتر ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، یہاں پر چھٹی ہوگئی ہے، جلسے بھی ہوگئے ہیں، حضرت قاری صاحب تشریف لائے تھے، معلوم ہوا ہوگا، اللہ تعالیٰ حقیقی اور مجازی دونوں امتحانوں میں کامیاب رکھے اور خوب کامیاب رکھے، قیام فرمانے کا ارادہ بھی بہت ہی مبارک ہے، حضرت شیخ زکریا کی خدمت میں رہئے، ایسا موقع پھر بار بار کہاں میسر ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ موقع دیا ہے،

اس کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے، مجھے بھی دعاؤں میں شامل فرماتے رہیں۔

مولوی ابراہیم آچھودی صاحب کو سلام عرض کریں، نہ معلوم ان کا کیا ارادہ ہے، وہ تو "المنهومان لا يشبعان" میں سے ہیں، دعا کرتا ہوں، حکیم دیولوی صاحب کو بھی سلام پہونچادیں۔ اب بفضلہ تعالیٰ طبیعت اچھی ہے، نہ معلوم آپ کا کیا حال ہے، یہاں پر کچھ معمولی سی سردی محسوس ہورہی ہے۔ رشید احمد سلام عرض کرتے ہیں اور یاد کرتے ہیں، دیگر احباب کو بھی سلام عرض کریں۔ فقط

منجانب: محمد رضا اجمیری از راندیر اشرفیہ ۱۷/ نومبر ۶۷ء ۱۴/ شعبان ۸۷ھ

مکتوب نمبر (۶)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والبرکۃ

سلام مسنون کے بعد!

آج عنایت نامہ عنبر شامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، آنے جانے والوں سے احوال معلوم ہوتے رہتے ہیں، مکتوب بھیج کر مزید وقت لینا مناسب نہیں سمجھتا ہوں، کیوں کہ جس مقصد کے لیے آپ نے سب کچھ چھوڑ دیا ہے، اس میں اتنی خلل اندازی بھی ایک جرمِ عظیم ہے، جس کا ارتکاب ناگوار سمجھتا ہوں۔

بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت شیخ زکریا دامت برکاتہم سے تعلق جوڑ دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک لائن سے اتصال ہوگیا، اللہ تعالیٰ اس نورانی خزانہ کے انوار سے قلب وروح کو روشن فرمائے، اور ظلماتِ نفسانی سے؛ نیز کدوراتِ شیطانی سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، اس مستغرق فی الغفلت کو بھی کبھی کبھی دعا میں یاد فرماتے رہیں۔

آپ کے برادر منشی ابراہیم صاحب کا بھی کبھی کبھی خط مل جاتا ہے، ان ہی کے خط سے

معلوم ہوگیا تھا کہ آپ سہارنپور تشریف لے گئے تھے۔ اور سب خیر وعافیت شاملِ حال ہے، سب احباب سلام عرض کرتے ہیں، سیلاب کے احوال سے تو آپ کو واقفیت ہوگئی ہوگی۔

مولانا عبدالرحیم صادق صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے۔ رشید احمد بخیریت ہے، سلام عرض کرتا ہے۔

مکتوبات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ

مکتوب نمبر (۱)

از راندیر ضلع سورت

عزیزم مولوی احمد خانپوری وحکیم صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ!

بعد سلام مسنون! خط مشترک موصول ہوا، خیریت معلوم ہو کے خوشی ہوئی اور داخلہ کی اطلاع نے مزید مسرت پیدا کردی، حق تعالیٰ مبارک کرے اور دینی اور دنیوی مقاصد پورے فرمائے آمین۔

طبیعت ٹھیک ہو رہی ہے، انجکشن چار لگے، دس کا کورس ہے، کچھ ہمت وطاقت آتی نظر آرہی ہے، فالحمدللہ.

سامرودی نے "مجاہد" کا فتوی غیر مقلد کے عقائد کے بارے میں دیکھا تو غضبناک ہوکر اشتہار نکالا ہے، خوب بکواس کیا ہے، جواب کا سلسلہ شروع کرنا ہے، حق تعالیٰ ہمت عطا فرمائے، آمین۔ ایک بات کی تحقیق مطلوب ہے، کتاب دیکھنے کی ہمت نہیں ہے، ہو سکے تو خود مفتی محمود حسن صاحب سے معلوم کرلینا۔

زید کی وفات ہوئی، وارثوں میں صرف بیوی ہے، اور دادی کا بھتیجا ہے تو یہ بھتیجا

رشتے میں زید کا کیا ہوگا، میرا خیال ہے کہ نہ تو عصبات میں سے ہے، نہ ذوی الارحام میں سے۔ کیا یہ صحیح خیال ہے؟ مکمل تحقیق کر کے لکھئے گا، اپنا پتہ بھی لکھئے گا، حکیم صاحب راندیر تشریف لائے اور ملاقات نہ ہوسکی، اس کا افسوس مجھ کو بھی ہے۔ فقط والسلام

مولوی ولی سلام عرض کرتے ہیں، دونوں وقت آتے ہیں، مولوی دیوان لاجپوری جامعہ سے فارغ ہوئے ہیں، حافظ ہونے کے لیے راندیر وہ بھی آتے ہیں۔

سید عبدالرحیم

مکتوب نمبر (۲)

از راندیر، ضلع: سورت

بعد سلام مسنون! عافیت طرفین مطلوب۔

محبت نامے نے شاد کیا، مؤرخہ: ۳ کو بچوں کے ساتھ بمبئی پہونچا تھا، خسر صاحب مظفری میں تشریف لائے، مظفری بجائے ۴ / اپریل چھ کو آیا، اس لیے شنبہ کو ہم نوساری آئے، اور اتوار ٹھہر کر شبِ دوشنبہ کو راندیر پہنچا، بچے نوساری میں ہیں، ان کے نانا بمبئی میں بیمار ہو گئے، اتوار تک آئیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

آپ کی یاد ہمیشہ رہتی ہے، اس لیے خواب کا قصہ تعجب خیز نہیں، مولوی ولی سلمہ چند روز سے نزلہ حرارت میں مبتلا ہیں، ''مجاہد'' دیکھتے ہوں گے؟ سامرودی کا اشتہار نکلا تھا، اس کا جواب شروع کیا ہے چوتھی قسط چھپنے گئی ہے، تمام اعتراضات کا جواب دینے کا عزم کر لیا ہے، حق تعالیٰ ہمت، صلاحیت، توفیق، صحت عطا فرمائیں اور مدد شاملِ حال رہے دعا کیجئے گا۔

سنا کہ مولوی ابراہیم آچھودی صاحب، حضرت شاہ صاحبؒ کا فارسی رسالہ لائے ہیں، اگر مل جائے تو بھیج دیجئے گا، ''انوار الباری'' کا سلسلہ کیوں رکا ہوا ہے، چھپ گیا ہو تو ضرور بھیجئے گا، گرمی شدت کی ہے، دہلی سے کل ہی خط ملا ہے، دو ہفتہ کے بعد کتابت کا

کام شروع ہوگا مسلسل جاری رہے گا، طباعت لیھتو پر ہونا طے پایا ہے، دہلی جانا ہوتو حضرت مولانا سے ضرور ملیں الخ۔

مکتوب نمبر (۳)

عزیزانِ من سلمکم اللہ وعافاکم

بعد سلام مسنون! بندہ خیریت سے ہے، حضرت والد صاحب بھی خیریت سے ہیں، ناقلینِ فتاوی آتے ہیں اور بڑی دلچسپی سے کام کرتے ہیں جتنا بھی ان کا شکریہ ادا کیا جائے کم ہوگا۔

آپ لوگوں کی عنایات کی وجہ سے کام میں قوت پیدا ہوجاتی ہے، ورنہ بندہ کا حال تو سب کو معلوم ہی ہے، مولوی احمد آچھودی اور مولوی عمر جی صاحبان کی دعوت پر کل بمعیت مولانا اجمیری صاحب ومولوی سعید راندیری صاحب بہ ذریعۂ ٹیکسی آچھود اور آمود ہوآیا، صبح ۹ بجے گئے تھے، رات ۸ ربجے واپس آئے، کھانا آچھود میں کھایا، پھر آمود کریا مسجد میں جمعہ ادا کیا، خطبہ اور نماز میرے ذمہ تھی، بعد میں دونوں حضرات کی تقریر ہوئی اور بندہ نے طلبا کو قرآن پڑھا کر مدرسہ کی ابتدا کردی، منشی عیسیٰ بھائی وغیرہ دور دور کے حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں، دہلی سے لکھا ہے کہ: تمام کاپیاں پریس میں جاچکی ہیں، مگر پروف نہیں ملتے۔ فقط والسلام

سید عبد الرحیم غفرلہ

مکتوب نمبر (۴)

عزیزی سلمہ!

بعد سلام مسنون! آج آپ کا خط ملا، دو روز قبل کتاب ملی۔ جزاکم اللہ. آج

بھائی ابراہیم کا خط ملا اور کل مولوی سید سجاد نے خبر سنائی کہ خانپور میں آپ کے والدِ بزرگ وار دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ماشاء اللہ کان وما لایشاء لایکون. حق تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت کرے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور قبر کو نور سے مملوء فرمائے، اور قبر پر بارانِ رحمت کا نزول ہوتا رہے، آمین بجاہ سید المرسلین اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرماوے۔

فردوس اعلیٰ بود جائے او	بہشت بریں باد ماوائے او

عزیزم:

ہر آنچہ زاد بناچار باید نوشید	از جام دہر مئی کل من علیھا فان
اصبر لکل مصیبة وتجلد	واعلم بان المرأ غیر مخلد
اذا ذکرت مصیبةً تسلو بها	فاذکر مصابك بالنبی محمد

عزیزی! یہ دار فانی ہے، کسی کو بقا نہیں، کسی نے کیا خوب فرمایا ہے:

رأیت الدهر مختلفا یدور	فلاحزن یدوم ولا سرور
وقد بنت الملوك ولها قصور	فلم یبق الملوك ولاقصور

عزیزی! یہ مقام بڑا نازک ہے، بجز صبر کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

عرفی! اگر بگریہ میسر شدے وصال	صد سالہ می تواں بتمنا گریستن

بہر حال! والد صاحب کو دنیا چھوڑنی تھی، ہم سے ان کو جدا ہونا تھا اور ہم کو ان سے جدا ہونا لکھا تھا۔

لو کانت الدنیا تدوم لواحد	لکان رسول اللہ فیها مخلدا

خدا نے ایمان کی دولت سے نوازا، حج نصیب کیا، اولاد میں آپ کو عالم بنا کر

صدقۂ جاریہ کی صورت کرلی، وفات کے لیے یومِ جمعہ نصیب کیا، ان امور کو سامنے رکھئے تو حق تعالیٰ سے امید ہے کہ صبرِ جمیل کی دولت سے نوازے جاؤ گے۔

لا تقل فیما جری کیف جری	کل شيء بقضـــاء وقـــدر

مرحوم نے اچھا مقام حاصل کرلیا۔ ''الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب''۔ اس لیے فرمایا گیا: ''تحفة المؤمن الموت'' خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور جمیع متعلقین کو بھی۔ ادعو الله تعالیٰ ان یفرغ علی قلوبکم صبراً جمیلاً وعلی من فقدتم اجراً جزیلاً بلطفه ورحمته آمین فقط والسلام

دعا گو و دعا جو شریکِ غم بندہ! سید عبد الرحیم لاجپوری غفرلہ

عزیزم مولوی ولی سلمہ کو سلام کہیے، کل میں نے ان کو خط لکھا ہے۔

مکتوب حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

برادر عزیز! اعظم الله اجرك

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

والد صاحب کے انتقال پر ملال پر خیال تھا کہ آپ مکان آئیں گے؛ اس لیے تعزیت نامہ مکان کے پتہ پر لکھنے کا ارادہ تھا، اس خیال میں رہا کہ آپ کی آمد کی اطلاع ملے تو لکھوں، مگر کل گزشتہ حکیم احمد دیولوی جامعہ کے ختمِ بخاری میں تشریف لائے تھے، جن سے معلوم ہوا کہ آپ نہ آئیں گے، اس لیے اب دیوبند ہی کے پتہ پر لکھ رہا ہوں۔

برادرم! یہ دنیا دار الارتحال ہے، ہر شخص دار القرار کی طرف رواں، دواں ہے، نہ کوئی کسی کو روک سکتا ہے، نہ جانے کے بعد واپس لا سکتا ہے۔

عرفی! اگر بگریہ میسر شدے وصال	صد سال می تواں بتمنا گریستن

اللہ پاک حی وقیوم لایزال کے لیے ہی بقا ہے، باقی بندوں کے لیے فنا امرِ تقدیری ہے، تاہم حزن ضرور ہوتا ہے، اور اسی پر اللہ پاک نے صلات وانعامات کا وعدہ فرمایا ہے، امید کہ آپ نے ضرور صبر واصطبار سے اس موقع پر خوب خوب ثواب حاصل کیا ہوگا۔ اور مجھے طبعی طور پر اس لیے زیادہ صدمہ ہوا کہ اس کی زد زیادہ آپ پر آئی؛ کیوں کہ دوسرے بھائی بڑے ہو گئے، صرف آپ ہی بے بال و پر ہیں، لیکن یہ خیال کریں کہ والدہ محترمہ بقید حیات ہیں تو یہ سب سے بڑی نعمت ہے اور کسی درجہ میں والد ماجدؒ کی عدم موجودگی کی تلافی فرمادیں گی۔

میں نے ایصال ثواب کیا بھی اور آئندہ بھی کروں گا، آپ کو بھی اس طرف خاص توجہ رکھنی چاہیے، کیوں کہ اموات کو احیا سے اسی کی آس رہتی ہے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وسکنہ فی الجنۃ.

میں یکم نومبر کو گھر کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ مدرسہ کا جلسہ ۳۱/ ۱۰/ ۶۸ کو ہے، رمضان میں گھر ہی رہوں گا، بعد رمضان ممکن ہوا تو اس طرف آؤں گا۔

میرے گھر کا پتہ یہ ہے: سعید احمد پالن پوری بنگلہ والے، مقام: ڈبھاڈ، پوسٹ: جونی سیندھنی، وایا: کھیرالو، ضلع: مہسانہ (شمالی گجرات)۔ والسلام

سعید احمد عفا عنہ پالن پوری ۲۱/ ۰۱/ ۶۸ء

سالِ دوم افتا

گذشتہ سال فنون میں داخلہ لے لیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی، فنون کی کتابوں میں معیاری نمبرات حاصل کرنے کی وجہ سے حوصلہ بڑھا، دوسرے سال یعنی شوال ۱۳۸۷ھ کا آغاز ہوا تو شوقِ افتا پیدا ہوا، بڑی امیدوں کے ساتھ افتا کے لیے درخواست لکھی جس

کا مضمون پڑھ کر افتا میں داخلہ کے شوق وولولہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

افتا کے لیے درخواست

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام واجب الاحترام استاذ نا المکرم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تحیہ مسنونہ!

عرض معروض ایں کہ احقر نے دار الافتاء کے لیے درخواست دی تھی؛ مگر وہ مسترد کردی گئی ہے، میں گھر سے اسی امید پر روانہ ہوا تھا کہ میرا داخلہ ضرور ہوگا؛ اس لیے میں نے پارسال یہاں پر تکمیلِ فنون کی ہے، اور تمام کتابوں میں سالانہ امتحان میں اچھے نمبرات سے کامیابی بھی حاصل کی ہے، اور داخلۂ امتحان دورۂ حدیث کا دیا ہے، اور اس میں بھی کامیاب ہوا ہوں۔ چناں چہ ان وجوہ کی بنا پر اور اسی امید پر اپنے وطن گجرات سے دار العلوم آیا، حالاں کہ وہاں ایک عربی مؤقر درس گاہ میں بحیثیت مدرس تقرر ہو چکا تھا؛ مگر میں نے اسی وجہ سے انکار بھی کردیا؛ لیکن یہاں پر کل جب انتخاب ہوا تو معلوم ہوا کہ چوں کہ میں نے دورۂ حدیث یہاں نہیں پڑھا ہے اس لیے میری درخواست مسترد کردی گئی۔

تو اب میری حضرت والا سے اتنی گذارش ہے کہ میں جب اتنی ساری امیدیں لے کر آیا ہوں تو مجھے محروم نہ کیا جائے، اور اس میں داخلہ کا موقع دیا جائے، میں اپنا بوجھ مدرسہ پر ڈالنا نہیں چاہتا، بلکہ میں خود اپنا کفیل ہوں گا۔

امید ہے کہ آپ اپنے دورِ صدارت میں ایک طالبِ حقیقی کو محروم نہ فرمائیں گے۔

رہا وہ قانون کہ دورۂ حدیث دار العلوم میں پڑھنا ضروری ہے تو اس کو امدادی داخلہ والوں کے لیے محدود رکھا جاسکتا ہے۔ اتنی گزارش کر کے مجھے امید قوی ہے کہ یہاں سے تشنہ نہ لوٹوں گا۔ ع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ فقط والسلام

سراپا امید: احمد گجراتی

حضرت فقیہ الامت کا قربِ خاص

بالآخر باقاعدہ افتا میں داخلہ نہ ہوا، مگر حضرت فقیہ الامت کی توجہ کام کر گئی کہ حضرت کی زیرِ نگرانی افتا مکمل کرنے اور فتاوی کی مشق کا موقع مل گیا؛ بلکہ حضرت نے خصوصی عنایت فرماتے ہوئے اپنی خدمت (مطبخ سے حضرت کی قیام گاہ پر کھانا لانا، حضرت کی خدمت میں آنے والے مہمانوں کی خدمت اور ان کی دیکھ بھال، کمرہ کی صفائی وغیرہ وغیرہ) کے لیے بھی قبول فرما لیا۔ باجود باضابطہ داخلہ نہ ہونے کے دار الافتا کھولنے اور درس گاہ کی صفائی وغیرہ کرنے میں پیش پیش رہتے۔ اس طرح قیامِ دار العلوم کے دوسرے سال حضرت کا قرب اور مسلسل حاضر باشی کی سعادت میسر آئی۔

افتا کے اساتذہ

(۱) فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (متوفی ۱۴۱۷ھ)

اپنے دور میں اکابر و اسلاف اور علمائے متقدمین کی جیتی جاگتی تصویر تھے، علمی تبحر، قوّتِ حافظہ، کثرتِ عبادت، اصابتِ رائے اور مکارمِ اخلاق میں خود ہی اپنی نظیر تھے۔

۱۳۸۵ھ جمادی الاولی میں مفتیٔ دار العلوم کی حیثیت سے آپ نے دار العلوم دیو بند میں مستقل قیام فرمایا، ۳۲ رسال دار العلوم سے وابستہ رہے، آپ کے شاگردانِ رشید

ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں، حضرت کے انتقال کے موقع پر تعزیتی اجلاس میں مفتی صاحب نے فرمایا تھا: ''آج اکثر مدارس میں فقہ وفتاوی سے منسلک افراد حضرت کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں''۔

افتا کے سال مفتی صاحب نے حضرت فقیہ الامت سے درساً دو کتابیں پڑھیں:

(۱) شرح عقود رسم المفتي مکمل (۲) الأشباہ والنظائر (الفن الأول)

حضرتؒ کا معمول درس میں لمبی تقریر کا نہ تھا بلکہ صرف حل کتاب کی حد تک گفتگو فرماتے تھے؛ البتہ مشق فتاوی میں خوب رگڑائی کرتے، کبھی آئے ہوئے استفتا سے سوالات لکھوا دیتے، اور کبھی خود ہی زبانی سوال لکھوا دیتے، مفتی صاحب جواب تحریر کر کے حضرت کو سنا دیتے۔ تحقیق طلب مسائل میں حضرتؒ کا معمول یہ تھا کہ جواب پر کچھ اشکالات کر کے مسئلہ کے خفیہ گوشوں اور متعدد احتمالات کی طرف متوجہ فرماتے اور خود کوئی حتمی جواب نہ دیتے تھے، تاکہ اپنے اعتماد پر پورے مطالعہ کے بعد طالبِ علم کوئی رائے قائم کر سکے۔ کسی مسئلہ میں براہِ راست قرآن وحدیث سے استدلال کو پسند نہ فرماتے، اگر ایسا کوئی کرتا تو نصیحت فرماتے کہ: ''ہمیشہ جزئیہ فقہی کتابوں سے تلاش کرنا چاہیے'' اس لیے کہ قرآن وحدیث کے معانی ومطالب تک ہم اپنی سطحی نظر سے نہیں پہنچ سکتے۔ فقہی مہارت کے لیے حضرتؒ شامی اور بدائع الصنائع کے مطالعہ کا مشورہ دیتے تھے۔

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحبؒ (متوفی ۱۴۲۰ھ)

۳۵/ سال دار العلوم دیوبند کے دار الافتا کی مسندِ صدارت پر فائز رہے۔ ان کے فتاوی گراں قدر علمی، تحقیقی اور قیمتی ہیں۔ مفتی صاحب نے افتا کے سال آپ سے

فنِ فرائض کی مشہور کتاب ''سراجی'' درساً پڑھی۔ اس سے پہلے دار العلوم اشرفیہ راندیر کے قیام میں مفتی صاحب سراجی پڑھ چکے تھے، اس وقت فنِ فرائض میں مہارتِ تامہ حاصل کر چکے تھے، فنِ فرائض پڑھنے کے لیے حساب سے واقفیت نہایت ہی ضروری ہے، مفتی صاحب حساب میں بھی خوب پختہ ہیں، ایک مرتبہ فرمایا ''پڑھنے کے زمانہ میں استاذ سراجی کی مثال پوری کرے اس سے پہلے اس کا جواب لکھ لیتا تھا''۔ آپ فنِ فرائض میں مہارت کی بناء پر حضرت مفتی نظام الدین کے دل میں جگہ کر چکے تھے، وہ استفتا کے لمبے لمبے مناسخے مشق کرنے کے لیے آپ کے حوالہ کر دیتے، تمام بطون بالترتیب کاپی میں مشق کرنے کے بعد مفتی نظام الدین کو بتلا دیتے، پھر اصل استفتاء میں نقل کر دیے جاتے۔ مفتی صاحب کے فر فر مناسخے تیار کر دینے کی وجہ سے حضرت مفتی نظام الدین صاحب کی خصوصی توجہ وشفقت منعطف ہونے لگی، اور ان کو احساس ہوا کہ ان کا داخلہ دار الافتاء میں ہونا چاہیے تھا، مگر داخلہ کا دار ومدار حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ (متوفی ۱۴۱۲ھ) پر تھا جو اصول پسند نائب مہتمم تھے۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحب اور حضرت مولانا معراج الحق صاحب بعد عصر مزارِ قاسمی کی طرف ٹہلنے تشریف لے جاتے تھے، ایک روز مفتی نظام الدین صاحب نے داخلہ کے سلسلہ میں از خود پیش رفت فرمائی؛ مگر وہ بات آئی گئی ہوگئی۔

شیخین سے تعلقِ بیعت وتربیت

افتا کے سال فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب سے مفتی صاحب کا جو رشتہ قائم ہوا در حقیقت مفتی صاحب کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز تھا، اس سال فقیہ الامتؒ

کی معیت میں اسفار کی بھی سعادت حاصل ہوتی رہی، ہر ہفتہ جب فقیہ الامت سہارنپور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں تشریف لے جاتے تو ایک جمعہ کے ناغہ سے مفتی صاحب کو بھی ساتھ لے جاتے، اور حضرت ہی نے مفتی صاحب کو ایک دن حضرت شیخ الحدیثؒ سے عرض کر کے بیعت کرا دیا، اور چند ہی دن بعد ذکر بھی شروع کروایا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے خود فقیہ الامتؒ سے مفتی صاحب کے متعلق فرمایا کہ ''یہ تو آپ کا ہی ہے، آپ اس پر توجہ فرمائیں''۔ درمیان میں جب ذکر جہری شروع کروایا تھا تو مفتی صاحب کو آٹھ روز کے لیے سہارن پور حضرت شیخ الحدیثؒ کی بابرکت صحبت وتوجہ حاصل کرنے کے لیے قیام کا حکم فرمایا، اس سال رمضان المبارک حضرت شیخ کے ہاں دارِ جدید کی مسجد میں گزارا، اس سال کے بعد حضرت مفتی صاحب کو شیخ کے قیامِ ہندوستان کے اکثر رمضان ۱۳۹۰ھ تا ۱۳۹۹ھ حضرت شیخ کی خدمت میں گزارنے کی سعادت حاصل رہی۔

مفتی صاحب نے دار العلوم اشرفیہ کے زمانۂ طالبِ علمی میں جب آپ عربی سوم کے طالبِ علم تھے حضرت شیخ سے مراسلت شروع کی تھی جو ۱۴۰۲ھ یعنی حضرت شیخ کی وفات تک قائم رہی۔ حضرت شیخ کے چوبیس گرامی نامے مفتی صاحب کے نام مطبوعہ ہیں جو ''مکتوباتِ فقیہ الامت قسطِ رابع'' کے مقدمہ میں (ص ۸۰ تا ۱۰۹) درج کئے گئے ہیں۔

تفصیلِ بالا سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کی اصلاح وتربیت کا آغاز اپنے وقت کے شیخین (مراد شیخ الحدیث صاحب اور حضرت فقیہ الامت صاحب نوّر اللہ مرقدہما) کے زیرِ سایہ ہوا۔

حضرت فقیہ الامت رحؒ سے مثالی تعلق

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے مفتی صاحب کو فقیہ الامت کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ''یہ تو آپ کا ہی ہے آپ اس پر توجہ فرمائیں'' بعد کے دور میں مفتی صاحب پر فقیہ الامت رحؒ کی کیسی توجہ ہوئی اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں، فقیہ الامت رحؒ سے اصلاح وتربیت کا تعلق افتا کے سال قائم ہوا تھا یہ بہت گہرا، ولولہ انگیز اور مستحکم تھا، جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کے بعد مفتی صاحب کی باقی زندگی در حقیقت اسی تعلق کی تفسیر اور ربطِ مسلسل کی داستان ہے۔ حضرت فقیہ الامت کی صحبت وتربیت وہ کیمیا تھی جس نے اس جوہر خاص کو نکھار عطا فرمایا اور سونے کو کندن بنا دیا، حضرت شیخ الحدیث کے وصال کے بعد کوئی رمضان ایسا نہ تھا جس میں مفتی صاحب کی حاضری نہ ہو، زندگی کا کوئی ورق ایسا نہ تھا جس میں خانقاہِ محمودیہ کی چھاپ موجود نہ ہو، کوئی دل چسپی ایسی نہ تھی جس میں مرشد کا مشورہ شامل نہ ہو، کوئی مصروفیت ایسی نہ تھی جو شیخ کے مذاق ومزاج میں ڈھلی ہوئی نہ ہو، شادی کی مسرت ہو یا ولادت کا مژدہ ہو، ہر حال میں مرشد سے گہرا رابطہ قائم تھا، تدریس کے سلسلہ کی الجھنیں ہوں یا فقہ وفتاوی کی گھتیاں، خانگی الجھنیں ہوں یا جامعہ ڈابھیل سے متعلق پیچیدگیاں، عزیز واقارب کی مہربانیاں ہوں یا حاسدوں کی ریشہ دوانیاں، غم کا موقع ہو یا خوشی کا، باطنی احوال ہوں یا ظاہر کی عبادتیں، آخر شب کی خلوتیں ہوں یا دن کی جلوتیں غرض ہر چیز میں فقیہ الامت کا منشاء ملحوظ رکھا جاتا۔ چناں چہ جب تدریسی زمانے میں آپ کی شادی خانہ آبادی کا موقع آیا تب بھی آپ نے حضرت فقیہ الامت رحؒ کو یاد فرمایا اور ان کی بھرپور شفقتیں حاصل کیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

نکاح اور حضرت فقیہ الامتؒ کو دعوت

اول حضرت مفتی صاحب کے نکاح کی تاریخ ۲۰ سے ۲۲/ اکتوبر ۱۹۷۰ء بہ مطابق ۱۸ سے ۲۰/ شعبان ۱۳۹۰ھ طے پائی تھی، جس میں آپ نے حضرت فقیہ الامتؒ کو شرکت کی دعوت بھی دی اور اس مقصد کے لیے دو ماہ قبل ہی خط بھی ارسال فرمادیا۔ جس پر حضرت فقیہ الامتؒ نے حاضری کا ارادہ بھی کرلیا، لیکن کسی وجہ سے نکاح ملتوی ہوگیا۔ اس کے بعد جب مکرر دعوتِ شرکتِ نکاح دی تو ارشاد ہوا کہ ’’شادی مبارک ہو! خدائے پاک اس سنت کو مطابقِ سنت ادا کرائے، اور خوش گوار زندگی دے، سالِ گزشتہ مدرسے کی جلسے کی شرکت کے لیے جانا ہوا تھا اور شادی کی شرکت کا تذکرہ آیا تھا، تو شادی ملتوی ہوگئی تھی، المومن لا یلدغ من جحر واحد مرتین [مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا]۔ آئندہ شرکت کا نام بھی نہ لیں‘‘۔

اسے پڑھ کر آپ کا دل بیٹھ گیا اور آپ نے یہ کیفیت حضرت فقیہ الامتؒ کو لکھی تو ارشاد ہوا کہ ’’گذشتہ سال مجھے شریک کرنے کا نتیجہ دیکھ لیا کہ بات سال بھر پیچھے ہٹ گئی، اس لیے میں نے لکھا تھا، آپ کو تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہیے‘‘۔ (مکتوبات فقیہ الامت ۴/ ۱۵۸)

مژدۂ تولد پر پانچ عینیہ دعا

حضرت مفتی صاحب ہر خوشی غمی کا تذکرہ حضرت فقیہ الامتؒ سے کیا کرتے تھے، پھر کیسے ممکن تھا کہ اولاد کی نعمت میسر آنے پر محبوب شیخ سے دعاؤں کی درخواست نہ کرتے، چناں چہ جب شبِ یوم چہارشنبہ مورخہ ۱۲/ ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ، مطابق ۱۶/ مئی ۱۹۷۳ء کو برادرم مفتی اسعد صاحب زید مجدہ تولد ہوئے اور یہ خبر حضرت فقیہ الامتؒ کو دیتے ہوئے

نام تجویز کرنے کی درخواست کی تو والا نامہ صادر ہو، ''مژدہ تولد ولد موجب صد مسرت وابتہاج ہوا، خدائے پاک عمر دے، علم دے، عمل دے، عافیت، عزت دے۔ مشورہ کرلیں اسعد وارشد میں جو پسند ہو نام تجویز کردیں''۔ (دیکھیے مکتوبات فقیہ الامت ۱۷۸/۴)

حضرت مفتی صاحب اپنے شیخ کی ہر ہر قول وفعل کے شیدائی تھے، آپ نے نہ صرف ان میں سے ایک نام پسند کیا، بلکہ پہلے صاحب زادے کا ''اسعد'' اور دوسرے کا ''ارشد'' رکھ دیا۔

انتہائی قابلِ رشک واقعہ

پھر مرشد ومسترشد کے اس تعلق نے کیسے کیسے عجیب منظر دکھائے، اسے سوچ کر بھی حیرت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لیے محض ایک واقعہ ملاحظہ ہو کہ ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب کی بیماری (ایکسڈنٹ کی وجہ سے پیر میں چوٹ آئی تھی) کے دوران حضرت فقیہ الامتؒ بذات خود عیادت کے لیے تشریف لائے، حالاں کہ اس وقت آپؒ متعدد امراض سے دوچار تھے اور انتہائی ضعف وبڑھاپے کی منزلوں سے گذر رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کا دولت کدہ جامعہ کے نزدیک واقع بلڈنگ کی پہلی منزل پر واقع تھا، جس کے لیے ۲۷ زینے چڑھنے پڑتے تھے۔ اس لیے حضرت مفتی صاحب کی دلی خواہش یہی تھی کہ میری خاطر حضرتؒ اتنی تکلیف گوارہ نہ کریں، مگر حضرت کے دل میں اپنے مخلص ومحب کی جو قدر تھی اس کے پیش نظر بالمشافہہ عیادت کے بغیر چارہ نہ تھا، بالآخر آسماں نے وہ نظارہ بھی دیکھا کہ حضرتؒ کے ضعیف جسم کو متعدد حضرات پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ لیے جاتے تھے اور آپؒ یوں ہانپتے کانپتے حضرت مفتی صاحب کے مکان پر پہنچے۔ (دیکھیے مکتوبات فقیہ الامت ۳۶۱/۴)

جب کہ اپنے استاذ مرشد کی سہولت وآرام کا خود حضرت مفتی صاحب کو اتنا خیال تھا کہ ایک دفعہ فرمایا کہ ’’جس طرح آج لوگ اپنے بڑوں کے آرام وسہولت کا خیال کیے بغیر انھیں اپنے مقام ومکان تک لے جانے کے لیے اصرار کرتے ہیں، میں نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ حضرت بارہا جامعہ میں تشریف لاتے، میرا مکان پاس میں ہی تھا، میں نے کبھی نہیں کہا کہ: میرے گھر چلیے‘‘۔

ایامِ تعطیل میں معیت

جامعہ ڈابھیل میں تقرر کے بعد جب بھی اس علاقہ میں فقیہ الامت کا ورودِ مسعود ہوتا معیت کا شرف حاصل کرتے، بلکہ نظامِ سفر مفتی صاحب کے مشورہ سے طے ہوتا، ایامِ تعطیل میں مرشد جدھر ہوتے ادھر کا رخ کرتے، کبھی دیوبند تو کبھی باندہ اس طرح کئی عیدیں دیوبند وباندہ میں ہوئیں۔

ایامِ تعطیل میں مدرسین اپنے اپنے وطن لوٹتے اور عیدین کی خوشیاں اہلِ خانہ کے ساتھ مناتے۔ مگر مفتی صاحب یہ ایام مرشد کی روح پرور فضا اور بابرکت صحبت میں گزارتے:

انبساطِ عید دیدنِ روئے تو	۞	عیدگاہِ ما غریبانِ کوئے تو

از ۱۳۷۸ھ تا ۱۴۱۷ھ انتالیس سال تعلق کی یہ داستان اتنی طویل، مسلسل اور پہلودار ہے کہ زیرِ تحریر مقالے میں نہیں سمیٹا جا سکتا۔ مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کی ترتیب دی ہوئی کتاب جلدِ رابع ’’مکتوباتِ فقیہ الامت بنام حضرت مفتی احمد خانپوری مع مقدمہ‘‘ کا مطالعہ کیجیے۔

افتا کے سال حضرت فقیہ الامت کی معیت میں خادم کی حیثیت سے کلکتہ کے سفر کا

موقع نصیب ہوا، اس سفر کے چند واقعات مفتی صاحب کی زبانی ان ہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

ہاوڑہ کے پُل کے بہانہ پَل بھر میں تصرف

زمانۂ طالبِ علمی میں حضرت کے ساتھ کلکتہ کا سفر ہوا، ایک دن وہاں کے حضرات نے مجھ سے اصرار کیا کہ آج آپ کو ہاوڑہ کا پل دکھلانے لے چلتے ہیں، میں نے کہا: حضرت سے اجازت لیے بغیر نہ جاؤں گا۔ چناں چہ جب حضرت سے اس کا تذکرہ کیا اور اجازت کا خواہاں ہوا تو حضرت نے خاص ظرافت کے ساتھ فرمایا: ''ہاں! دیکھ لو! کل قیامت کے دن سوال ہوگا کہ ہاوڑہ کا پل دیکھا تھا؟ تو کیا جواب دو گے؟

اگر چہ یہ بات حضرت نے بطورِ ظرافت فرمائی تھی، اور اجازت بھی دے دی، لیکن مجھ پر عجیب سناٹا چھا گیا اور میں پل دیکھنے نہ گیا۔ اور اس کے بعد تو ایسا معلوم ہوا کہ کہیں کا بھی سفر ہو کسی بھی جگہ یا چیز کے دیکھنے کی دل میں طلب یا خواہش نہیں ہوتی، گویا یہ حضرت کا ایک تصرف تھا۔

جھینگا کھانے پر لطیفہ

اسی سفر میں ایک روز حاجی جمیل صاحب زید مجدہ کے دولت کدہ پر کھاتے وقت دستر خوان پر ایک سالن جھینگا بھی تھا، کسی نے حضرتؒ سے پوچھ لیا کہ: حضرت! آپ یہ نہیں کھاتے؟ تو حضرت نے فرمایا: ''نہ ایں کار می کنم نہ انکار می کنم'' (یعنی میں نہیں کھاتا اور کھانے والے کو روکتا بھی نہیں ہوں)۔ اور اس پر یہ لطیفہ بھی سنایا کہ: ایک مرتبہ ڈابھیل میں مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ان کے گھر کھانے کے لیے بیٹھے

ہوئے تھے، دستر خوان پر جھینگے بھی تھے، مفتی بسم اللہ صاحب نے فرمایا کہ: حضرت تھانویؒ نے اس کو جائز بتلایا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا کہ: حضرت تھانویؒ نے کانگریس کی شرکت کو ناجائز بتلایا ہے۔ یہ اس لیے کہا تھا کہ مفتی بسم اللہ صاحب جمعیتی اور کانگریسی تھے۔

اصلاحِ نفس کا من جانب اللہ انتظام

اسی سفرِ کلکتہ کا واقعہ ہے ابتداءً حضرت کے سفر کا پروگرام ایک یا دو روز کا تھا؛ مگر اتفاق سے کلکتہ میں مزید چار روز رکنا پڑا، پروگرام کے مطابق میں نے کپڑے ساتھ نہیں لیے تھے، پہنے ہوئے کپڑوں میں گیا تھا، اس کو دھونے کی نوبت نہیں آئی، لہٰذا میلے ہو گئے، کلکتہ سے دیوبند واپسی بذریعۂ ہوائی جہاز ہوئی، میری زندگی میں ہوائی جہاز میں سفر کا یہ پہلا موقع تھا، نفس میں عجب اور پندار ہونے کا احتمال تھا، اسی سفر میں حضرت کے بیگ کا پٹہ ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے بیگ سر پر اٹھانا ضروری ہو گیا، ہوائی جہاز میں سفر کی وجہ سے نفس میں شان وآن پیدا ہونے کے احتمال کا میلے کپڑے اور سر پر ٹوٹے ہوئے بیگ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انتظام فرما دیا۔

باب دوم

تدریسی زندگی

تدریس کے لیے قابل آدمی کی ضرورت

افتا کے سال رمضان المبارک میں حضرت فقیہ الامت کے پاس تین جگہوں سے مدرس کا مطالبہ آیا کہ تدریس کے لیے قابل آدمی کی ضرورت ہے: گنگوہ، کانپور، ڈابھیل۔ حضرت نے مفتی صاحب کا عندیہ معلوم فرمایا کہ ان میں سے جہاں چاہو بھیج دوں، مفتی صاحب نے ڈابھیل جامعہ کو پسند فرمایا، حضرت فقیہ الامتؒ نے ۵ / رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ جامعہ ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ کے نام گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

مکتوب گرامی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ بنام مولانا محمد سعید بزرگؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم محترم مدت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ گرامی کے جواب میں مولوی اسماعیل کچھولوی سلمہ کے خط میں تحریر کر دیا تھا کہ ایک آدمی آپ کی فرمائش کے مطابق درجۂ عربی اول کے لیے موجود ہے، ان کا نام

مولوی احمد ہے، خانپور (بھروچ) کے رہنے والے ہیں، میرے پاس رہتے ہیں، فتاوی کی مشق کرتے ہیں، صالح ہیں، ذہین ہیں، متقی ہیں، ذی استعداد ہیں، ذاکر ہیں، خدا کرے اخلاص کے ساتھ بہترین خدمت انجام دیں۔ وہ مقلب القلوب اور مثبت القلوب ہے، بغیر اس کی توفیق و اعانت کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

خوش الحان قاری ابھی نہیں مل سکے، تاہم تلاش جاری ہے، اوقاتِ مبارکہ میں دعا کی درخواست ہے، یہاں ۳۰/شعبان جمعہ کو چاند ہو کر شنبہ کو پہلا روزہ ہوا، دوسری جگہ سے بذریعۂ خطوط جمعہ کا پہلا روزہ ہونا بھی معلوم ہوا۔ فقط والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔

احقر محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند، سہارن پور، یوپی ۵/۹/۸۸ھ

مدرسین کے لیے چودہ زریں نصائح

۱۳۸۸ھ کے رمضان کے بعد تدریسی دور کا آغاز کرنا تھا، زندگی نئے موڑ پر تھی، حضرت فقیہ الامت سے جدائی گوارہ نہ تھی، دل آمادہ نہ تھا، عجیب کیفیت تھی، روتے روتے گجرات رخصت ہوئے، حضرت نے خوب دعائیں دیں، نصائح فرمائیں، تدریس کے سلسلہ میں ۱۴/ نصائح کی تھیں، جن کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

(۱) عہدہ اور منصب مت طلب کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے دی جائے یا فلاں منصب حوالہ کیا جائے۔

(۲) پیسے مت مانگنا کہ میری تنخواہ اتنی کردو، یا اس میں اتنا اضافہ کردیا جائے۔

(۳) اگر کوئی کہے کہ یہ لائق نہیں تو دل سے اس کا اقرار کرنا اور کہنا کہ: ہاں بھئی! میں تو بالکل لائق نہیں؛ مگر مدرسہ والوں نے بٹھا دیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی لیاقت دے

اور کتابوں کا حق مجھ سے کسی طرح ادا کرائے۔

④ کوئی طالبِ علم اگر سوال کرے تو شفقت سے اس کا جواب دینا اگرچہ براہِ طعن سوال کرتا ہو۔

⑤ کسی جگہ کتاب سمجھ میں نہ آئے تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا مانگنا، اور مصنفِ کتاب کو ایصالِ ثواب کرنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

⑥ دوسرے کی کتاب میں کسی طالبِ علم کو بتانے میں احتیاط کرنا۔

⑦ طلبا سے خدمت نہ لینا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے تھے کہ: میں اپنے کسی مرید، شاگرد سے خدمت لینا حرام سمجھتا ہوں۔

⑧ طلبا سے اختلاط نہیں چاہیے، اس لیے کہ اس میں مختلف اغراض سے آنے والے ہوتے ہیں۔

⑨ طلبا کا احسان مانو کہ انہوں نے اپنے قلوب کی زمین آپ کے علم کی تخم ریزی کے لیے ہموار کی، ورنہ آپ کا علم یوں ہی رہتا، اپنا ان پر کوئی احسان نہ سمجھیں۔

⑩ طلبہ مختلف اغراض سے اشکالات کرتے ہیں، کوئی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لیے، کوئی استاذ کو پریشان کرنے کے لیے، وغیرہ وغیرہ مگر سب کا جواب علیٰ اسلوب الحکیم دینا، مناظرانہ انداز میں نہیں۔

⑪ روزانہ متعلقہ درسی کتاب کے مصنف کو تین مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے رہنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

⑫ اگر کوئی بات سبق میں غلط کہہ دی جائے تو اس سے رجوع کرنے میں تامل نہ کرنا۔

⑬ مطالعہ کے بغیر کبھی کوئی کتاب نہ پڑھانا۔

⑭ اسباق کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر و تلاوت و تسبیحات وغیرہ معمولات کو ترک نہ کرنا۔

ان نصائح پر مفتی صاحب نے عمل کا کس قدر اہتمام کیا یہ بات آپ کے متعلقین وشاگردوں سے مخفی نہیں، آپ کی زندگی ہی عمل کا نمونہ ہے۔ ان نصائح کے بعض نمبروں کی تفصیل جامعہ ڈابھیل میں خدمات والے باب میں ان شاءاللہ آئے گی۔

حضرتؒ کی ۱۴؍ نکات پر مشتمل قیمتی نصائح پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نے مدارس میں رونما ہونے والے فتنہ وفساد کی جڑ کاٹ دی ہے، مدرسہ کا عملہ جس سے مدرسین کو سابقہ پڑتا ہے تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے: انتظامیہ، مدرسین، طلبا؛ نصیحت نمبر ۱۔ ۲۔ ۱۴۔ پر عمل کرنے سے انتظامیہ خوش رہے گا۔ نمبر ۳۔ ۶۔ پر عمل پیرا ہونے سے مدرسین میں آپسی رقابت سے حفاظت ہوگی۔ باقی نمبرات کو معمول بہا بنانے میں طلبا کے حقوق ادا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے فتنوں سے بچا جا سکتا ہے۔

تدریسی زندگی اور جامعہ ڈابھیل

مفتی صاحب کی تدریسی زندگی کا باقاعدہ آغاز شوال ۱۳۸۸ھ سے ہوتا ہے، ۱۳۸۸ھ سے تادمِ تحریر جامعہ کے متعدد شعبہ جات سے خدمات کا تعلق رہا ہے، ان تمام خدمات کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے، مقدمہ محمود الفتاوی شروع کرتے وقت اندازہ نہیں تھا کہ یہ مقدمہ اتنا طول پکڑے گا، قلم چل پڑا، بات پر بات یاد آتی گئی، ارادہ تو یہ تھا کہ شکستہ تسبیح کے دانوں کو ایک لڑی میں پرو کر مرقع پیش کردوں گا، مگر مرقع نے سوانح کی صورت اختیار کرلی؛ لہٰذا قارئین سے معذرت کرتے ہوئے اس پُرلطف

داستان اور حسین یادوں کو سمیٹنے کی اجازت چاہوں گا۔

جامعہ میں تقرر پر بڑوں کی طرف سے اظہارِ مسرت اور دعا و نصیحت

مفتی صاحب کی ترقیات میں ہمیشہ بڑوں کی دعائیں شاملِ حال رہی ہیں، ملاحظہ کیجئے:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

''اس سے بہت زیادہ مسرت ہوئی کہ مفتی صاحبؒ (مراد فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) کی برکت سے تم ڈابھیل میں تدریسی سلسلہ میں مشغول ہوگئے، اللہ تعالیٰ مبارک فرماوے، تمھارے علوم سے طلبہ کو متمتع فرماوے اور ترقیات سے نوازے''۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے گرامی نامہ میں ہے:

''خدائے پاک نے آپ کو خدمتِ دین کا موقع عنایت فرمایا اس کا بہت بڑا احسان ہے؛ ورنہ آپ سے زیادہ قابلیت والے بڑی تعداد میں بے کار پڑے ہیں، اس احسان کا شکریہ اس طرح ادا کریں کہ اپنے آپ کو ناقابل تصور کر کے ہر خدمت کو استحقاق سے بالا سمجھیں اور خوب محنت و مطالعہ کر کے کام کو انجام دیں، اوقاتِ مدرسہ ہی کا ملازم سمجھ کر بقیہ اوقات میں اپنے کو آزاد نہ سمجھیں''۔

فخر گجرات حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رقم طراز ہیں:

''سالِ جدید کے لیے آپ نے جو ڈابھیل کا پروگرام لکھا ہے وہ بہت مبارک ہے، اللہ اس میں برکت عطا فرمائے اور استقامت نصیب فرمائے۔''

جامعہ میں قیام

آپ مؤرخہ ۱۶/شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۶/جنوری ۱۹۶۹ء میں حسبِ معمول جامعہ کھلتے ہی حاضر ہو گئے، یہ دور حضرت مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ (متوفی ۱۴۱۱ھ) کا عہدِ زریں تھا، مولانا بزرگ کی جوہر شناس طبیعت گجرات و بیرون گجرات سے لعل و گوہر تلاش کر کے لاتی اور جامعہ کا نظامِ تعلیم و تربیت بلند سے بلند تر ہوتا جاتا۔ مولانا ابرار احمد دھولیوی اسی سال جامعہ میں آئے، وہ بڑے ظریف الطبع آدمی تھے، مفتی صاحب اور مولانا ابرار احمد کا قیام بنگلہ میں دو متصل کمروں میں تھا۔ بنگلہ جامعہ کی قدیم و متبرک قیام گاہ ہے، علامہ کشمیریؒ، علامہ عثمانیؒ، وغیرہ اکابر کا قیام اسی بنگلہ میں رہا ہے، بلکہ ان ہی حضرات اکابر کی آمد کے بعد ان کی رہائش کے لیے بنگلہ تعمیر کیا گیا تھا۔

جامعہ میں تقرری کے وقت آپ کی عمر

آپ جس سال جامعہ میں آئے اس وقت عمر ۲۲ سال تھی، شادی نہیں ہوئی تھی، داڑھی کا ایک بال بھی ظاہر نہیں ہوا تھا، چھریرا دبلا پتلا بدن تھا، کوئی نو وارد ظاہری حلیہ اور قامت و جسامت کو دیکھ کر بجا طور پر محسوس کرے کہ کوئی طالبِ علم ہے، کسے معلوم تھا کہ اسی چھریرے اور نحیف جسم کی جاں نثاری کے ساتھ جامعہ اسلامیہ کی ایک نئی قابلِ رشک تاریخ وابستہ ہوگی۔

سال بہ سال زیرِ درس کتابیں

آپ نے عربی اول سے دورۂ حدیث تک متعدد فنون کی کتابیں بار بار پڑھائیں،

اس عرصہ میں بڑے بڑے علما کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا، بعض کے نام آگے ذکر کروں گا۔

تدریس کے ساتھ نظامتِ کتب خانہ اور نظامتِ تعلیم کے میدان میں بھی زور آزمائی کی اور اپنے جوہر دکھائے۔

کس سال کونسی کتاب کس گھنٹے میں پڑھائی، باقی اوقات میں کیا ذمہ داری رہی اس کا پورا چارٹ آپ نے یادداشت کے طور پر لکھ رکھا ہے اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

پڑھائی ہوئی کتبِ درسیہ سال بہ سال کی ترتیب

جامعہ میں حاضری مؤرخہ ۱۶ / شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۶ / جنوری ۱۹۶۹ء یوم دوشنبہ۔

سالِ اول ۱۶ / شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۶ / جنوری ۱۹۶۹ء دوشنبہ تا ختمِ سال

ساعتِ اولیٰ	بقیہ ساعات
نور الایضاح بعدہ قدوری از بیوع تا ختم	درجۂ عربی اول کامل

سالِ دوم ۱۱ / شوال ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۱ / دسمبر ۱۹۶۹ء تا ختمِ سال

ساعتِ اولی	ساعتِ سادسہ	خارج	بقیہ ساعات
نور الایضاح معہ قدوری	اصول الشاشی معہ دروس التاریخ	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

مولانا ابراہیم پٹنی صاحب کی بیماری میں ترجمہ نصفِ ثانی کا اضافہ ہوا، از ۸ / محرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۷ / مارچ ۱۹۷۰ء تقریباً پندرہ یوم۔

سال سوم ۱۵/شوال ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۵/دسمبر ۱۹۷۰ء سہ شنبہ تاختم سال

ساعتِ اولی	ساعتِ سادسہ	خارج	بقیہ ساعات
نورالایضاح، قدوری	اصول الشاشی معہ دروس التاریخ	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

مولانا آدم صاحب کی وفات پر اضافہ ۲۱/ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۸/فروری ۱۹۷۱ء تاختمِ سال: شرحِ وقایہ:-ساعتِ ثانیہ۔ مقاماتِ حریری معہ مختارات:-ساعتِ ثالثہ۔

سالِ چہارم ۱۱/شوال ۱۳۹۱ھ مطابق ۳۰/نومبر ۱۹۷۱ء سہ شنبہ تاختمِ سال

ساعتِ اولی	ساعتِ ثانیہ	خامسہ	خارج	بقیہ اوقات
نورالایضاح، قدوری	شرح وقایہ	مقامات معہ مختارات	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

۱۷/شوال ۱۳۹۱ھ دوشنبہ مطابق ۶/دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۱۹/ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۵/فروری ۱۹۷۲ء مولانا ابراہیم پٹنی صاحب کی دو ماہ کی بیماری میں:-جلالین شریف: ساعتِ ثالثہ ورابعہ میں

سالِ پنجم ۱۴/شوال ۱۳۹۲ھ۔۲۱/نومبر ۱۹۷۲ء سہ شنبہ

ساعتِ اُولی	ساعتِ ثانیہ	خامسہ	خارج	بقیہ اوقات
نورالایضاح، قدوری	شرح وقایہ	مقامات، مختارات	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

۳/ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ۔ ۱۰/ دسمبر ۱۹۷۲ء یک شنبہ تا ختم سال مولانا حسین بنارسی صاحب کے نہ آنے پر مستقل تبدیلی، نظامتِ کتب خانہ ختم۔

اولی	ثانیہ	ثالثہ	خامسہ	سادسہ
نور الایضاح، قدوری	شرح وقایہ	دیوان متنبی	مقاماتِ حریری، مختارات	شرح عقائد، سراجی

مؤرخہ ۵/ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ۔ ۱۲/ دسمبر سہ شنبہ: ساعتِ اولی میں نور الایضاح، قدوری کی جگہ پر نور الانوار۔

سال ششم ۱۸/ شوال ۱۳۹۳ھ۔ ۱۴/ نومبر ۱۹۷۳ء چہار شنبہ

اُولی	ثانیہ	خامسہ	سادسہ	بقیہ اوقات
شرح وقایہ	نور الانوار	دیوان متنبی، سراجی	شرح عقائد	نظامتِ کتب خانہ

مفتی اسماعیل صاحب کی دو ماہ کی رخصت کی وجہ سے ترمیم۔ ۱۹/ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ۔ ۱۳/ اپریل ۱۹۷۴ء یوم شنبہ: ہدایہ اولین: اولی وثانیہ۔ نور الانوار: ثالثہ۔ شرحِ وقایہ ہٹ گئی۔

۲۹/ رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹/ اگست ۱۹۷۴ء کو سالانہ اجلاس، اور یکم/ شعبان ۱۳۹۴ھ۔ ۲۰/ اگست ۱۹۷۴ء سے تعطیلات۔

سالِ ہفتم ۱۳/ شوال ۱۳۹۴ھ۔ ۳۰/ اکتوبر ۱۹۷۴ء چہار شنبہ

ساعتِ اولی	ثانیہ	ثالثہ	خامسہ	سادسہ	خارج

مشکوٰۃ شریف اول	ہدایہ ثانی، حسامی	دیوان متنبی	شرح وقایہ	نور الانوار	مؤطا مالک

۲۳/ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ-۶/جنوری ۱۹۷۵ء مولانا فضل الرحمن کی آمد پر تبدیلی تاختم سال۔

اولی	ثانیہ	ثالثہ	سادسہ	خارج
مشکوٰۃ اول	ہدایہ ثانی معہ حسامی	دیوان متنبی	نور الانوار	مؤطا مالک

۱۷/جمادی الاولی ۱۳۹۵ھ-۲۹/مئی ۱۹۷۵ء-نظامتِ تعلیم حسب تجویزِ مجلس شوریٰ منعقدہ ۳/جمادی الاولی ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۵/مئی ۱۹۷۵ء۔

سالِ ہشتم ۱۳/شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹/اکتوبر ۱۹۷۵ء یک شنبہ تاختمِ سال

اولیٰ وثانیہ	خامسہ وسادسہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین، حسامی	مشکوٰۃ المصابیح کامل، شرح نخبۃ الفکر	مؤطا مالک	نظامتِ تعلیم

سالِ نہم ۱۴/شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۹/اکتوبر ۱۹۷۶ء شنبہ تاختمِ سال

اولیٰ وثانیہ	خامسہ وسادسہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین، حسامی	مشکوٰۃ المصابیح کامل، شرح نخبۃ الفکر	مؤطا مالک	نظامتِ تعلیم

سال دہم ۱۲/شوال ۱۳۹۷ھ-۲۶/ستمبر ۱۹۷۷ء یومِ شنبہ تاختم سال

اولیٰ وثانیہ	خامسہ	خارج	بقیہ اوقات

ہدایہ اولین کامل معہ سراجی	مشکوٰۃ اول	موطا مالک	نظامتِ تعلیم

سالِ یازدہم ۱۳/شوال ۱۳۹۸ھ-۱۷/دسمبر ۱۹۷۸ء یک شنبہ

اولی وثانیہ	خامسہ	سادسہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین، سراجی	مشکوٰۃ اول	نور الانوار	ابن ماجہ طہارت ختم	نظامتِ تعلیم

یکم ربیع الاول ۱۳۹۹ھ-۳۰/فروری ۱۹۷۹ء یوم سہ شنبہ تا ختم سال (مولانا احمد اللہ صاحب کی وفات کے بعد ترمیم) تا ختمِ سال

اولی ورابعہ	پانچواں گھنٹہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین معہ سراجی	ابوداؤد شریف	ابن ماجہ	نظامتِ تعلیم

سالِ دوازدہم ۱۱/شوال ۱۳۹۹ھ-۴/ستمبر ۱۹۷۹ء یوم سہ شنبہ

اولی وثانیہ	خامسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین کامل معہ سراجی	ابوداؤد شریف	نظامتِ تعلیم

والدہ کا انتقال ۱۴/شوال ۱۳۹۹ھ-۷/ستمبر ۱۹۷۹ء یوم جمعہ۔ اجلاس صد سالہ دار العلوم اسی سال ہوا۔

سالِ سیزدہم ۱۲/شوال ۱۴۰۰ھ-۲۴/اگست ۱۹۸۰ء یک شنبہ

اولی وثانیہ	خامسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین معہ سراجی	ابوداؤد	نظامتِ تعلیم

۲۱/شوال ۱۴۰۰ھ - ۲/ستمبر ۱۹۸۰ء یوم سہ شنبہ تا ختم سال (حضرت مولانا محمد ایوب صاحب کی معذرت پر ترمیم)

اولی وثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین معہ سراجی	ترمذی شریف	نظامتِ تعلیم

محرم ۱۴۰۱ھ میں حج کے بعد کی حاضری

سال چہاردہم ۷/شوال ۱۴۰۱ھ - ۱۸/اگست ۱۹۸۱ء یوم سہ شنبہ تا ختم سال

اولی	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اول معہ سراجی	ہدایہ ثالث	ترمذی معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

سالِ پانزدہم ۱۳/شوال ۱۴۰۲ھ - ۴/اگست ۱۹۸۲ء یوم چہار شنبہ:

اولی	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ ثالث	ہدایہ اول معہ سراجی	ترمذی وشمائل	نظامتِ تعلیم

۱۷/ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ - ۵/اکتوبر ۱۹۸۲ء سہ شنبہ تا ختم سال (مولانا ابوبکر صاحب کی علیحدگی پر ترمیم)

اولی	ثانیہ	رابعہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ ثالث	ہدایہ اول معہ سراجی	مشکوٰۃ اول معہ شرحِ نخبہ	ترمذی معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

سالِ شانزدہم ۱۲/شوال ۱۴۰۳ھ-۲۳/جولائی ۱۹۸۳ء یوم شنبہ

اولی	ثانیہ	رابعہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ رابع	ہدایہ اول معہ سراجی	مشکوٰۃ اول، شرح نخبہ	ترمذی معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

مؤرخہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ-۲۲ اگست ۱۹۸۳ء دوشنبہ تا ختمِ سال: مشکوٰۃ جلد اول معہ نخبہ ہٹادی گئی۔

سالِ ہفدہم ۱۷/شوال ۱۴۰۴ھ-۱۷/جولائی ۱۹۸۴ء سہ شنبہ:

اولی	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اول معہ سراجی	ہدایہ رابع	ترمذی شریف معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

نئے شیخ الحدیث صاحب کی آمد پر ۲۷/ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ-۲۴/ستمبر ۱۹۸۴ء دوشنبہ

اولی	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ رابع	ہدایہ اول معہ سراجی	بخاری شریف ثانی	نظامتِ تعلیم

مولانا یوسف صاحب کی بیماری میں صرف پندرہ یوم کے لیے یہ اضافہ ہوا:

۶/محرم ۱۴۰۵ھ-۲/اکتوبر ۱۹۸۴ء سہ شنبہ: مشکوٰۃ معہ نخبہ: ثالثہ-شرح وقایہ: رابعہ-

۱۴۰۵ھ ۱۲/شوال یومِ دوشنبہ:

ساعتِ اولی	ساعتِ ثالثہ	ساعتِ سادسہ

ہدایہ اول معہ حسامی	مشکوٰۃ اول	بخاری ثانی

٦/محرم ١٤٠٦ھ۔ ٢٢/ستمبر ١٩٨٥ء یوم یک شنبہ مولانا غلام محمد صاحب کی بیماری کی وجہ سے ساعتِ رابعہ میں نور الانوار تا ١٦/ربیع الاول ١٤٠٦ھ۔ ٣٠/نومبر ١٩٨٥ء۔

١٣/شوال ١٤٠٦ھ۔ ٢١/جون ١٩٨٦ء یوم شنبہ:

ساعت اولی	ساعت ِ ثالثہ	ساعتِ رابعہ	ساعتِ سادسہ
ہدایہ اول معہ سراجی	مشکوٰۃ اول	مقامات معہ ریاض الصالحین اول	بخاری ثانی

٢٣/ذی قعدہ۔ ٣١/جولائی یوم پنجشنبہ ابراہیم بھائی کی وفات پر ختم قرآن۔

کتبِ درسیہ کا چارٹ یہاں تک مفتی صاحب نے لکھا ہے۔ ١٤٠٦ھ عید الاضحیٰ کی تعطیلات کے بعد جامعہ کے دار الافتا میں صدر مفتی بنائے گئے اس وقت سے ١٤٣٠ھ تک (یعنی ٢٣ سال) صرف ایک گھنٹہ بخاری شریف ثانی کا درس دیتے تھے۔ اب ١٤٣٢ھ تادم تحریر بخاری شریف اول کا درس دیتے ہیں۔ ١٤١٩ھ میں صرف ایک مرتبہ "سراجی" کا درس دیا۔ ١٤٢٠ھ سے تادمِ تحریر شمائلِ ترمذی عموماً رات کو پڑھاتے ہیں۔

تدریسی اصول و مذاق

ہر استاذ کا طریقۂ درس قدرے مختلف اور اپنی نوعیت سے ممتاز ہوتا ہے اور ہر ایک کا اپنا کوئی خاص مذاق ہوتا ہے، یہی امور درسی خصوصیات میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔

راقم الحروف مفتی صاحب کا ایک ادنی شاگرد ہے، بعض کتبِ درسیہ میں ذائقہ کے طور پر اور بخاری شریف جلد ثانی مکمل اور افتا کا مکمل کورس پڑھنے کی سعادت حاصل ہے، اپنی معلومات اور اخذ کے مطابق مفتی صاحب کے درس کی بعض خصوصیات عرض کرتا ہوں:

① مفتی صاحب کا طریقۂ درس یہ رہا ہے کہ پہلے ہی دن فرما دیتے کہ: ہر ایک کو روزانہ سبق کے بقدر عبارت پڑھنا ہوگا۔ اسی کے مطابق روزانہ باری باری طلبا عبارت پڑھتے، عبارت کی اصلاح پر خوب زور دیتے، کسی کی مجال نہیں تھی کہ غلط عبارت پڑھ کر گذر جائے، بعضے کمزور استعداد والے اپنی باری کے روز رات ہی سے ہوشیار طالبِ علم کے پاس آئندہ کل کے سبق کو پڑھ کر تیاری کر لیتے جب جا کر ان کو سکون واطمینان ہوتا۔

راقم نے ہدایہ اول شروع کا حصہ مفتی صاحب کے پاس پڑھا ہے، اس میں یہ طرز تھا کہ طالبِ علم بقدرِ ضرورت عبارت پڑھتا پھر نفسِ مسئلہ، اس کے نقلی وعقلی دلائل، خصم کا اختلاف، ان کے دلائل، پھر خصم کے دلائل کا جواب اور اپنے مسلک کے وجوہِ ترجیح جیسا کہ صاحبِ ہدایہ بیان فرماتے ہیں یہ تمام چیزیں مفتی صاحب از بر طلبا کی طرف توجہ کرتے ہوئے اس طرح بیان فرماتے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بالکل حافظِ کتاب ہیں، اس میں کبھی ترتیب کا فرق بھی ہو جاتا؛ مگر کوئی بات عبارت کے تعلق سے نہیں چھوٹتی تھی، مسئلہ کی تشریح کے بعد عبارت خواں ترجمہ کر دیتا، کبھی کوئی غلط ترجمہ کرتا تو خود بامحاورہ سلیس ترجمہ کر دیتے۔

② زبانی درس کبھی عملی درس کی صورت اختیار کر لیتا، ہدایہ اول میں ''سنن الطهارة'' کے ذیل میں ''والسواك'' آیا جس میں بتلایا گیا ہے کہ وضو میں مسواک کرنا سنت ہے اس موقع پر باری باری ہر ایک کو حکم فرمایا ''مسواک بتلایئے''، چناں چہ جن کی جیب میں مسواک موجود تھی انہوں نے جیب سے مسواک نکال کر بتلائی۔ اسی طرح ہم سے پہلے

ہدایہ پڑھنے والوں نے بتایا کہ: ہدایہ میں "باب صفة الصلاة" کے موقع پر طلبا سے نماز کی باقاعدہ عملی مشق بھی کراتے تھے اور تقریباً ہر سال اس کا اہتمام فرماتے۔

③ اندازِ درس خوب نرالا، حلِ عبارت اور افہام میں اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل ہے، غبی سے غبی طالبِ علم تھوڑی توجہ سے درس سن لے تو کم از کم درس کا خلاصہ ضرور ذہن نشین کر لے۔

④ "ہدایہ اولین" کا درس سالہا سال دیا اور خوب تحقیق سے دیا۔ جس وقت ہدایہ اول کا درس راقم الحروف کے ذمہ سپرد کیا گیا اس وقت میں نے آپ ہدایہ کے جس نسخے سے پڑھاتے تھے اس کو دیکھا کہ خود نوشتہ بہترین جچے تلے الفاظ میں حواشی سے مزین ہے، بعض حواشی میں "معارف السنن شرح ترمذی" کا حوالہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ کے دوران شروحِ ہدایہ کے ساتھ ساتھ شروحِ احادیث کا مطالعہ بھی کرتے ہوں گے۔

⑤ فرائض آپ کا خصوصی فن ہے، طالبِ علمی کے زمانہ سے اس فن سے مناسبت تھی، ایک مرتبہ فرمایا: "پڑھنے کے زمانہ میں عصر کے بعد تفریح کرتے ہوئے اس کی مثالیں مشق کرتا تھا"۔ اس فن کے اصول وفروع اس قدر مستحضر ہیں کہ گویا پورا فن بیک نظر سامنے ہے، جامعہ میں ہدایہ کے ساتھ سراجی بھی پڑھائی جاتی ہے اس میں ورثا کے اقسام واحوال کو اتنا ازبر کرواتے جیسا کہ "سورۂ فاتحہ" کہ ادھر استاذ نے سوال کیا اُدھر طالبِ علم نے بلاتاخیر صحیح جواب پیش کر دیا۔

ہدایہ کے ایک مقام کی تحقیق میں سرگرداں

⑥ ایک مرتبہ فرمایا: ہدایہ پڑھانے کے زمانہ میں میں نے کبھی اس کی اردو شرح کو نہیں دیکھا۔ اس وقت "عین الہدایہ" تھی اس کو بھی نہیں دیکھتا تھا، صرف ایک مرتبہ

کتاب الزکوٰۃ میں ''قصب الذریرہ'' آیا اس وقت ''قصب الذریرہ'' کو شروحات اور مختلف کتابوں میں بہت تلاش کیا کسی کتاب میں نہیں ملا کہ: یہ کیا چیز ہے؟ سب شراح نے یہی لکھ دیا کہ: وہ معروف ہے، صاحب عین الہدایہ نے بھی یہی لکھا ہے، اس جملہ سے پہلے ''قصب السکر'' ہے، تمام حضرات نے اس کی تشریح کی ہے؛ مگر ''قصب الذریرہ'' کیا ہے کسی نے اس کی تشریح نہیں کی، ان ایام میں دیگر علما سے بھی پوچھا، جب کبھی دیوبند جانا ہوتا وہاں بھی پوچھتا رہا، مگر کسی نے صحیح نہیں بتلایا۔ (اس سلسلہ میں ایک لطیفہ سنایا) کہ مولانا خیر الرحمن احمد آبادیؒ (والد محترم مولوی طاہر صاحب) جو جامعہ میں ہدایہ کے سابق استاذ رہ چکے ہیں انہوں نے ''عین الہدایہ'' کے حاشیہ میں لکھا ہے: ''ہاں! قصب السکر سب کو معلوم تھا اس کی تشریح کی؛ لیکن ''قصب الذریرہ'' جو معلوم نہیں تھا اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا''۔

میں یہ حاشیہ پڑھ کر بہت ہنسا کہ ان کو بھی میری طرح اشکال پیش آیا ہے سبق میں جب اس جگہ پہنچتا تو طلبا سے کہہ دیتا معلوم نہ ہو سکا کہ قصب الذریرۃ کیا ہے بالآخر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی کتاب ''جزء حجة الوداع'' کا ترجمہ پاکستان سے شائع ہوا تھا اس میں ملا اور حاشیۂ ہدایہ پر لکھ دیا۔ حضرت مفتی صاحب نے وہ پڑھ کر سنایا، وہ یہ ہے: ''حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں: ذریرہ بروزنِ عظیمہ ذالِ معجمہ، اور دو راؤں کے ساتھ، خوشبو کی ایک قسم ہے جو اہلِ حجاز کے یہاں معروف ہے، امام نوویؒ اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات نے فرمایا ہے کہ: یہ ایک خوشبودار جڑی بوٹی کا برادہ ہے جو ہندوستان سے آتی ہے۔ ''صاحبِ محیطِ اعظم'' نے قصب الذریرہ کے اقسام کو تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ہندی میں اسے ''چرائتہ'' کہتے ہیں اور اس کا برادہ خوشبودار ہوتا ہے،

اور زیرِ بغل لگانا پسینہ کی خوشبو کے لیے مفید ہے۔ (حجۃ الوداع وعمرات النبی ﷺ تالیف برکۃ العصر حضرت الحافظ الحاج مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم المدنی مدظلہم، ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کراچی: ۲۲)

راقم کہتا ہے: یہ واقعہ آج سے تقریباً ۳۵ سال پہلے کا ہے، اس عرصہ میں ہدایہ کی متعدد اردو شروحات منصۂ شہود میں آئیں؛ مگر اس جگہ سے تمام مترجمین دامن بچا کر خاموشی کے ساتھ گذر گئے۔ ملاحظہ کیجئے اشرف الہدایہ شرح ہدایہ ۳/ ۱۳۰۔ بلکہ اس میں تو قصب الذریرہ کو ''چرائتہ کا درخت'' کہا ہے، یہ تعبیر بھی درست نہیں۔ ''قصب'' کا معنی درخت کے نہیں؛ بلکہ قصب ہر اس نبات کو کہتے ہیں جس کا تنہ پتلا، کھوکھلا اور گانٹھ دار ہو اس میں پوری اور گرہ ہو۔ یا ''قصب'' کا ترجمہ ''بانس'' ہوسکتا ہے۔

''احسن الہدایہ شرح ہدایہ'' نے ''قصب الذریرہ'' کا مطلب بیان کرنے میں کیا گل افشانی کردی اس کو بھی دیکھ لیجئے! وہ تحریر کرتے ہیں: ''چرائتہ (چری والی لکڑی)''۔ (احسن الہدایہ ۱/ ۳۶) صرف چرائتہ کہہ کر گزر جاتے تو محلِ تعجب نہیں تھا؛ مگر بین القوسین کی تشریح نے چرائتہ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ''چری'' ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں باجرا، جوار، مکئی کے ہرے پودے۔ اس غلط تشریح سے پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ باجرا، جوار، مکئی میں عشر نہیں ہے جو مسئلہ کی رو سے صحیح نہیں۔

⑦ دورانِ درس کسی مناسبت سے بزرگوں کے واقعات ولطائف سنانے کی عادتِ شریفہ رہی ہے، بالخصوص جمعرات کے روز یا کسی طالبِ علم کی تنبیہ پر اس کا خاص اہتمام ہوتا، گاہے گاہے نصائح اور واقعاتِ کثیرہ بیان فرمانے کے بعد جس طالبِ علم کی وجہ سے واقعات کا سلسلہ شروع ہوا اس کے متعلق فرماتے: ''یہ شانِ ورود ہے''۔

⑧ سبق شروع کرنے سے ختم تک پورے گھنٹہ میں کسی خاص ہیئت پر مستقل

بیٹھنے کا معمول نہیں، البتہ پورے درس میں چہرہ وتوجہ کا التفات ہر جانب طلبہ کی طرف برابر رکھتے، جس کی وجہ سے طلبہ ہمہ تن گوش اور بچشمِ سر آپ کی طرف متوجہ رہتے، گاہے گاہے ظرافت ولطافت کے جملے بھی گوش گزار کرتے جس سے درس کا ماحول زعفران زار ہو جاتا۔ طالبِ علم کی درس سے غفلت و بے پروائی یا درس میں سونا کسی حال میں برداشت نہ کیا جاتا اس پر خوب تنبیہ فرماتے۔

درسِ ترمذی میں ایثار

اخلاص اور للّٰہیت دینی مدارس کی سب سے بڑی دولت ہے، اگر دل صاف ہو اور دل میں ایثار وقربانی کا جذبہ موجود ہو تو کوئی بھی مدرس کم مدت میں بلندی کے مدارج طے کر سکتا ہے۔

مفتی صاحب کے شیخ ومربی نے دیوبند سے ڈابھیل کی تدریس کے لیے رخصت کرتے وقت جو نصائح فرمائی تھیں ان میں یہ تھی: ''عہدہ اور منصب مت طلب کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے کو دی جائے''۔ حضرتؒ کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرس کی طرف سے کتاب کی طلب اور بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کے لیے مدارس کے مروجہ نام نہاد ترقی کے پروپیگنڈے، کوششیں بھی عہدہ کی طلب اور حبِ جاہ میں داخل ہیں۔

مفتی صاحب نے مذکورہ نصیحت پر کتنا عمل کیا؟ کسی کتاب کی طلب تو کجا، جامعہ کی ترقی ونظام میں نسق باقی رکھنے کی خاطر کس ایثار وقربانی سے کام لیا اس کی ایک مثال ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں:

جامعہ کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی (متوفی ۱۴۰۴ھ) کا تدریسی فیض جامعہ میں سالہا سال رواں دواں رہا، بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف مکمل کا درس ان سے متعلق رہا، اخیر کے چند برسوں میں طبیعت کے ضعف کی وجہ سے ترمذی شریف پڑھانے سے معذرت کردی تھی، صرف بخاری شریف کا درس دیتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ ترمذی شریف جامعہ کے ایک مؤقر استاذ کو دی جائے؛ مگر جامعہ کے رجال شناس وقدرداں مہتمم مولانا محمد سعید بزرگؒ کی رائے گرامی مفتی صاحب کو سپرد کرنے کی تھی، انہوں نے اپنی اس رائے کا اظہار بھی کردیا تھا۔

اس سال ترمذی کے سبق کی تقسیم سے پہلے مفتی صاحب سفر حج میں تشریف لے گئے، بعد میں اربابِ حل وعقد کے مشورہ کے بعد مہتمم صاحب کے منشا کے مطابق ترمذی کا درس مفتی صاحب کے نام کردیا گیا، اس وقت مفتی صاحب مکۂ مکرمہ میں تھے، اس کی خوش خبری مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے بہ ذریعۂ خط دی، وہ تحریر فرماتے ہیں: ''مدرسہ میں اسباق برابر ہو رہے ہیں، مولانا ایوب صاحبؒ نے ترمذی شریف پڑھانے سے عذر کیا ہے، مشورہ کے بعد آپ موصوف کو نامزد کیا ہے، اس کے لیے مبارک باد دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ سے اس خدمت کو قبول فرمائے''۔

محمد شفیع میاں عفی عنہ، ۲/ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

اس کے بعد دیگر کتبِ درسیہ کے ساتھ چار سال مکمل ترمذی مع شمائل کا درس مفتی صاحب کے پاس رہا، ترمذی شریف میں دیگر ائمہ وفقہا کے فقہی اقوال بھی مذکور ہیں، برسوں سے ہدایہ پڑھانے کی وجہ سے فقہی بصیرت سے آراستہ تھے ہی اب حدیث کے ساتھ فقہ سے مناسبت نے چار چاند لگادیے، فقیہانہ بصیرت اور شگفتہ طرزِ تفہیم سے طلبہ

بھی بہت خوش تھے، یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب کا ۶/شوال ۱۴۰۴ھ میں انتقال ہوگیا۔ رحمة الله عليه رحمة واسعة.

جامعہ کے لیے جدید شیخ الحدیث کی تلاش ہوئی، حضرت مولانا محمد اکرام علی بھاگلپوری صاحب نور اللہ مرقدہ (م ۱۴۲۹ھ) سے شیخ الحدیث کے منصب کے لیے درخواست کی گئی، انہوں نے جامعہ کے تقرر کو چند کڑی شرائط پر موقوف رکھا ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی:

''میرے زیرِ درس بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف جلد اول ہوگی، یا بخاری شریف جلد اول، ترمذی شریف جلد اول اور اس کے علاوہ موقوف علیہ کی کوئی ایک کتاب''۔۔۔انتہی بلفظہ

جو حضرات جدید شیخ الحدیث صاحب کے یہاں تقرر کے سلسلہ میں گفتگو کرنے گئے تھے مہتمم صاحب کو پوچھے بغیر انہوں نے تمام شرائط منظور کرلیں، تقرر عمل میں آگیا، اور ان کی شرط کے مطابق بلا چوں و چرا مفتی صاحب نے ایثار کرتے ہوئے ''ترمذی'' کا درس جدید شیخ الحدیث صاحب کی خاطر چھوڑ دیا۔

بخاری شریف کا درس

حضرت مہتمم صاحب نے مفتی صاحب کے اس ایثار کی قدر فرماتے ہوئے بخاری شریف جلد ثانی مفتی صاحب کے نام لکھ دی اس وقت سے ۱۴۳۰ھ تک مکمل بخاری شریف جلد ثانی پڑھانے کی خدمت انجام دی۔ ۲۳/۱۰/۱۴۲۸ھ سے اسفار کی کثرت کی بنا پر جلد ثانی از کتاب المغازی تا کتاب فضائل القرآن پڑھایا کرتے تھے۔

جس سال (۱۴۰۵ھ) بخاری شریف جلد ثانی کا درس سپرد کیا گیا اس سال کے

مکتوبِ گرامی میں حضرت فقیہ الامتؒ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

جو بھی کتابیں آپ کے پاس یا ان (جامعہ کے شیخ الحدیث صاحب) کے پاس ہیں، سب خدمتِ دین ہی ہے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (م ۱۳۰۲ھ) فرمایا کرتے تھے کہ: جو ثواب بخاری پڑھانے میں ہے وہی ثواب علومِ آلیہ منطق وغیرہ پڑھانے میں ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔ (مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/ ۲۷۸)

مفتی صاحب کا پورا تدریسی دور اس طرح گذرا کہ نہ کبھی کوئی کتاب طلب فرمائی اور نہ کسی کتاب کے پڑھانے سے عار محسوس فرمائی۔

مثالی خُرد نوازی

۱۴۱۹ھ میں جب راقم الحروف کو ہدایہ اول سپرد کی گئی جس کے ساتھ سراجی کا درس بھی رہا کرتا ہے، جامعہ میں ہمیشہ ہدایہ اول کے گھنٹہ میں ہی سراجی پڑھائی جاتی ہے؛ مگر میرے لیے ہدایہ کا پڑھانا آسان تھا کہ اس سے قبل ایک آدھ مرتبہ چند اسباق پڑھا چکا تھا؛ لیکن سراجی پڑھانے کی ہمت نہیں تھی، حضرت مفتی صاحب نے میرے خاطر سراجی پڑھائی اور میں نے بھی اس درس میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ بتلانا ہے کہ مفتی صاحب کا ایک گھنٹہ (بخاری شریف پڑھانے کے لیے) دورہ میں تھا، عربی ششم یا پنجم میں کوئی گھنٹہ نہیں تھا، اس کے باوجود نزول کرتے ہوئے سراجی کا درس دینے میں آپ نے عار محسوس نہیں فرمائی۔ اپنے متعلقین اور شاگردوں کو ہمیشہ یہی تاکید فرماتے ہیں کہ اہلِ مدرسہ کی طرف سے جو بھی کتاب دی جائے اسی میں خیر و برکت ہے۔

حضرت مفتی عباس صاحب بسم اللہ زید مجد ہم نے سنایا کہ: ان کی تدریس کے ابتدائی دور میں جامعہ کے مؤقر استاذ محترم حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی مدظلہ کے بیمار ہونے کی وجہ سے ''شرح ابنِ عقیل'' کا سبق حضرت مفتی صاحب- جو اس وقت ناظمِ تعلیمات تھے- نے مفتی عباس صاحب کے نام کرنا چاہا تو وہ پس وپیش ہوئے مفتی صاحب نے نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا:

''دیکھو بلا طلب جو کتاب پڑھانے ملے اس کے پڑھانے میں اللہ کی طرف سے اعانت کی جاتی ہے، اور بعد طلب جو ملے اس میں یہ بات نہیں ہوتی''

مفتی صاحب کے فرمانے کے بعد انہوں نے منظور فرمالیا، مفتی عباس صاحب فرماتے ہیں: ایسا ہی ہوا، بعد تہجد دعا کی اور مطالعہ کے لیے کتاب کھولی، الحمد للہ! سب حل ہوتا گیا، کسی جگہ کوئی پریشانی پیش نہیں آئی۔

جامعہ کا کتب خانہ اور اس کے ناظمین

جامعہ میں عظیم الشان کتب خانہ ہے، ہر علم وفن کی امہاتِ کتب اس میں موجود ہیں، جامعہ کے طلبا و اساتذہ کے علاوہ دوسرے اہل علم، اہل تحقیق اور اہل ذوق اپنے علمی کاموں میں اس کتب خانہ سے استفادہ کرتے ہیں، ڈابھیل کے مشہور خاندان ''گارڈی'' نے اس کتب خانہ میں کئی اہم کتابیں وقف کی ہیں۔ مؤرخِ ہند قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے اپنے تدریسی دور میں اس کتب خانہ سے خوب فائدہ اٹھایا ان کی مشہور کتاب ''رجال الهند والسند'' کا افتتاح اسی کتب خانہ سے ہوا، انہوں نے اس کتب خانہ کی تعریف کی ہے، گارڈی خاندان کی خدمات کو سراہتے ہوئے قاضی صاحب رقم طراز ہیں:

اس وقت جامعہ اسلامیہ میں ایک شعر مشہور تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ: ''گارڈی نے علم کی مینخ گاڑ دی''۔ (کاروانِ حیات ۱۱۲)

کتب خانہ کا نظم ونسق باقی رکھنے کے لیے مستقل ''ناظمِ کتب خانہ'' کا انتظام کیا جاتا ہے، اس سے پہلے ناظم حافظ عبدالحق بسم اللہ صاحب (م ۱۳۸۳ھ) تھے، انہوں نے تقریباً چالیس سال تک جامعہ کے مختلف شعبوں میں کام کیا، زندگی میں سادگی اور امانت داری کا وصف نمایاں تھا۔

دوسرے مولانا عبدالغفور نقش بندی بھروچی (م ۱۴۲۲ھ) تھے جو زبردست حافظہ کے مالک تھے، کتب خانہ میں موجودہ کتب میں سے کسی کتاب کے بارے میں پوچھا جاتا تو کتاب کا صحیح نام، مصنف کا نام، اس کتاب کی کتنی شرحیں ہیں، الماری میں کس جگہ کتاب رکھی ہوئی ہے سب بلا تامل بتلا دیتے۔

تیسرے مولانا مفتی عبدالعزیز سورتی (م ۱۴۲۰ھ) تھے، جو سورت کے باشندے تھے، بچپن میں پڑھنے کے لیے دیوبند چلے گئے، ایک مدت تک دیوبند میں رہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے خصوصی تعلق تھا، ۱۳۸۸ھ میں جامعہ ڈابھیل میں ناظمِ کتب خانہ کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا تھا۔

مفتی صاحب اور نظامتِ کتب خانہ

۱۹۶۹ء میں احمد آباد اور اس کے اطراف میں ہولناک مسلم کش فسادات ہوئے اور سیکڑوں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا، اس وقت مولانا عبدالعزیز صاحب کے بعض رشتہ دار جو احمد آباد میں رہتے تھے شہید ہوئے، رفاہی امور میں جمعیت علمائے ہند کے

پلیٹ فارم سے مدد کرنے کی خاطر احمد آباد چلے گئے، ان کی جگہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے مفتی صاحب کو ناظمِ کتب خانہ بنادیا۔

چناں چہ آپ نے ۱۳۸۹ھ تا ۱۳۹۳ھ تدریس کے ساتھ باحسن وجوہ نظامتِ کتب خانہ کے فرائض انجام دیے۔

ذوقِ مطالعہ

تین گھنٹے کتبِ درسیہ پڑھاتے اور تین گھنٹے کتب خانہ میں مقرر تھے، ان تین گھنٹوں کو آپ نے خوب وصول کیا، مختلف علوم وفنون کی کتب کے مطالعہ میں مشغول رہتے، مفتی صاحب کا مطالعہ کتبِ درسیہ تک محدود نہیں ہے، مطالعہ اور کتب بینی کا غیر معمولی شوق ہے، مطالعہ کی یہ غیر معمولی قوت وصلاحیت زندگی کے ہر دور میں آپ کی شخصیت کا لازمی جز رہی، اس سے آپ کی روح کو غذا اور دل کو سکون اور قلب کو آسودگی حاصل ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ فرمایا ''فارسی اول پڑھنے کے سال مولانا ابوالکلام آزاد کی تمام کتابیں، تقاریر مطالعہ کر چکا تھا، ان کی کتابوں کی عبارات زبانی یاد کرتا تھا۔ نیز ایک زمانہ میں علامہ اقبال کی تمام کتابوں کا دو مرتبہ مطالعہ کرلیا تھا''۔

راقم الحروف نے کتب خانہ کی بعض کتابوں پر آپ کے نوشتہ حواشی دیکھے ہیں۔ مفتی صاحب کے غیر معمولی ذوقِ مطالعہ کی گواہی آپ کی ذاتی کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ دے گا، کوئی اہم کتاب کہیں چھپی اور منصۂ شہود پر آئی تو اس کی فراہمی کے لیے بقدرِ امکان کوشش کرتے، شروع میں اتنی گنجائش نہیں تھی مگر اس کے باوجود گنجائش نکال کر حتی المقدور حصولِ کتب کے لیے کوشاں رہتے۔

ایک مرتبہ فرمایا: ''اگر میں کہیں چلا جاؤں تو فتاوی نویسی کے لیے ذاتی کتابیں کافی ہیں''۔ نظامتِ کتب خانہ کے دور میں مطالعہ کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ فتاوی نویسی میں مراجعت وحوالہ جات کے لیے کسی کتاب کی ضرورت پیش آتی اور وہ کتاب دار الافتا میں نہ ہوتی تو کتب خانہ سے منگواتے۔ یعنی ۳۵۔۴۰ سال کے بعد بھی قوتِ حافظہ میں اس کتاب کا کتب خانہ میں ہونا موجود ہے۔

اجلاسِ جامعہ میں خدمات اور دفتری خطوط نویسی

اسی دور کی ایک خدمت یہ ہے: جامعہ کے مہتمم صاحب کے بڑے بڑے علما و مشاہیر سے روابط تھے، ان سے خط وکتابت کی نوبت آتی تو مہتمم صاحب اپنے اس کام کے لیے مفتی صاحب کے نظامتِ کتب خانہ والے وقت سے فائدہ اٹھاتے، اجلاسِ جامعہ کے لیے مدعو کرنے میں، معزز مہمانوں کی آمد پر شکریہ ادا کرنے میں، جامعہ کے کسی امر میں درخواست تحریر کرنے میں وغیرہ وغیرہ مواقع پر مفتی صاحب ہی بحکمِ مہتمم صاحب خطوط نویسی کی خدمت انجام دیتے۔

تنہا امتحانات کی تیاری

نظامتِ کتب خانہ کے دور میں ایک سال رات دن ایک کر کے سالانہ امتحان کی تیاری کی، تمام کتابوں کے امتحان کے پرچے تیار کرنا، لکھنا، ٹائپ کرنا وغیرہ یہ سب امور تن تنہا انجام دیے، طلبا و مدرسین کا خیال تھا کہ یہ پرچے باہر سے تیار ہو کر آئے ہیں؛ حالاں کہ تیار کرنے والی شخصیت انھی میں موجود تھی، مگر یہ کام اس قدر یکسوئی اور للہیت سے انجام دیا گیا کہ کسی کو پتہ تک نہ چلا۔

مستقل نظامت کتب خانہ کا خدشہ

مفتی صاحب کا تقرر اصلاً تدریس کے لیے ہوا تھا، مدرسہ کی ضرورت کی وجہ سے نظامتِ کتب خانہ قبول فرمالی تھی، یہاں کی روایت کے پیشِ نظر مستقل ناظمِ کتب خانہ بنائے جانے کا خطرہ درپیش تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت فقیہ الامتؒ سے مشورہ کیا تو حضرت نے فرمایا: کتب خانہ کے لیے مناسب آدمی تلاش کر کے مدرسہ کو دے دیجئے اور پھر آہستہ آہستہ اس ذمہ داری سے سبک دوشی اختیار کرلیں۔ چناں چہ مفتی صاحب نے حضرت کے مشورہ کے مطابق اپنے دورِ طالبِ علمی کے دوست اور ہم وطن مولانا موسیٰ صاحب بھڑ کودروی زید مجدہم کو پیش کیا۔ چناں چہ ۱۳۹۰ھ سے تادمِ تحریر وہ اس منصب پر فائز ہیں ان کی بلا کی استقامت دیکھئے کہ تقریباً چالیس سال ہوئے، اس طویل عرصہ میں صرف ایک مرتبہ اختتامِ سال اور افتتاحِ سال میں بیماری کی وجہ سے غیر حاضر رہے۔

جامعہ سے علاحدگی اور واپسی

۱۳۹۴ھ، م ۱۹۷۴ء میں ایک انتشار ہوا جس کی وجہ سے چند روز تعلیم بند رہی، ہنگامی طور پر چند روز کی تعطیل کردی گئی، انتشار والے سال کے اختتام پر چند اساتذہ جامعہ سے مستعفی ہو گئے تھے، ان میں مفتی صاحب بھی تھے، حالاں کہ جامعہ کے مہتمم صاحب نے بعد استعفا تنہائی میں بلا کر مفتی صاحب سے بہ اصرار کہا تھا کہ آپ استعفاء واپس لے لیجئے، لیکن مفتی صاحب نے اس وقت کے سنگین حالات کے پیشِ نظر صاف کہہ دیا تھا: مجھے جامعہ میں نہیں رہنا ہے، حتیٰ کہ گھر والوں کو اور گھریلو سامان ڈابھیل سے

خانپور منتقل کر چکے تھے، سالانہ تعطیل میں حسبِ معمول ماہِ شعبان میں سہارن پور حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں رمضان المبارک گزارنے کی نیت سے حاضر ہوئے، اس دوران جامعہ کے مہتمم صاحب نے ڈابھیل میں دوبارہ رکھنے اور کسی اور جگہ جانے نہ دینے کی اپنی سعی جاری رکھتے ہوئے فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ پر بھی خط لکھا تھا کہ: مفتی صاحب کو ڈابھیل ہی لوٹنے کے لیے فرمائیں۔ مہتمم صاحب کو پتہ تھا کہ مفتی صاحب ان کے شیخ و مربی کے مشورہ کے بغیر مستقبل کا فیصلہ کر ہی نہیں سکتے؛ اس لیے خط لکھا تھا۔ مہتمم صاحب نے مفتی صاحب کو جامعہ میں دوبارہ لانے کے لیے دوسری کوشش یہ کی کہ مولانا محمد شفیع میاں (جامعہ کے سابق استاذ حفظ و رکن شوریٰ م ۱۴۲۱ھ) جو حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ان کے ذریعہ بھی مفتی صاحب کو جامعہ میں دوبارہ بھیجنے کے لیے حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت میں یہ بات بار بار پہنچائی تھی۔ شروع رمضان میں تو فقیہ الامت نے مفتی صاحب کو کچھ نہ چھیڑا، جب ماہِ مبارک ختم ہونے کے قریب ہوا تو مفتی صاحب نے حضرت کا عندیہ معلوم فرمایا کہ آئندہ کے لیے کہاں جاؤں؟ حضرت نے فرمایا: کہیں سے بلاوا آیا ہے؟ تو مفتی صاحب نے نفی میں جواب دیا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ: ڈابھیل سے حضرت مہتمم صاحب نے تاکید کی ہے کہ ڈابھیل واپس بھیج دیجئے؛ اس لیے میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ڈابھیل ہی چلے جائیے۔ حضرت کا یہ فیصلہ مفتی صاحب کے نفس پر بڑا شاق گذرا، مفتی صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ: ڈابھیل سے از خود استعفا دے کر چھوڑ چکا ہوں اب کیا پھر جاؤں؟ حضرت نے فرمایا: میری رائے اور منشاء پوچھتے ہو تو یہی ہے کہ ڈابھیل جاؤ! باقی آپ کو اختیار ہے۔ مفتی صاحب نے حضرت ہی کے منشا پر عمل کرتے ہوئے ڈابھیل واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت مہتمم صاحبؒ نے مفتی صاحب کو باوجود استعفا دینے کے دوبارہ کیوں طلب کیا؟ میرے نزدیک اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ چھ سال کے دوران کام کی لگن اور طرزِ تدریس اور صلاحیتوں کی وجہ سے مہتمم صاحب کے معتمد بن چکے تھے، شاید کوئی راقم کے خیال کو حسنِ اعتقاد پر محمول کرے اس لیے بہتر ہے کہ خود حضرت مہتمم صاحبؒ اور حضرت فقیہ الامتؒ کے مابین اس حادثہ کے خطوط کے دو اقتباس پیش کر دوں، مفتی صاحب کو دوبارہ رکھنے کے لیے مہتمم صاحب نے جو خط حضرت فقیہ الامت کی خدمت میں لکھا تھا حضرت کی طرف سے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا: ''جس مدرس پر آپ کو سب سے زیادہ اعتماد تھا اور کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی اگر مناسب سمجھیں تو ان کو تنہائی میں بلا کر دریافت کرلیں؛ تا کہ غلط فہمی دور ہو جائے۔۔۔۔۔

احقر محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند ۱۸ / ۷ / ۹۴ھ

حضرت فقیہ الامت کے منشا کے مطابق ڈابھیل دوبارہ واپسی کا فیصلہ کرلیا، حضرت نے مولانا محمد شفیع میاں صاحب کی زبانی حضرت مہتمم صاحب پر کہلوا دیا اور خط بھی لکھ دیا تھا، اس خط کا ایک اقتباس یہ ہے:

''پہلے خط میں آپ نے مولوی احمد خانپوری کے متعلق لکھا تھا کہ وہ ہمیشہ میرے بہت ہی معتمد رہے ہیں۔ میں نے جواب میں لکھا تھا کہ: جو شخص آپ کا معتمد رہا ہو اور کبھی آپ نے اس کو شکایت کا موقع نہ دیا ہو، بہتر یہ ہے کہ اس کو تنہائی میں بلا کر گفتگو کرلیں، غلط روایتوں سے بدگمانیاں طرفین میں پیدا ہو جاتی ہیں، کوتاہیاں بھی کچھ نہ کچھ سب میں ہوتی ہیں، تاہم صلح صفائی کر لینے کے بعد تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوتاہیاں اتنی نہیں کہ بات یہاں تک پہنچے، بدگمانیاں اور غلط روایتوں کو زیادہ دخل ہے،

مگر آپ نے ان سے گفتگو نہیں کی، میں نے یہاں ان سے گفتگو کر کے آمادہ کر لیا ہے، میرے کہنے پر وہ دوسری جگہ بات کرنے سے رک گئے ہیں، میں نے مولانا شفیع میاں کو اس کی بھی خبر کر دی اور انہوں نے آپ کو لکھ بھیجا۔

اب میری رائے یہ ہے کہ مولوی احمد صاحب خانپوری کو میں بعد عید متصلاً بھیج رہا ہوں (حالاں کہ وہ اخیر ذی قعدہ تک یہاں حضرت شیخؒ کی خدمت میں ٹھہرنا چاہتے ہیں) آپ ان کو تنہائی میں بلا کر اپنے سابق تعلق اعتماد کو یاد دلائیں اور فرمائیں کہ میں اسی قدیم اعتماد کی بنا پر آپ سے کہتا ہوں کہ اپنا استعفا واپس لیں۔ وہ واپس لے لیں گے، کسی مزید مدرس کی آپ کو ضرورت نہیں ہوگی''۔

حضرت فقیہ الامت کا مفتی صاحب کو دوبارہ جامعہ بھیجنے کا فیصلہ مفتی صاحب پر بہت گراں اور نفس پر انتہائی شاق گزرا تھا اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ فرمایا: ''میرا سلوک تو اسی میں طے ہو گیا کہ حضرت نے کان پکڑ کر مجھے دوبارہ ڈابھیل بھیج دیا''۔

جو لوگ جامعہ کے سابق مہتمم صاحب کے مزاج شناس اور ان کے طرزِ اہتمام سے واقف ہیں ان کو بتلانے کی ضرورت نہیں، جو لوگ ناواقف ہیں ان سے کہنا ہے کہ جامعہ ڈابھیل کی تاریخ میں بالخصوص حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ جیسے رجال شناس و قدرداں کے دورِ اہتمام میں کسی مدرس کے مستعفی ہونے کے بعد دوبارہ جامعہ میں لانے کے لیے اس قدر تگ و دو کی گئی ہو جتنی مفتی صاحب کے بارے میں حضرت مہتمم صاحب نے کی کم از کم میرے علم میں نہیں۔

اس واقعہ سے حضرت مہتمم صاحب کا گروہی و جماعتی تعصّبات سے اوپر اٹھ کر جامعہ کے مفادات و ترقیات کو ہر دم ملحوظ رکھنے کا مزاج ظاہر ہوتا ہے، اور یہی راز ہے کہ

ان کے دورِ اہتمام میں جامعہ ہر نوع کی ترقیات سے مالا مال ہوا۔

ناظمِ تعلیمات

۱۳۹۴ھ کے خلفشار کی وجہ سے طلبہ میں ذہنی آزادی آگئی، تعلیمی نظم و نسق درہم برہم ہو چکا، انتظامیہ اور طلبہ کے مابین ربط ڈھیلا ہو گیا، جامعہ کی حالت مریض کی سی ہو چکی تھی، اور اسے کسی مسیحا نفس کا انتظار تھا جو اپنے نفس کی روحانی گرمی سے اس میں دوبارہ جان ڈالتا، حضرت مہتمم صاحب کو جامعہ کے نظامِ تعلیم اور طلبہ کے اصلاحِ حال کے لیے ''ناظمِ تعلیمات'' کی سخت ضرورت تھی، مہتمم صاحب جوہر شناس تھے، وہ مفتی صاحب کی علمی، درسی و تدریسی اور نظم و نسق کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے، سابق چھ سالوں میں اس کا مشاہدہ کر چکے تھے۔

قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

چناں چہ حضرت مہتمم صاحب نے مفتی صاحب کے متعلق ''ناظمِ تعلیمات'' کی رائے جامعہ کی مجلسِ شوریٰ کے سامنے رکھی جس پر جمیع ارکانِ شوریٰ کے اتفاق سے مفتی صاحب کو ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ مطابق ۵/ مئی ۱۹۷۵ء کو جامعہ کا ''ناظمِ تعلیمات'' طے کیا گیا۔ مفتی صاحب نے اس باب میں قدم کیا رکھا، جامعہ کے دن پھر گئے، نظامِ تعلیم و تربیت روبہ ترقی ہوتا گیا، جامعہ کی ترقی کے لیے کس طرح مصروف رہے اور کس طرح آگے چلتے اور بڑھتے رہے اور اس کو بامِ عروج تک پہنچانے میں ان کو کیسی تند و تیز ہواؤں اور حوصلہ شکن و صبر آزما حالات کا مقابلہ کرنا پڑا اس کے لیے آپ ہی کا ایک ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیے: فرمایا: میں نے جامعہ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دی

اور بالآخر اس کا تعلیمی نظام بلند سے بلند تر کر کے چھوڑا۔

اندازِ نظامت

راقم کا خیال ہے کہ نظامتِ تعلیم میں غیبی نصرت آپ کے شاملِ حال تھی، اپنے شیخ و مربی حضرت فقیہ الامتؒ کے مشورہ کے بعد اس ذمہ داری کو قبول فرمایا تھا، ان کی توجہ و دعا پشت پناہی کر رہی تھی، وقتاً فوقتاً اس راہ کی مشکلات میں حل کے لیے فقیہ الامتؒ سے راہ نمائی حاصل کرتے، یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں جس کو تفصیل مطلوب ہو ''مکتوباتِ فقیہ الامت قسطِ رابع'' کا مطالعہ کر لیں۔

اس دور میں طلبا کی اصلاح کے لیے حضراتِ اساتذہ کے نام سرکلر بک میں جتنے مضامین ہیں وہ مفتی صاحب ہی کے مکتوبہ اور افکارِ ذہن ہیں، اس پر دستخط حضرت مہتمم صاحب کے ہیں؛ مگر مہتمم صاحب کے سامنے طلبا کے اصلاحِ حال کے لیے تجویز آپ ہی رکھتے تھے، وہ مضامین دل کش اور دل فریب ہیں۔

آپ کا نظامتِ تعلیم کا دور جامعہ کا زرین اور سنہری دور ہے، جب جامعہ کی تعلیمی نظم کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی اس وقت متعدد اساتذہ آپ کے ہم سن اور تعلیمی درجہ میں گویا آپ کے برابر تھے، بعض اساتذہ اکابر کے درجہ میں تھے، اور چند حضرات آپ کے چھوٹوں کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن آپ نے ایسی خوش اسلوبی سے نظامت کو چلایا اور سب سے حسن معاملہ کا ایسا نقشہ باندھا کہ اکابر اساتذہ آپ کی محنت کے پیشِ نظر آپ کو عظمت و محبت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

جن حضرات کو انتظام سے سابقہ پڑتا ہے وہ جانتے ہیں کہ بسا اوقات اس راہ میں

نرم وگرم حالات بھی پیش آتے ہیں، آپ کو بھی پیش آئے؛ مگر چوں کہ آپ کا برتاؤ عزیز طلبا سے ایک شفیق مربی کا اور مخلصانہ تھا اس لیے اس کے اچھے ہی نتائج مرتب ہوئے، اگر کبھی کسی طالبِ علم کی تادیب کی نوبت آتی تو اس میں کبھی بھی جذبۂ انتقام اور شفائے غیظ کا رنگ نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ شفقت ومحبت کا رنگ جھلکتا تھا، بعض اوقات ایسی بات فرماتے کہ طلبہ اس کو آپ کے کشف والہام پر محمول کرتے تھے، ایسے متعدد واقعات ہیں۔

سال کے آغاز واختتام اور مختلف مواقع پر نصائح

کسی طالبِ علم کی شرارت یا زیادتی کی وجہ سے کوئی بات پیش آتی یا تعلیم یا نماز میں غفلت محسوس ہوتی تو عصر کی نماز کے بعد مسجد میں جامع نصائح سے نوازتے۔ ویسے تو یہ معمول شروع میں ہر ہفتہ میں پابندی سے کئی سال رہا، بعد میں حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً اس پر عمل ہوتا رہا، نیز سال کے اوائل واواخر میں دل سوزی کے ساتھ جم کر نصیحت فرماتے تھے، چناں چہ تعلیمی سال کے شروع میں مدرسہ میں آمد کی غرض، طلبِ علم کے فضائل، تصحیح نیت، تعلیم میں انہماک، غیر ضروری امور اور بری صحبت سے پرہیز، علم اور متعلقاتِ علم کے آداب، تضییعِ اوقات، بن سنور کر رہنے اور فضول خرچی سے اجتناب وغیرہ وغیرہ امور پر بہت ہی اہتمام سے روشنی ڈالتے اور اس سلسلہ میں اکابر کے واقعات بھی بیان فرماتے۔

اسی طرح سالانہ تعطیل سے قبل آدابِ سفر اور سفر وحضر میں نماز کی پابندی، اہل بستی کی خدمات، گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے رہنے اور ان کے لیے بوجھ نہ بننے اور بری صحبت سے بچنے وغیرہ وغیرہ امور کی تاکید فرماتے۔

نماز با جماعت کا اہتمام

مدرسہ میں مقیم طلبہ کو پنج گانہ نماز میں جماعت کے اہتمام پر خوب زور دیتے، اس سلسلہ میں کوتاہی برداشت نہ کرتے، طالبِ علم کے مسبوق ہونے پر باز پرس فرماتے، اس وقت جامعہ میں دیگر مدارس کے بالمقابل جو نماز کا اہتمام دیکھا جاتا ہے میں تو سمجھتا ہوں یہ آپ کی سابقہ جاں فشانی کا ثمرہ ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ خود آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے نماز کا خاص ذوق نصیب فرمایا ہے، تمام دیگر مصروفیتوں کے باوجود نماز با جماعت اور صفِ اول کا ایسا اہتمام ہے کہ جس کی مثالیں اہلِ علم میں بہت کم یاب ہیں، آپ کو مہینوں نہیں بلکہ برسوں تک کبھی مسبوق دیکھنا احقر کو یاد نہیں۔

دار الاقامہ کا عجیب منظر

آپ اپنے دورِ نظامت میں صبح سویرے اذان سے پہلے دار الاقامہ میں پہنچ جاتے، اس وقت دار الاقامہ میں سپر وائزر طلباء کو بیدار کر چکا ہوتا؛ مگر پھر بھی بعض طلبا بستر پر پڑے رہتے، آپ کی آمد کی اطلاع بلکہ آہٹ محسوس ہوتے ہی (آپ کو اللہ جل شانہ نے جو رعب وجلال عطا فرمایا اس کے پیشِ نظر) ان کی نیند ایسی غائب ہو جاتی کہ گویا وہ سوئے ہی نہیں، اس وقت عجیب منظر ہوتا، کوئی پائجامہ پہن رہا ہے، تو کوئی کرتہ لے کر مسجد کی طرف بھاگتا، کوئی غسل کے لیے بالٹی ٹٹول رہا ہے، تو کوئی استنجا خانہ کا رخ کرتا ہے، کوئی بغیر ٹوپی اور بغیر چپل ہی مسجد کی راہ اختیار کرتا، آپ کی تشریف آوری سے دار الاقامہ آناً فاناً خالی ہو جاتا اور یوں صبح صادق، صبحِ قیامت کا منظر پیش کرتی، گویا شیخ سعدی شیرازیؒ کی ”کریما“ کا عملی درس نہار منہ شروع ہو جاتا:

یکے پاسبان و یکے پادشاہ	۞	یکے داد خواہ و یکے باج خواہ
یکے بر حصیر و یکے بر سریر	۞	یکے در پلاس و یکے در حریر
یکے در تنعم یکے در عذاب	۞	یکے در مشقت یکے کامیاب

الغرض! طلبۂ عزیز کی اصلاح وتربیت میں آپ ہر لمحہ کوشاں رہتے، یہی وجہ ہے کہ ابتدائی درجات سے لے کر آخری درجات تک کے تمام طلبا آپ کی باوقار شخصیت کو ایک مربی کی حیثیت سے جانتے پہچانتے، اتنے بڑے جامعہ میں جس میں ملک و بیرونِ ملک کے کئی سو طلبا زیرِ تعلیم ہوں ان کے افعال و کردار کی اخلاقی تربیت اور وہ بھی حسن وخوبی کے ساتھ بہ جائے خود اتنا بڑا کارنامہ ہے جو قوتِ قدسیہ کو چاہتا ہے۔

نظامتِ تعلیم سے سبک دوشی کی دعا

در بابِ نظامت حضرت اقدسؒ کی آپ پر خصوصی نظر وعنایت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں آپ جب ۱۴۰۵ھ میں نظامتِ تعلیم سے سبک دوش ہوئے اور جامعہ کے ایک اُور استاذ صاحب (جو خود بھی بڑے بارعب و باوقار ہیں) کو نظامتِ تعلیم کے لیے تیار کرنا چاہا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ ''آپ کے سر پر تو بزرگوں کا ہاتھ ہے'' معذرت ظاہر کردی۔

بیس سال نظامتِ تعلیم کے ہو چکنے کے بعد چند مشکلات کے پیشِ نظر تدریس کے ساتھ نظامت کا کام بوجھ محسوس ہونے لگا، چناں چہ ایک خط میں حضرت فقیہ الامت کو لکھا:

''نظامت کا کام بھی بڑا مشکل ہے، اس کے لیے بھی دعا فرمائیں، حضرت اقدس کی غائبانہ توجہات وعنایات کا خواہش مند ہوں''۔ (مکتوبات فقیہ الامت ۴/۲۰۹)

ایک اور خط میں تحریر فرمایا:

”دن بہ دن نظامت کی ذمہ داری کا بار زیادہ محسوس کرتا جا رہا ہوں اور اکثر و بیشتر یہ جذبہ اور خواہش شدت سے دل میں ہوتی ہے؛ بلکہ دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ اس ذمہ داری سے سبک دوش فرمائے، اور تدریسی مشغولیت کے لیے خاص فرمائے، خصوصاً اس لیے بھی کہ حضرت مہتمم صاحب دن بہ دن اپنی ذمہ داری میرے سر ڈالنے لگے ہیں اور طلبا اور مدرسین کے معاملات خاصے پریشان کن رہتے ہیں۔ حضرت والا توجہات و دعاؤں سے مدد فرمائیں۔ (ایضاً:۲۴۸)

نظامت تعلیم سے استعفاء

بار بار اس راہ کی پیچیدگیوں کو حضرت مہتمم صاحب کے سامنے پیش کر کے اس ذمہ داری سے سبک دوشی کی درخواست کرتے؛ لیکن شنوائی نہ ہوتی، بالآخر ۱۴۰۴ھ میں نظامتِ تعلیم سے مستعفی ہونے پر مجبور ہو گئے، تحریراً استعفا پیش کر دیا جو مجلسِ شوریٰ نے باتفاقِ رائے مسترد کر دیا، نامنظوری کی خبر ان الفاظ میں دی گئی:

۵/ ۷/ ۱۹۸۴ء

محترم جناب مولانا احمد خانپوری صاحب

بعد از سلام مسنون!

عرض ہے کہ مہتمم صاحب نے آپ کی جانب سے موصول استعفانامہ در سلسلۂ ناظمِ تعلیمات ۸/شوال ۱۴۰۴ھ کو مجلسِ شوریٰ میں پیش کیا تھا، جس پر تبادلۂ خیال کے بعد مجلسِ شوریٰ باتفاقِ ارکان آپ کے استعفانامہ کو نامنظور کرتی ہے، جس سے آپ مطلع رہیں۔

خادم: محمد سعید بزرگ (مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

جب اس طرح سے کام نہ چلا تو مفتی صاحب نے ایک نہایت اہم فیصلہ کیا، وہ یہ تھا کہ اگر نظامت کی ذمہ داری سے سبک دوش نہ کیا تو پھر جامعہ سے رختِ سفر باندھنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

حضرت مہتمم صاحب ۱۳۹۴ھ کے انتشار میں مفتی صاحب کے فیصلۂ استعفا کو آزما چکے تھے؛ اس لیے ان کو یقین ہوگیا کہ اب کی بار نظامت والا استعفا نا منظور کرنا گویا ایک مؤقر باصلاحیت مدرس سے ہاتھ دھونا ہے۔ استعفاء کی اصل کاپی موجود ہے، راقم اس کو بعینہ قارئین کے سامنے پیش کردینا چاہتا ہے، استعفا نامہ پر تاریخ نہیں لکھی ہے؛ لیکن اس کے جواب میں ۲۰/ جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ نوشتہ ہے۔

آپ کا استعفا

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام حضرت قبلہ مہتمم صاحب دامت برکاتہم

سلام مسنون!

اس سے قبل بھی اپنی بات پیش کرچکا ہوں، اب آخری عرض ہے کہ نظامت کی وجہ سے جوز دوکوب کی نوبت آتی ہے اس سے طبیعت پر بے حد اثر پڑتا ہے، دو روز سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں، اسی زدوکوب کی نحوست ہے کہ درس حدیث کے نتیجہ میں جو قلبی سکون ہونا چاہیے اس سے بھی محروم ہوں۔ اس اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ کے ہاتھوں یہ نظام چلا رہا ہے مجھے اس مخمصہ سے نجات دلائیں، اب میں تمام ذہنی و دماغی تأثرات سے عاجز آچکا ہوں، نہ رات میں نیند ہے اور نہ دن میں آرام، اگر اسی طرح

بزرگوں کے ذریعہ میرے اوپر دباؤ ڈلواڈلوا کر مجبور کرتے رہے اور اس ذہنی انتشار سے نجات نہ دی تو اندیشہ ہے کہ کبھی میں کوئی غلط اقدام نہ کرلوں۔

آپ اپنے صاحب زادے مولانا احمد صاحب سلمہٗ کو باوجود شوری کی منظوری کے اس کام میں نہیں لگارہے ہیں اور مجھ پر دباؤ ڈلواڈلوا کر کام کروا رہے ہیں، یہ دو پیانے کیوں؟ کیا میں کبھی اپنے اس ذہنی مخمصہ سے نہ نکلوں؟ کیا اس کی صورت صرف یہی ہے کہ میں جامعہ چھوڑ دوں؟ کیا میرے لیے صرف تدریس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ مولانا احمد صاحب سلمہٗ کو نیابتِ اہتمام پر لگائیں اور وہ دھیرے دھیرے یہ ذمہ داریاں سنبھال لیں؟

کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ طلبہ کے ساتھ میری طرف سے ہونے والی مار پیٹ تشدد وغیرہ سے بچ سکوں؟ کیا کوئی ایسی صورت نہیں کہ میں خاموشی اور سکون کے ساتھ یہاں تدریسی خدمات انجام دے سکوں اس طرح کہ سب میرے شر سے محفوظ رہیں اور میں سب کے شرور سے محفوظ رہوں؟ اگر آپ مولانا احمد صاحب سلمہٗ کو اس ذمہ داری سے علیحدہ رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں تو پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ مولانا یوسف صاحب کو نائب ناظمِ تعلیمات کا چارج (باقاعدہ تنخواہ کے ساتھ) دیں اور ان کے دو تین گھنٹے اس طرح خالی کردیں جس طرح میرے ہیں اور طلبا کے سب معاملات انہی کے سپرد فرمادیں اور مجھے طلبا کے تمام معاملات سے الگ فرمادیں؟

میں اب اتنا کمزور ہو چکا ہوں کہ مجھ میں اس بار برداری کی قوت نہیں ہے۔ بار بار درخواست دینے پر بھی آپ توجہ نہیں فرماتے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ شریفانہ طریقہ سے کوئی بات پیش کرنا جرم ہے جس کی سزا یہ کہ وہ بات مانی نہیں جائے گی۔ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً

سچ ہے تو اب مجھے نہایت خاموشی کے ساتھ یہاں سے رختِ سفر باندھنا چاہیے۔ والسلام

مذکورہ بالا تحریر کا طرزِ نگارش صاف بتا رہا ہے کہ آپ نظامت سے نہایت ہی عاجز آچکے تھے، جس کی وجہ سے بہت ہی دل برداشتہ تھے اور استعفا کی نامنظوری کی صورت میں رختِ سفر کا تہیہ کر لیا تھا۔

چناں چہ حضرت مہتمم صاحب کے لیے استعفا منظور کئے بغیر چارۂ کار نہ تھا، منظور کر لیا، جس کی اطلاع حسبِ ذیل الفاظ میں دی گئی۔ منظور نامہ سے حضرت مہتمم صاحب کے عالی ظرف، شریفانہ برتاؤ اور حسنِ معاملہ کا جہاں اندازہ ہوتا ہے اسی طرح ان کی بزرگانہ شفقت، خُرد نوازی سطر سطر سے جھلکتی ہے۔

استعفا کی منظوری

۲۰/ جمادی الاول ۱۴۰۵ھ مخدومی حضرت ناظم صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ نے مشرف فرمایا، مجھ ناکارہ کی معذوری کی وجہ سے آپ کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور پہنچ رہی ہے جس سے بہت زیادہ شرمندگی ہے، آپ کے مخلصانہ تعاون نے مجھے ایک حد تک بے فکر بنا رکھا ہے۔ جزاکم اللہ فی الدارین احسن الجزاء. میں دل سے اس تعاون کی قدر کرتا ہوں۔

الحمد للہ! تعلیمی سال بہ خیر اطمینان سے ختم ہو رہا ہے، ان شاء اللہ آئندہ تعلیمی سال کے شروع سے مولوی یوسف صاحب کو نائب ناظم بنا کر آپ کے مشورہ سے تقسیم کار پر عمل کیا جائے گا، تقسیمِ اسباق کے وقت ان کے اسباق کم کر دیے جائیں گے، اور خادم

زادہ احمد سلمہ کو بھی اس تقسیمِ کار میں شامل کریں گے، بے فکر رہیں اور اپنا مخلصانہ تعاون جاری رکھیں۔ فقط

احقر خادم محمد سعید عفی اللہ عنہ، ۱۱/ فروری ۸۵ء

رابطے کا تعلق پھر بھی رہا

۱۴۰۵ھ کے بعد نظامت سے دست بردار ہو کر صرف درس وتدریس کی خدمت سر انجام دیتے رہے، لیکن بایں ہمہ نظامت سے ضابطہ کا تعلق ختم ہونے کے بعد بھی رابطہ کا تعلق باقی رہا، چناں چہ بعد کے دور میں آنے والے ناظمِ تعلیمات کے دورِ نظامت میں طلبہ کے اہم اور پیچیدہ مسائل میں اور اس راہ کے دیگر امور میں پیش پیش رہے اور حتی الوسع اس خدمت میں ذرہ برابر کمزوری اور کوتاہی نہیں آنے دی؛ لیکن یہ ہاتھ بٹانا از راہِ تبرع تھا، آپ کی ذمہ داری میں داخل نہیں تھا، اس لیے کہ جب آپ کو ۱۴۰۶ھ میں جامعہ میں صدر مفتی کے منصب پر فائز کیا تھا تو آپ نے شرط کی تھی کہ اِفتاء کا کام یکسوئی چاہتا ہے نظامت کے ساتھ اِفتاء کا کام مشکل ہے، چناں چہ آپ کی یہ شرط منظور کی گئی تھی۔

دارالعلوم بولٹن میں تقرر کی سعی

حضرت مفتی صاحب کو ڈابھیل ترک کر کے بارہا دیگر مقامات پر بھی درس وتدریس کی نہ صرف دعوت دی گئی، بلکہ حضرت مولانا یوسف صاحب متالا نے تو اس کی پیہم سعی وکوشش کی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مولانا موصوف بولٹن میں ایک دارالعلوم قائم فرما رہے تھے اور غالباً قائم فرما چکے تھے، وہاں تدریس وافتا کے لیے ان کی نظرِ انتخاب حضرت مفتی صاحب پر پڑی اور اس مقصد کے لیے انھوں نے خود ڈابھیل تشریف لا کر

آپ سے ملاقات فرمائی۔ آپ نے معذرت کرنی چاہی تو انھوں نے ہی آپ کو یہ مشورہ دیا کہ حضرت شیخ سے مشورہ فرمالیں، چناں آپ نے حضرت شیخ کو خط لکھا اور اس کی اطلاع حضرت فقیہ الامتؒ کو بھی دے دی، تو حضرت فقیہ الامتؒ نے آپ کو مکتوب لکھا کہ:

''عزت، دولت، ترقی کے لالچ میں ایسی جگہ چھوڑ کر جانا جہاں عافیت کے ساتھ خدمتِ دین کا موقع مل گیا ہو، ماحول سازگار ہو، اعزہ کی پرورش اور خدمت میں سہولت ہو، فتنوں سے امن ہو، ہرگز نہیں چاہیے، اکابر کی تجویز ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ خطرہ نہیں''، اور بالآخر آپ نے اسی پر عمل فرمایا۔ واضح رہے کہ مولانا موصوف بھی اپنے مزاج کے خلاف آپ پر اعتماد کرتے ہوئے بولٹن میں تقرر کے خواہاں تھے۔ (دیکھیے مکتوبات فقیہ الامت ۱۶۱/۴)

اسی کا اثر ہے کہ باجود مناصب کی پیش کش کے آپ کبھی کسی اور جگہ منتقل ہونے کے بارے میں خیال تک نہیں لاتے۔ ایک دفع ماہِ صفر ۱۴۱۸ھ میں آپ نے عارف باللہ حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کی معیت میں دورۂ برطانیہ فرمایا، جس کے لیے بمبئی ایمبیسی میں ویزا حاصل کرنے گئے تو ویزا دینے والوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر آپ وہاں ٹھہر گئے تو؟ حضرت مفتی صاحب نے برملا جواب دیا کہ ''آپ صرف آٹھ دن کا ویزا دیجیے اور ہم نے تو طے کرلیا ہے کہ ہمارا جنازہ ڈابھیل سے نکلے گا، وہاں ٹھہر کر کیا کریں گے''۔ (مکتوبات فقیہ الامت ۶۱/۴)

باب سوم

مفتی صاحب بہ حیثیت صدر مفتی

ہندوستان میں نظام افتا

ہندوستان میں جب تک اسلامی حکومت رہی اس وقت تک عموماً اسلامی قانون رائج رہا، لیکن جب مسلم دورِ حکومت ہماری شامتِ اعمال سے ختم ہوا، اسلامی نظام بھی رخصت ہوا، انگریز کے ناپاک قدم جب سے اس ملک میں پڑے انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں اسلامی نظام کے ساتھ اسلامی تعلیم کو بھی ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا، لارڈ میکالے کے ''کالے'' نظامِ تعلیم نے مسلمانوں کو کتاب وسنت اور احکامِ شریعت کے علم سے دور کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ لوگ اسلامی اور دینی اصطلاحات سے بھی جاہل و ناواقف رہنے لگے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ان علمائے کرام کو جنہوں نے بطورِ خود اسلامی نظام کی یادگار کو کسی نہ کسی شکل میں باقی رکھنے کے لیے تن، من اور دھن کی بازی لگادی۔

۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں دار العلوم دیوبند قائم ہوا، جب اس کی شہرت بامِ عروج پر پہنچی تو عام مسلمان مسائلِ شریعت کے سلسلہ میں دار العلوم کے علما سے رجوع کرنے لگے اور چند ہی سال کے بعد دار العلوم کے اربابِ حل وعقد نے دار الافتا کی ضرورت محسوس فرمائی۔

دار العلوم دیوبند میں افتا کی خشتِ اول

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

۱۳۱۰ھ میں حضرت قطبِ عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سرپرست دارالعلوم کی تجویز سے دارالافتا کے لیے باضابطہ عہدۂ افتا تجویز ہوا، اور حضرت اقدس نے اپنی فراستِ باطنی سے وہ تمام جوہر جو ایک ذمہ دار مفتی میں درکار ہیں حضرت مفتیٔ اعظم (مراد عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ (م ۱۳۴۷ھ) مفتیٔ اول دارالعلوم دیوبند) میں دیکھ کر آپ کو عہدۂ افتا کے لیے نامزد فرمایا۔

اس لیے حضرت مفتیٔ اعظم دارالعلوم کے مفتی ہی نہیں؛ بلکہ یہاں کے عہدۂ افتا کا نقطۂ اولی بھی ہیں جس کا آغاز ہی حضرت ممدوح کی ذاتِ گرامی سے کیا، اور آپ یہاں کے قصر افتا کے لیے خشتِ اول ثابت ہوئے جس پر آگے کی تعمیر کھڑی ہوئی۔ (مقدمۂ فتاوی دارالعلوم)

کاروانِ علم وعمل کی آمد

۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں زبردست اسٹرائک ہوئی جس کی وجہ سے برگزیدہ علمائے ربانی کی ایک جماعت ڈابھیل کے چھوٹے سے مدرسہ میں منتقل ہوگئی، جن کی آمد سے ۱۳۴۶ھ میں "مدرسہ تعلیم الدین" جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین کے قالب میں تبدیل ہوگیا، اس مقدس جماعت کی تشریف آوری کے بعد سملک وڈابھیل کے زمین وآسمان ہی بدل گئے، اس جماعت میں فقہ، حدیث اور تفسیر کے ائمہ بھی موجود تھے، فقہ کے امام سے مراد دارالعلوم دیوبند کے مفتیٔ اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ کی شخصیت ہیں (جو ضعف کی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد تشریف لائے تھے) جن کے تفقہ

وتدین کے چرچوں سے ہندوستان گونج رہا تھا۔

جامعہ کا دار الافتا اور اس کے فقہائے سبعہ

جامعہ ڈابھیل میں جب سے فتاوی نویسی کا سلسلہ شروع ہوا منصبِ افتا پر جن ماہر مفتیانِ کرام کا تقرر عمل میں آتا رہا ان کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

(۱) مفتیٔ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ: (م ۱۳۴۷ھ)

آپ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کے بڑے بھائی تھے، ۳۵/سال مسلسل دار العلوم دیوبند میں فتوی کی اہم خدمت آپ ہی کے سپرد رہی، اس عرصہ میں ہزارہا فتاوی تحریر فرمائے جو ''عزیز الفتاوی'' اور ''فتاوی دار العلوم'' کے نام سے منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔

محرم الحرام ۱۳۴۷ھ کی آخری تاریخوں میں امام العصر محدثِ دوراں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث اول جامعہ ڈابھیل یکا یک علیل ہو کر تبدیل آب وہوا اور علاج کی غرض سے دیوبند تشریف لے گئے تو حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ سے درخواست کی گئی کہ آپ تشریف لاکر بخاری شریف ختم کرادیں۔

حضرتؒ نے درخوست قبول فرمالی اور ۱۷/ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ کو جامعہ میں تشریف لے آئے اور بخاری شریف کے درس میں مشغول ہوگئے، ابھی تشریف آوری کے دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ جمادی الاُخری کے اوائل میں ایک اہم اور ضروری کام کی وجہ سے آپ کو دیوبند تشریف لے جانا پڑا، دیوبند پہنچتے ہی بیمار پڑ گئے، اور ۱۲/ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ یوم جمعہ کو جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر اختیار کیا۔

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب جامعہ کے پہلے مفتی ہیں، جامعہ میں قلیل عرصہ (دو ماہ تقریباً) قیام رہا، حضرت قاری محمد طیب صاحب کی تحریر کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے: دار العلوم دیوبند کی طرح یہاں کے عہدۂ افتا کا نقطۂ اولی اور خشتِ اول بھی آپ ہی ہیں جس پر آگے کی تعمیر کھڑی ہوئی۔

(۲) حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ (متوفی ۱۴۰۴ھ)

آپ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ کے صاحب زادے ہیں، ۱۳۴۶ھ میں جو قافلہ دار العلوم دیوبند سے سرزمینِ ڈابھیل میں وارد ہوا اس میں آپ بھی شامل تھے، جامعہ کے مفتیٔ اول حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کے وصال کے بعد حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کو دار الافتا کی صدارت کے لیے منتخب کیا گیا۔

جامعہ کی اردو روئداد میں عنوان قائم کیا گیا ہے "حضرت مفتی صاحب کے بعد منصبِ افتا" اس کے ذیل میں لکھا ہے: حضرت مرحوم (مراد حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ) کی وفات کے بعد سے شعبۂ افتا کے اہم فرائض آپ کے خلف الصدق مولانا حافظ قاری مفتی عتیق الرحمن صاحب سلمہ سے کلیتاً متعلق ہیں، مولانائے موصوف اپنے والد مرحوم کی نگرانی میں سالہا سال تک فتوی نویسی کی ذمہ دارانہ خدمات انجام دیتے رہیں۔ مرحوم کی حیات ہی میں آپ کی مہارتِ افتا مسلم تھی، اور حضرت مرحوم کو آپ کے فتاوی پر پورا اعتماد و اطمینان تھا، اسی کا نتیجہ ہے کہ تدریس کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ آپ اس عہدہ کے فرائض بھی خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں، اور جامعہ میں ہند و بیرونِ ہند سے جو استفتا آتے ہیں ان کے جوابات کی خدمت مستقل طور پر آپ ہی کے سپرد ہے۔ (روئداد ۱۳۴۷ھ)

۱۳۴۶ھ تا ۱۳۵۱ھ جامعہ میں تدریسی اور فتاوی نویسی کی خدمات انجام دیں، ۱۳۵۱ھ میں ظالم انگریز کے خلاف جرأت مندانہ اقدام کرتے ہوئے ایک تاریخی فتویٰ تحریر فرمایا جو جامعہ سے علیحدگی کا سبب بنا۔ فتوی اور اس سلسلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے راقم کا مرتبہ ''اجلاس صد سالہ'' ص ۱۸۲ تا ۱۸۵۔ فتاویٰ جامعہ از ص: ۹۳ تا ۱۰۲

(۳) حضرت مولانا احمد بزرگ سملکیؒ (متوفی ۱۳۷۱ھ)

حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحبؒ کی تشریف بری کے بعد جامعہ کے اہتمام کے ساتھ فتاوی نویسی کی خدمات تقریباً تین سال تک حضرت مولانا احمد بزرگؒ نے انجام دیں۔ حضرت مولانا احمد بزرگؒ امام ربانی، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے آخری مرید، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے شاگرد و خادم، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے صحبت یافتہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سابق مہتمم ہیں۔ جامعہ کے مہتمم بنائے جانے سے پہلے سورتی جامع مسجد رنگون (برما) کے دارالافتا میں ''مفتیٔ اعظم برما'' کی حیثیت سے ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۱ء تک وقیع خدمات انجام دے چکے تھے، مولانا احمد بزرگؒ کی دینی وملّی خدمات کے موضوع پر راقم کی کتاب ''نقوش بزرگاں'' جلد اول کا مطالعہ کیجئے۔

(۴) مفتیٔ گجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ (متوفی ۱۳۷۱ھ)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے خصوصی شاگرد تھے، ۱۳۵۴ھ میں جامعہ کے منصبِ افتا پر تقرر ہوا، اس سے پہلے سورتی جامع مسجد رنگون برما میں ''مفتیٔ اعظم'' کی حیثیت سے وقیع خدمات انجام دیں، وہاں ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۵ء یعنی دس سال قیام رہا۔

گجرات میں آپ کی ذات مرجعِ خلائق تھی، گجرات کے نہ صرف عوام بلکہ علما میں بھی آپ کے فتاوی کو قدر و منزلت حاصل تھی۔

آپ کے فتاوی گجرات کے ہفتہ وار اخبار "مسلم گجرات" اور "ماہنامہ الاصلاح" میں شائع ہوتے تھے، ان فتاوی کی پانچ ضخیم جلدیں آپ کے پوتے، جامعہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم نے بڑی عرق ریزی کے بعد از سرِ نو جدید ترتیب دے کر شائع فرمائے ہیں، شائع شدہ حصہ کم ہے، ابھی اور ہزاروں گجراتی وار دو فتاوی منظرِ عام پر لانے کی کاوش جاری ہے جو کم از کم دس جلدوں پر مشتمل ہوں گے۔ مفتی بسم اللہ کے فتاوی پر ہندوستان کے بڑے بڑے علما نے اطمینان ظاہر فرمایا ہے۔

آپ کے انتقال کے بعد "مجلسِ خدام الدین" سے "الاصلاح" کا خصوصی شمارہ شائع کیا گیا جو مختلف حضرات کے مضامین وخراجِ عقیدت پر مشتمل ہے، اس میں ایک مضمون حضرت مولانا مفتی احمد بیماتؒ سابق شیخ الحدیث فلاح دارین ترکیسر کا ہے اس میں ہے:

"کسی مسئلہ میں چند مفتیانِ کرام کے فتاوی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں پہنچے، حضرت نے جب مفتی اسماعیل صاحبؒ کا فتوی ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ "اس شخص کے فتوی میں تفقہ کی خوشبو آتی ہے"۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے ایک شاگرد مولانا مفتی عبد الباقی صاحب مدظلہ (مقیم برطانیہ) سے فرمایا تھا کہ: "ہمارے ساتھی مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب بڑے اونچے فقیہ ہیں، ان کے فتاوی دیکھتے رہنا"۔

مفتی بسم اللہ صاحب دار الافتا کے چوتھے صدر مفتی ہیں، فتاوی کی تعداد اور مدتِ خدمت دونوں حیثیت سے سابق مفتیانِ کرام پر فوقیت کے حامل ہیں، ۲۳/ سال

جامعہ کے دارالافتا کے منصب پر فائز رہے، فتاوی کی تعداد ۳۵/ ہزار بتائی جاتی ہے۔

نوٹ: مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب کی سوانح کا جامع مرقع حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا ہے، جو ''فتاوی سنگرہ'' جلد اول کے شروع میں ہے۔ راقم الحروف نے اسی مرقع کی روشنی میں چند اضافوں کے ساتھ ''نقوش بسم اللہ'' مرتب کی ہے جو الحمد للہ منظرِ عام پر آچکی ہے، اس میں مفتی بسم اللہ صاحب کی دینی وملی خدمات کی تفصیلات موجود ہیں۔

زمانۂ فترت

حضرت مفتی بسم اللہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد ۱۳۸۴ھ تک (شوال ۱۳۷۸ھ تا ۱۳۸۴ھ) چھ سال تک مسندِ افتا خالی رہا، باقاعدہ کسی مفتی کا تقرر بہ حیثیت مفتی عمل میں نہیں آیا، استفتاء کی آمد اور اس کے جوابات کا سلسلہ پھر بھی کچھ نہ کچھ جاری تھا، مہتمم جامعہ مولانا محمد سعید بزرگؒ فتاوی نویسی کا کام حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً حضراتِ اساتذہ سے لیتے تھے، اس دور کے نقولِ فتاوی کے رجسٹر میں مجیب کی جگہ مولانا احمد بیمات صاحب اور مولانا قمر الدین صاحب بڑودویؒ وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔

(۵) حضرت مفتی اسماعیل محمد گورا راندیریؒ (متوفی ۱۳۸۹ھ)

اس سے پہلے سورتی جامع مسجد رنگون برما میں مفتی کی حیثیت سے دس سال تک (۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۲ء) اہم خدمت انجام دے چکے تھے، آپ کے فتاوی بھی ہفت واری اخبار ''مسلم گجرات'' میں شائع ہوتے تھے، مفتی گورا صاحب اپنی خندہ پیشانی اور ملنساری کی وجہ سے ہر دل عزیز اور اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے ہند و بیرونِ ہند میں مشہور تھے،

آپ کے جوابات ''قلّ ودلّ'' کے مصداق ہوتے تھے۔

(۶) حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے شاگرد و مجاز ہیں، دیوبند میں حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحب سے فتاویٰ نویسی کی مشق کی، شیخ الحدیث صاحب اور فقیہ الامت کے ایما پر جامعہ میں افتا کی ذمہ داری قبول فرمائی تھی، ۶/ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ میں جامعہ ڈابھیل میں تقرر ہوا، تدریس کے ساتھ جامعہ کے سابق مفتی حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب گورا کی زیر نگرانی فتاویٰ تحریر کرتے رہے، ان کے معتمد تھے، ۱۳۸۹ھ میں مفتی گورا صاحب کے وصال کے بعد جامعہ کے صدر مفتی منتخب کئے گئے۔

آپ کے فتاویٰ گجراتی اخبار ماہنامہ ''تبلیغ'' میں شائع ہوتے تھے، آپ کے دورِ صدارت میں مفتی بنانے کا کورس جاری ہوا، آپ کے دورِ صدارت میں ۲۰/ طلبا نے تکمیل افتا کی سعادت حاصل کی۔ فقہ وفتاویٰ سے خاص مناسبت تھی، فنِ فقہ میں مہارت کے بعض واقعات راقم نے ''مکتوباتِ فقیہ الزمن'' کے مقدمہ میں تحریر کئے ہیں۔ ۱۴۰۶ھ میں جامعہ ڈابھیل سے مستعفی ہوئے۔

مفتی صاحب مسندِ افتا پر

(۷) حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم

آپ جامعہ کے ساتویں مفتی ہیں، افتائی خدمات کے سلسلہ میں سابق تمام مفتیانِ

کرام سے فوقیت لے گئے، آپ کی خدمات کے مختلف پہلو ہیں ان ہی کو یہاں اجاگر کرنا ہے، سب سے پہلے افتا کی مدتِ خدمت پر نظر کرنا ہوگا اس کو جاننے کے لیے سابق مفتیانِ کرام کی مدتِ خدمت جاننا ضروری ہے:

نمبر شمار	مفتیانِ کرام	ابتداء	انتہاء
۱	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ (مدتِ خدمت تقریباً دو ماہ)	۷/ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ	اوائلِ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ
۲	حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی (مدتِ خدمت ساڑھے چار سال)	۱۲/ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ	ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ
۳	حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکیؒ (مدت خدمت تقریباً ۳/ سال)	ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ	یکم ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ
۴	حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ۔ (مدتِ خدمت تقریباً ۲۳/ سال)	یکم ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ	۱۶/ شوال ۱۳۷۸ھ
	منصبِ افتا خالی	۱۶/ شوال ۱۳۷۸ھ	۱۳۸۴ھ
۵	حضرت مولانا مفتی اسماعیل گورا صاحب راندیریؒ (مدتِ خدمت ۶/ سال)	۱۳۸۴ھ	ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

۶	حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب دامت برکاتہم۔ (مدتِ خدمت تقریباً ۱۷/سال)	ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ	۳۰/ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ
۷	حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم (تادمِ تحریر مدتِ خدمت ۲۳/سال ۴/ماہ)	۳۰/ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ	تاحال

۱۳۹۶ھ کے خلفشار کے زمانہ میں (جس کا ذکر سابق میں گذر چکا) حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ایما پر "بذل المجھود" کی طباعت میں تعاون کی غرض سے "بیروت" تشریف لے گئے تھے، اس وقت تین، چار ماہ فتاوی نویسی کا کام حضرت مفتی احمد صاحب مدظلہ نے انجام دیا تھا، مفتی اسماعیل صاحب کی تشریف آوری کے بعد فتوی کا کام اصل کی طرف منتقل ہوگیا تھا، چونکہ وہ کام صدر مفتی کی حیثیت سے نہیں کیا تھا اس لیے مذکورہ مدتِ خدمت میں راقم نے اسے شمار نہیں کیا۔

بہر حال جامعہ میں فتوی کی عظیم ذمہ داریاں جو ۲۳/سال سے زائد عرصہ پر محیط ہیں جزوِ زندگی بنی ہوئی ہیں، اس آخری دور میں اور زیادہ ہمہ گیر ہوگئیں، دنیا بھر کے ممالک سے فقہی سوالات کا تانتا بندھا رہتا ہے، جن مسائل میں مفتیانِ کرام کے مختلف فتاوی ہوں وہ بھی محاکمہ کے لیے آپ ہی کے پاس بھیجتے ہیں، روزانہ کی ڈاک میں فتاوی کے علاوہ آپ کے مریدین و متعلقین کے خطوط بھی بہ کثرت آتے ہیں، آپ کی مقبولیت کی بنا پر بعض تشنگانِ علم افتا کا کورس کسی اور جگہ سے مکمل کر چکنے کے باوجود فیض یاب ہونے

کے لیے آتے ہیں۔

آپ کے تلامذہ جنہیں آپ سے بلاواسطہ فیض یاب ہونے کا موقع ملا اور تکمیل افتا کی سعادت حاصل کی اور اپنے اپنے علاقوں میں فتاوی نویسی اور دیگر خدماتِ دینیہ میں مشغول ہیں ان کی بڑی تعداد ہے، ان سب امور کی تفاصیل کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے، راقم اختصاراً صرف چند پہلوؤں کا ذکر کرتا ہے:

حضرت فقیہ الامتؒ کا مشورہ

۱۴۰۶ھ میں عید الاضحیٰ سے پہلے جامعہ کے صدر مفتی حضرت مولانا اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ (خلیفہ ومجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حال مقیم بریڈ فورڈ، برطانیہ) جامعہ سے مستعفی ہو گئے، جامعہ کے دور اندیش اور مردم شناس مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ نے فتاوی نویسی کے لیے مفتی صاحب مدظلہ کو نامزد کرنا چاہا؛ مگر مفتی صاحب کے تمام امور حضرت اقدسؒ کے مشورہ کے تابع تھے، اس لیے اثبات یا نفی میں جواب دئے بغیر حضرت اقدسؒ سے مشورہ طلب فرمایا، مفتی صاحب نے حضرتؒ کے یہاں ایک سال افتا کا کورس مکمل کیا تھا اور فتاوی نویسی کی مشق بھی کی تھی، حضرتؒ آپ کی خداداد صلاحیت سے خوب واقف تھے، اس لیے دار الافتا کے لیے کوئی جدید انتظام کا مشورہ دینے کے بجائے حضرت مہتمم صاحب کے خیال کی تائید وتوثیق فرمائی۔ چناں چہ حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ کے مستعفی ہونے کی خبر اور افتا کے لیے حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے کی گئی پیش کش کی خبر دیتے ہوئے حضرت مفتی صاحب بنام فقیہ الامت ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مہتمم صاحب نے ایک دن مجھے بلاکر فرمایا کہ تجھے دار الافتا میں وقت دینا ہے، اس لیے کہ مفتی اسماعیل صاحب الگ ہو رہے ہیں، اور مفتی عباس صاحب کا بھی دیوبند جانے کا نظام بن رہا ہے، اس لیے تو ہی اس میں تین چار گھنٹے وقت دے، میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔۔۔حضرت والا جو ارشاد فرمائیں اس پر ان شاء اللہ تعالیٰ عمل ہوگا۔

حضرت فقیہ الامتؒ نے جواب تحریر فرمایا:

میری رائے تو یہ ہے کہ افتا کے لیے کسی دوسرے انتظام کی ضرورت نہیں، اب مولوی عباس صاحب کو بھی یہاں بھیجنے کی ضرورت نہیں، آپ کا کچھ وقت فارغ کیا جائے، آپ فتوی لکھیں اور ان سے کام لیا جائے، اللہ تعالیٰ نصرت فرمائے۔۔۔۔

املاہ: العبد محمود غفرلہ، ۱۲/ ۱۱/ ۱۴۰۶ھ

یہی جواب حضرت مہتمم صاحب کے نام لکھا اس کے الفاظ ہیں:

''میرے خیال میں مولانا احمد صاحب خانپوری مدظلہ کا کچھ وقت افتا کے لیے تجویز ہو جائے اور وہ اپنی نگرانی میں مولوی عباس صاحب سے کام لیں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ جامعہ کا یہ شعبہ بھی ٹھیک چلتا رہے گا اور کسی جدید مفتی کے تقرر کی ضرورت نہیں پیش آئے گی''۔

منصبِ افتا پر آنے کے چند روز بعد ایک فاضلِ جامعہ جو اُس وقت جامعہ کے مدرس تھے اور اِس وقت دار العلوم زکریا لینیشیا ساؤتھ افریقہ میں استاذِ حدیث ہیں (مراد استاذِ محترم حضرت مولانا سلیمان چوکسی صاحب مدظلہ) انھوں نے ایک خواب دیکھا جو انہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

مولانا سلیمان صاحب چوکسی مدظلہ کا خواب

میں نے خواب دیکھا کہ ایک جگہ مدرسہ جامعہ کی مملوکہ ہے، جہاں بڑے بڑے

درخت تھے، انہی درختوں کے بیچ میں جگہ جگہ لوگوں کی کٹی ہوئی کھیتیاں پڑی تھیں جس کی حفاظت کے لیے ایک گھر بنا ہوا تھا، یہ گھر بہت پرانا تھا، البتہ مضبوط تھا، اسی جگہ کے کنارے پر ایک ٹھنڈے پانی کا چشمہ تھا، جس کی یہ کیفیت تھی کہ ٹھنڈک کی کثرت کی وجہ سے برف بن جاتا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت استاذی مولانا احمد صاحب خانپوری دام مجدہ مدرسہ کا ان کا موجودہ رہائشی مکان چھوڑ کر اسی مکان میں رہنے کے لیے منتقل ہو گئے، اس کے بعد موصوف کے گھر (خواب ہی میں) نظام الدین مرکز سے مولانا ابراہیم دیولوی زید مجدہ مہمان بن کر تشریف لائے، مہمان کی خدمت کے لیے استاذ المکرم نے مجھ ناچیز (سلیمان کاوی) کو مامور فرمایا، اور فرمایا کہ مہمان کے لیے کسی درخت کے نیچے سونے کا انتظام کرو، میں نے حسب الحکم اسی پانی کے چشمہ کے قریب نظم کیا۔ اسی درمیان میں مہمان نے میزبان سے پوچھا کہ مکان کیوں تبدیل کر لیا؟ میزبان نے فرمایا کہ یہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا مکان ہے، چونکہ یہاں سکون زیادہ ہے، پانی وغیرہ کا بھی نظم ہے اس لیے یہاں منتقل ہو گیا ہوں۔ فقط

بندہ: سلیمان چوکسی

یہ خواب آج سے تقریباً ۲۳/ سال پہلے دیکھا گیا تھا اس کی تعبیر روزِ روشن کی طرح عمل میں آچکی ہے یعنی خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، خود حضرت مفتی صاحب نے راقم سے خواب کی تعبیر ان الفاظ میں بیان فرمائی:

”حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو خواب میں دیکھنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فتاوی کے باب میں اللہ تعالیٰ کی کفایت واعانت شامل ہو گی۔ (کفایت اللہ میں

ترکیبِ اضافی کا تقاضہ بھی یہی ہے۔راقم) پانی کا چشمہ ٹھنڈک کی کثرت کی وجہ سے برف بن جاتا تھا، اس سے میں سمجھا کہ فتاوی نویسی میں رفتہ رفتہ جماؤ پیدا ہوگا''۔انتہی بلفظہ

راقم کہتا ہے: خواب کے ایک جزء کی تعبیر رہ گئی وہ ہے ''مدرسہ کا ان کا موجودہ رہائشی مکان چھوڑ کر اسی مکان میں رہنے کے لیے منتقل ہو گئے'' کیا ایسے واضح جزء کی تعبیر کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ نہیں اور بالکل نہیں، عیاں راچہ بیاں، مکیں کو جماؤ نصیب ہوگا تو کیا مکان کے بغیر؟ جی ہاں مکان کو بھی جماؤ ہوگا اور ہوا:

گر نہ بیند بروز شپّرہ چشم	چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

شرائطِ مفتی کا تحقق

فتاوی نویسی کا کام نہایت ہی نزاکت بھرا کام ہے، مفتی کے لیے مستقل شرائط واوصاف بیان کئے گئے ہیں جب تک وہ شرائط واوصاف فتوی دینے والے میں نہ پائے جائیں وہ فتوی دینے کا اہل نہیں، یہاں ان شرائط واوصاف کا بیان کرنا مقصود نہیں، صرف یہ بتانا ہے کہ مفتی صاحب میں وہ اوصاف تدریجاً قدرتی طور پر کیسے پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے کام لینا چاہتا ہے تو خود ہی اسباب پیدا فرما دیتا ہے، اور جب کسی سے توفیق سلب کرنا چاہتا ہے تو باوجود اسباب ووسائل مہیا ہونے کے قدرتی طور پر موانع پیش آجاتے ہیں۔قدرت کا یہ نظام دینی ودنیوی تمام امور میں جاری ہے، اللہ تعالیٰ کو مفتی صاحب سے فتاوی نویسی کا کام لینا تھا تو زمانہ طالبِ علمی ہی سے مفتیانِ کرام کی صحبتوں سے حظِ وافر عطا فرما دیا تھا۔

اکابر مفتیانِ کرام کی صحبت

① دار العلوم اشرفیہ راندیر کے اساتذہ میں گجرات کے مشہور مفتیانِ کرام مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری اور مفتی عبد الغنی کاوی صاحب اور مفتی سید مصلح الدین صاحب کا ذکر تفصیل سے سابق اوراق میں گذر چکا ہے نیز اسی زمانہ سے مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ کی خدمت میں ان کے فتاوی نقل کرنے کے لیے دولت کدہ پر روزانہ حاضری ہوتی تھی، جب تدریس کے لیے ڈابھیل تشریف لائے اس وقت بھی ایک مدت تک ہر جمعہ کو برابر حضرت کے پاس حاضری دیتے رہے، اور یہ نیاز مندانہ تعلق حضرتؒ کے آخری لحۂ حیات تک باقی رہا۔

۱۳۷۸ھ میں فقیہ الامتؒ سے فتاوی نویسی سیکھی، اس وقت سے جو تعلق قائم ہوا وہ مسلسل گہرا ہوتا رہا تھا جو طویل عرصہ یعنی تیس سال پر محیط ہے، ہندوستان کے دو مایۂ ناز و مشہور مفتی صاحبان (مراد مفتی لاجپوری صاحبؒ اور حضرت فقیہ الامتؒ) کی عنایات و توجہات اور پاکیزہ صحبت و لمحات جس شخصیت کو نصیب ہوئے ہوں اس کے بابصیرت و ماہر ہونے میں کیا تردد ہو سکتا ہے؟

فتاوی کے باب میں ماہر مفتی سے تلمّذ و صحبت کو بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ فتوی کا کام صرف جزئیات یاد کرنے یا کتابوں کی مراجعت کا نام نہیں ہے؛ بلکہ اس میں اور بھی بہت سے اصول مدِ نظر رکھنے پڑتے ہیں اور ان میں سے بہت سی باتیں ایسی ہیں جو لگے بندھے قواعد کے علاوہ مفتی کے لیے اپنے خداداد ملکۂ فقہیہ اور اس کے مزاج و مذاق سے تعلق رکھتی ہیں جو صرف کتابوں کے پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس

کے حصول کے لیے کسی ماہر مفتی کی طویل صحبت کی بھی ضرورت ہے۔

لو أن الرجل حفظ جميع كتب اصحابنا لا بد أن يتلمذ للفتوى حتى يهتدى اليه (شرح عقود رسم المفتی ۱۷۹)

آپ کی سند افتا کا واقعہ

بایں ہمہ جب مسندِ افتا آپ کو سپرد کی گئی تو بعض کرم فرما حضرات نے اعتراض کیا کہ جب تک سند نہ ہو اس وقت تک فتوی پر دستخط صحیح نہیں، اس کی اطلاع حضرت فقیہ الامتؒ کو کی گئی حضرت نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

''سند کا مضمون آپ کاتب سے لکھوالیں، میں وہاں حاضر ہوں گا تب دستخط کرالیں، آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی لکھتا ہوں کہ میرے پاس سند نہیں، کسی چیز کی بھی سند نہیں، ساری عمر اسی طرح گزر گئی ہے بے سند کے، اور کسی نے بھی نہیں پوچھا کہ تیری سند دکھا۔

(مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/۳۰۱)

حضرت فقیہ الامتؒ کی سند

یعنی حضرت فقیہ الامتؒ کے پاس بھی فاضل و مفتی کسی چیز کی سند نہیں تھی، جب کہ دار العلوم دیو بند و مظاہر العلوم سہارنپور دونوں میں حضرتؒ نے دورۂ حدیث پڑھا؛ لیکن وہاں کا حال یہ تھا کہ جو فارغ سند طلب کرتا، اس کو سند دے دی جاتی۔ حضرت فقیہ الامتؒ نے عمر بھر کبھی طلب ہی نہ فرمائی۔ نیز اس زمانے میں باقاعدہ دار الافتا میں طلبہ کا داخلہ بھی نہ ہوتا تھا، بلکہ اساتذہ کے پاس فتاویٰ نویسی کی مشق کر لیتے تھے، اس لیے مفتی کی سند بھی نہ تھی۔

ایک موقع پر حضرت فقیہ الامتؒ نے ارشاد فرمایا:

''جہاں تک اجازت وسند کا تعلق ہے، اس ناکارہ کے پاس ایک پرزہ بھی سند واجازت کا نہیں، عمر بغیر سند واجازت کے ہی بیت گئی، سند کا علوِشان دیکھنا چاہیں تو ''فتاویٰ رضویہ'' کی پہلی جلد کے شروع میں دیکھ لیں کہ اعلیٰ حضرت نے اللہ تعالیٰ تک اپنی سند پہنچائی ہے۔ احقر کا حال یہ ہے کہ اکابر نے اس خدمت پر مامور کیا، ۲۰، ۲۱ سال تک معین مفتی رہا اور فتاویٰ لکھ کر بڑوں کو دکھلا لیتا تھا، ان کی تائید وتوثیق کے بعد روانہ کرتا تھا۔ جگہ جگہ اصلاح بھی فرماتے تھے اور مظان ومواقع کی رہنمائی بھی''۔

(تربیت الطالبین، ص:۸۷۲) (دیکھیے مکتوبات فقیہ الامت ۴/ ۳۰۲، ۳۰۳)

صاحبِ ہدایہ اور آپ کا درسِ ہدایہ

(۲) کوئی بڑا آدمی یونہی آسانی سے بڑا نہیں بن جاتا بلکہ کسی بھی علم وفن میں کوئی مقام حاصل کرنے کے لیے بڑے مراحل سے گذرنا پڑتا ہے، مفتی صاحب کو عربی اول سے بخاری شریف تک تدریجاً درس وتدریس کا موقع ملا جس کے سبب درس نظامی کے تمام علوم اور بالخصوص فقہ وفرائض سے خاص مناسبت پیدا ہوچکی تھی۔ فتاوی نویسی میں خاص فقہ وفرائض سے زیادہ تر واسطہ پڑتا ہے، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کو سالہا سال پڑھا چکے تھے اس کے مسائل وضوابط پر گہری نظر تھی۔ جس طرح ہدایہ اپنی بعض منفرد خصوصیات کی بنا پر فقہ حنفی کی کتابوں میں ممتاز حیثیت کی حامل ہے اسی طرح تدریس کے دور میں مفتی صاحب کا درس ہدایہ ممتاز ومقبول درس شمار کیا جاتا تھا، بلکہ بعض طلبا درسِ ہدایہ کی مقبولیت سن کر محض ہدایہ پڑھنے کی خاطر جامعہ میں داخلہ لیتے تھے۔ اور یہ

بھی حسنِ اتفاق ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے ہدایہ کی تصنیف ۱۳ر سال میں مکمل فرمائی۔

وهل هذا القبول الا بماروى أن صاحب الهداية بقى فى تصنيفها ثلث عشر سنة .(مقدمة الهدايه للعلامة اللكنوي)

مفتی صاحب نے بھی تقریباً ۱۳/ سال ہدایہ کا درس دیا تو مصنف کے ساتھ سنین میں حسنِ اتفاق سے قبولیت کی وجہ ظاہر ہے۔

علم الفرائض سے مناسبت کے سلسلہ میں بعض باتیں سابق اوراق میں گذر چکی ہیں وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت مفتی صاحب کا ورع وتقویٰ

③ مفتی کے لیے ورع وتقوی، دیانت وامانت سے متصف ہونا بہت ہی ضروری ہے۔

وينبغي أن يكون المفتي ظاهر الورع مشهوراً بالديانة الظاهرة والصيانة الباهرة. (شرح عقود رسم المفتى ۷)

اور یہ اوصاف عموماً اہل اللہ کی صحبت کے بغیر عادتاً حاصل ہونا مشکل ہے، مفتی صاحب کو اہل اللہ کی صحبت سے بھی وافر حصہ نصیب ہوا، چناں چہ کئی رمضان شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی بابرکت صحبت میں گزارے، ان کی حیات میں اور انتقال کے بعد فقیہ الامت کے باطنی فیوض سے مستفید ہوتے رہے، اس کی شہادت خود حضرت فقیہ الامتؒ کے گرامی ناموں میں موجود ہے، دو تین اقتباس پیش کرتا ہوں:

۸۸/۹/۵ کے گرامی نامہ میں جامعہ میں تقرر کی بابت حضرت مہتمم صاحب کے نام آپ کی بابت تحریر فرمایا: وہ صالح ہیں، ذہین ہیں، متقی ہیں، ذی استعداد ہیں، ذاکر ہیں"۔

حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت میں صرف ایک سال گزارا تھا اس پر اوصافِ خمسہ

سے متصف بتلادیا، حالاں کہ حضرت رحؒ کسی کا تزکیہ وتعریف فرمانے میں بہت محتاط تھے۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''جامع الکمالات مولانا احمد صاحب۔۔۔۔ حق تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ عطا فرمایا ہے اگر چہ وہ ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہ آتا ہو، اب آپ کے ذریعہ دوسروں کو وہ سب کچھ پہنچ رہا ہے اور ان شاء اللہ پہنچتا رہے گا۔

(مکتوبات ۴/ ۴۴۴)

ایک گرامی نامہ میں رقم طراز ہیں: ''میں اگر چہ دیو بند میں ہوں لیکن دل آپ کے ساتھ لگا ہوا ہے اور آپ کے کارناموں سے مسرور ہوں''۔ (ایضاً ۴۲۳)

آپ مفتی بھی ہیں اور صوفی بھی

معلوم ہوا کہ آپ مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی بھی ہیں، اور نواب قطب الدین صاحب مصنف 'مظاہرِ حق' نے غالباً امام مالکؒ کے حوالے سے لکھا ہے: من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق، ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق، ومن جمع بينهما فقد تحقق یعنی جو شخص فقیہ ہو جائے، مگر صوفی نہ ہو وہ خشک بے کیف و بے نور رہتا ہے، اور جو صوفی ہو گیا فقیہ نہ ہو، او ہ زندیق اور ملحد ہو گیا، اور جس نے دونوں کو جمع کرلیا وہ محقق ہو گیا۔ (مجالسِ حکیم الامت، ص: ۲۹۲)

دار العلوم کنتھاریہ میں اعتکاف کی دعوت

یہی سبب ہے کہ دار العلوم کنتھاریہ میں جہاں حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمیؒ (مجاز حضرت شیخ الحدیثؒ) سے شروع ہو کر ماہِ رمضان میں مشائخ کے زیرِ نگرانی اعتکاف کا سلسلہ عرصہ سے جاری ہے، جسے بعد میں حضرت مولانا معین الدین صاحب مراد آبادی

مدظلہ (مجاز حضرت شیخ الحدیثؒ) نے آگے بڑھایا، لیکن ۱۴۰۸ھ میں موصوف کو افریقہ کا سفر پیش آیا، اس سلسلے میں دشواری پیش آئی اور کسی شیخِ کامل کی تلاش ہوئی تو مہتممِ مدرسہ مولانا اسمٰعیل منوبری مدظلہ کی نظرِ انتخاب حضرت مفتی صاحب پر پڑی۔ چناں چہ انھوں نے ایک اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ حضرت مفتی صاحب ماہِ مبارک میں ان کے یہاں قیام منظور فرمالیں، مگر مفتی صاحب کو حضرت فقیہ الامتؒ نے جامعہ ڈابھیل میں ماہِ مبارک گزارنے کا حکم دے رکھا تھا، اس لیے آپ نے عذر فرمادیا اور اہلِ کنتھاریہ کے پیہم اصرار پر فرمایا کہ حضرت فقیہ الامتؒ اجازت فرحمت فرمادیں، تو میں تیار ہوں۔ بالآخر اہلِ کنتھاریہ نے حضرت فقیہ الامتؒ سے رابطہ کیا، لیکن حضرت نے بھی معذرت فرمادی، لیکن یہ واقعی ایک دینی ضرورت تھی، حضرت مفتی صاحب نے ان حضرات کو مشورہ دیا کہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ (مجاز حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی) کی خدمت میں دعوت پیش کی جائے، ان حضرات نے اسے منظور فرمایا اور حضرت مفتی صاحب بذاتِ خود وفد کی معیت میں اس مقصد کے تحت تشریف لے گئے، چناں چہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ نے دعوت قبول فرمالی اس وقت سے تادمِ تحریر یہ مبارک سلسلہ جاری ہے۔ (مکتوبات فقیہ الامت: ۴/ ۳۱۷)

حضرت فقیہ الامتؒ کے ارشاد فرمودہ القاب

اصاغر تو عموماً اپنے اکابرین کے ساتھ عمدہ القابات کا استعمال کرتے ہی ہیں، جس میں بعض دفعہ مبالغہ آرائی بھی ہوتی ہے، لیکن اکابرین اپنے چھوٹوں کے لیے اول تو القابات کم استعمال کرتے ہیں، دوسرے مبالغے سے بھی احتیاط برتتے ہیں۔ پھر جب معاملہ

فقیہ الامت رحمہ کا ہو تو، کیا کہنے؛ اس لیے یہ بہت ہی مہتم بالشان امر ہے کہ حضرت فقیہ الامت رحمہ نے حضرت مفتی صاحب کے لیے گراں قدر القابات کا استعمال کیا ہے۔

ایک گرامی نامے میں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''مکرم ومحترم مجمع الحسنات مولانا احمد صاحب زیدت محامدکم''۔ (مکتوبات فقیہ الامت ۴/ ۳۵۳)

نیز حضرت مولانا مفتی فاروق میرٹھی صاحب رحمہ کا بیان ہے کہ حضرت فقیہ الامت رحمہ نے اپنے متعلقین کے مکتوبات میں ''مجمع الحسنات'' والا لقب صرف اور صرف دو شخصوں کے لیے املا کرایا ہے؛ ایک حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب، دوسرے حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی مد ظلہما۔ اور بندے کے خیال میں مجمع الحسنات کے ساتھ والبرکات، جامع الکمالات، جامع الاخلاق والاعمال، مجمع الحسنات الظاہرہ والباطنہ کے القاب حضرت مفتی صاحب ہی کی خصوصیت ہے۔ (ایضاً ص: ۳۵۳)

شگفتہ و سلیس زبان

④ علم کا فیض دوسروں تک پہنچانے کے لیے تحریر کا واضح، شگفتہ، دل کش اور عام فہم ہونا بہت ضروری ہے، جس زبان میں تحریر لکھی جائے اس زبان سے پورے طور پر واقفیت بھی لازمی امر ہے، بحمد اللہ! مفتی صاحب کی گجراتی تحریر ہو یا اردو، صاف خط میں عام فہم اور جامع ہوتی ہے، گجراتی تو خیر آپ کی مادری زبان ہے، آپ کے والد صاحب گجراتی زبان کے ماہر اور اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے، خاندانی وموروثی اثرات بڑے طاقت ور ہوتے ہیں وہ نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں اور بچوں میں اس کے اثرات کم وبیش پائے ہی جاتے ہیں، کچھ یہ آبائی اثر مفتی صاحب میں بھی منتقل ہوئے کہ

گجراتی زبان اور حساب پختہ ہے؛ لیکن اردو تحریر میں گجراتی کی بو تک نہیں آتی جس کا ثبوت یہ فتاوی کا مجموعہ ہے۔

''فتاوی رحیمیہ'' جلد اول و دوم: حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ کے فتاوی گجراتی زبان میں ماہنامہ ''پیغام'' میں شائع ہوتے رہتے تھے، اصل زبان میں ان کا مجموعہ شائع ہونے کے بعد اسے اردو میں منتقل کر دیا گیا ہے، گجراتی سے اردو میں منتقل کرنے کی اہم خدمت جن حضرات نے انجام دی ان میں مفتی صاحب کا بھی بڑا حصہ ہے، اردو ایڈیشن پر تبصرہ نگار نے لکھا:

''گجراتی سے اردو ترجمہ خود مفتی صاحب (مراد مفتی لاجپوری صاحبؒ) کا نہیں ہے، بعض دوسرے حضرات نے کیا ہے اور وہ خود بھی بے حد قابلِ تحسین ہے، کہیں سے ترجمہ پن ظاہر نہیں ہوتا''۔ (ماہنامہ الفرقان ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ)

مسلم پرسنل لاء بورڈ کا خطبۂ استقبالیہ

۱۹۹۵ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا احمد آباد میں تاریخی اجلاس منعقد ہوا تھا، اس میں مجلس استقبالیہ کا صدر حضرت مفتی صاحب کو بنایا گیا تھا، اس اجلاس کا خطبۂ استقبالیہ آپ نے تحریر فرما کر سنایا، وہ خطبہ اجلاس کا لبِ لباب اور نچوڑ تھا، خطبہ کا عنوان تھا ''اسلام کا مستقبل یقیناً روشن ہے مگر ہمارا مستقبل؟'' اور اس وقت خطبۂ استقبالیہ مستقلاً چھپا اور اجلاس میں تقسیم ہوا تھا۔

بعد میں ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ دسمبر ۱۹۹۵ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا، اس کے سرورق پر ''الفرقان'' کے مدیر حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد میں ۷/ ۸/ اکتوبر ۹۵ء کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کا بارھواں اجلاس منعقد ہوا تھا، اجلاس کی مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ (صدر مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) تھے جو نہ صرف صوبہ گجرات بلکہ ملک کے بالغ نظر اور فقیہ النفس، اہل علم میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، انہوں نے جو خطبہ استقبالیہ پیش کیا تھا وہ اکثر حاضرین کے خیال میں پورے اجلاس کا حاصل تھا اور اسے ''ملتِ اسلامیہ کے نام مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پیغام'' کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ ذیل میں ہم اپنے قارئین کے لیے وہ خطبۂ استقبالیہ بعینہ پیش کررہے ہیں، اس خطبہ کے لیے نیز اجلاس کے شاندار انتظامات کے لیے ہم مولانا محترم کو اور ان کے توسط سے تمام ارکانِ استقبالیہ کو مبارک باد بھی پیش کرتے ہیں۔ (ماہنامہ الفرقان دسمبر ۱۹۹۵ء)

''خطبہ استقبالیہ'' کی جامعیت ومقبولیت کی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ ان دنوں مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کی دلی دعا وخصوصی توجہ مفتی صاحب کی طرف منعطف تھی، جن دنوں خطبہ تیار ہورہا تھا ان دنوں ایک رقعہ مفتی صاحب کے نام تحریر فرمایا:

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا، عرض ایں کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس کے لیے ایک پیغام ارسال کیا ہے، اس کی فوٹو کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہے، آپ نے خطبۂ استقبالیہ تیار فرمالیا ہوگا، اللہ تعالیٰ غیب سے باتیں القا فرمائیں اور مدد

فرمائیں، دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی خوب لاج رکھے اور خوب خوب مدد فرمائے، اجلاس کو ہر اعتبار سے کامیاب فرمائیں، دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔ فقط والسلام۔

چناں چہ حضرت لاجپوریؒ کی دعا کی لاج رکھی گئی اور خوب خوب کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔

نوٹ: یہ خطبۂ استقبالیہ محمود الرسائل میں زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

مفتی کو ریاضی کے علوم سے کچھ نہ کچھ مناسبت ضروری ہے، سمتِ قبلہ اور اوقاتِ صلاۃ کو بتلانے میں ان علوم سے استمداد بھی ناگزیر ہے۔ بحمد اللہ! دار العلوم دیوبند میں فنون والے سال میں مفتی صاحب محنتِ شاقہ سے ان علوم کو حاصل کر چکے تھے جس کی تفصیل حاصل کردہ نمبرات والے اوراق میں گذر چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ سمتِ قبلہ اور رؤیتِ ہلال والے مسائل پر مفتی صاحب نے سیر حاصل بحث کی ہے اور حضرت فقیہ الامتؒ نے ایسے ہی ایک فتوی پر دادِ تحسین دی ہے۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

ينبغي للمفتي أن يتزين بالعلوم الرياضية، وقد كان عنى بها من سلفناوأئمتنا للحاجة الماسة اليها فى القضاء والافتا فى النوازل، ومن اهمها تحريرسمت القبلة فإنه يتوقف على معرفة أصول فن الميقات، وكذا تحرير اوقات الصلوات فى البلاد على معرفة عروضها وأطولها المقدرة فى علمها. (تكملة المصباح فى رسم المفتى ومناهج الإفتاء ٢ /٢١)

باب چہارم

ذوقِ فتویٰ نویسی اور ہدایات

آگے چندان امور کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے فتویٰ نویسی کے باب میں حضرت مفتی صاحب کے خصوصی مذاق کا اندازہ ہوتا ہے، جو کہ اس دشت کی سیاحی کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

حوالجات کا اہتمام

① آپ انتہائی وسیع المطالعہ ہونے کے باوجود اس قدر محتاط ہیں کہ اپنی ذمہ داری پر مسئلہ نہیں لکھتے، اگر وہ مسئلہ کسی کتاب سے لکھا ہو چاہے وہ کتاب ''اردو'' زبان میں ہی کیوں نہ ہو اس کا حوالہ ضرور تحریر فرماتے ہیں، اسی لیے آپ کے فتاوی میں عربی کی طرح اردو کتابوں کے حوالجات بہ کثرت نظر آویں گے۔ دراصل یہ احساس ذمہ داری کی بات ہے، حوالہ دے کر مفتی بریُ الذمہ ہو جاتا ہے جیسا کہ علامہ شامی کا اندازِ نگارش ہے ''وہ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں'' کے قائل ہیں، اپنے الفاظ میں بات کم کرتے ہیں زیادہ تر دوسروں کی عبارتیں نقل کر دیتے ہیں، اکثر حوالہ کے اہتمام کے سلسلہ میں فرمایا کرتے ہیں:

''حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ کا قول حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم تاکیداً بیان فرماتے تھے کہ حوالہ اسی کتاب کا دینا ضروری ہے جس کتاب سے مسئلہ لکھا ہے، اس کتاب میں جو حوالہ لکھا ہے اس کا کبھی حوالہ نہیں دینا چاہیے، ایسی حماقت کبھی مت کرنا ایسا کرنے میں آدمی مار کھا جاتا ہے، یہ بہت

قیمتی اصول ہے کیوں کہ نسخوں وغیرہ کے فرق کی وجہ سے فرق پڑ سکتا ہے، ہاں اس کے حوالہ کے ساتھ اس کتاب کا نام لکھ سکتے ہیں مثلاً ''فتاوی رحیمیہ'' میں ابن قیم کی زاد المعاد کے حوالہ سے کوئی مسئلہ لکھا ہے تو یوں لکھا جائے:

''زاد المعاد منقول از فتاوی رحیمیہ'' یا یوں لکھا جائے ''فتاوی رحیمیہ میں زاد المعاد کے حوالہ سے لکھا ہے'' لیکن واسطہ حذف کر کے لکھنا غلط ہے۔

جس سے استفادہ کرے اسی کا حوالہ دے

فتاوی نویسی کی مشق کرنے والے طلبا کو بار بار یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ جو عبارت جس کتاب سے لی ہے اس کتاب کا نام ضرور لکھو چاہے تم نے چھوٹے رسالہ ہی سے عبارت کیوں نہ لی ہو، ایسا ہرگز نہ کرو کہ تم چھوٹے رسالہ سے عبارت لو اور اس رسالہ کا حوالہ نہ لکھو؛ بلکہ اپنی بات بڑی کتاب کی طرف منسوب کرنے کے لیے اس چھوٹے رسالہ میں موجود بڑی کتاب کا حوالہ لکھ دو اس سے علم میں بے برکتی ہوتی ہے۔ بہت سی مرتبہ یہ مضمون سمجھاتے ہوئے ان اکابر کی کتب کا حوالہ بھی دیتے ہیں جنھوں نے اپنی کتب میں اصاغر کے حوالے دیے ہیں چناں چہ ایک طالب کا علم بیان ہے کہ: پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی کتاب ''ڈاڑھی کا وجوب'' منگوائی اور صفحہ ۲۱ رکی یہ عبارت ''مولانا سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم مدرس دار العلوم دیوبند نے اپنے رسالہ ''ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں'' میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی منڈانے کی حرمت پر ساری امت کا اجماع ہے'' پڑھ کر سنائی۔ پھر فرمایا: مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم حضرت شیخؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور تم نے دیکھ لیا کہ حضرت شیخ نے ان کی کتاب سے جو عبارت لی ہے اس کا حوالہ لکھ دیا ہے، تو کیا اس سے حضرت شیخ

کی شان گھٹ گئی؟ ہرگز نہیں۔

اگر تم اپنے علم میں برکت پیدا کرنا چاہتے ہو تو میری اس بات پر عمل کرو کہ جس کتاب سے جو عبارت لو وہاں اس کتاب کا حوالہ لکھ دو، چاہے وہ چار صفحے کا کتابچہ ہی کیوں نہ ہو اس سے علم میں برکت ہوگی۔

اہم جوابات پہلے رف تیار کرنا

② خاص خاص اہم فتاوی کے جوابات اصل استفتا پر تحریر کرنے سے پہلے دوسرے کاغذ پر رف جواب تیار کرنے کا معمول ہے، پھر دار الافتا میں کام کرنے والے دیگر حضرات کو بتلاتے ہیں، اس سلسلہ میں کوئی معقول بات کہی جائے تو اسے فوراً قبول فرما لیتے ہیں، اپنی رائے پر بلا وجہ جزم کی عادت نہیں، بارہا ایسا ہوا کہ ہم خدام نے کوئی بات کہی تو جواب میں فوراً ترمیم فرما دی۔

یہی معمول حضرت فقیہ الامتؒ کا تھا کہ حضرت اہم فتاوی کے جوابات دیگر مفتیان کرام سے استصوابِ رائے کے بعد تحریر فرماتے تھے، اکابر کا یہ معمول آدابِ فتویٰ کے قبیل سے ہے۔

يستحب أن يقرأها على حاضريه ممن هو اهل لذلك ويشاورهم ويباحثهم برفق وانصاف وإن كانوا دونه وتلامذته للاقتداء بالسلف.

(فصل آداب الفتوى شرح عقود رسم المفتى ٢٠)

محض شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے

③ حق بات لکھنے میں کسی عظیم شخصیت سے محض شخصیت کی بنا پر مرعوب نہیں ہوتے۔

بیرونِ ملک سے وہاں کے ایک مشہور عالم نے شوہر کو ویزا نہ ملنے پر ''عدمِ ادائیگیٔ حقوق'' کو بنیاد بنا کر میاں بیوی کے مابین فسخِ نکاح کا حکم نافذ کر دیا، ان عالم صاحب کا خط مفتی صاحب پر بھی آیا جس میں اس کی اطلاع دی گئی تھی، ان کو تفصیلی خط لکھا جس میں فقہی اعتبار سے جو اشکالات تھے اس کی طرف توجہ دلائی، اور اخیر میں صاف لکھ دیا: ''آپ نے جس عجلت سے فسخ کا فیصلہ کیا ہم تو اس کی جرأت نہیں کر سکتے، مندرجہ بالا نکات کے پیشِ نظر .... فیصلۂ فسخ سے مجھے اتفاق نہیں ہے''

سوال و جواب میں التباس نہ ہونے دینا

④ مستفتی بعض مرتبہ سوالات میں گڈمڈ کر کے مختلف امور کے متعلق حکمِ شرعی معلوم کرنا چاہتا ہے، استفتاء میں نمبرات قائم نہیں کرتا، ایسے استفتاء کے جواب کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے استفتاء میں نمبر ڈال دیتے ہیں پھر ان میں سے ہر سوال کا نمبر وار جواب تحریر فرماتے ہیں؛ تاکہ جواب سمجھنے میں کوئی پیچیدگی باقی نہ رہے، نمبرات دیکھتے ہی معلوم ہو جائے یہ فلاں سوال کا جواب ہے۔

اور اگر متعدد سوالات کا حکمِ شرعی ایک ہو تو اس میں یہ طریقہ اختیار فرماتے ہیں کہ ابتدائی سوال کا حکمِ شرعی مفصل تحریر فرمانے کے بعد اسی نوع کے دیگر سوالات کے جوابات میں یوں تحریر فرماتے ہیں ''اس کا حکم فلاں نمبر میں'' یا ''اس کا حکم گذر چکا ملاحظہ فرما لیں''۔

اپنی ذاتی تحقیق پر اصرار نہ کرنا

⑤ جب تک جواب پر مکمل شرحِ صدر نہ ہو اصل استفتا والے کاغذ پر نقل نہیں کرتے، بارہا ایسا ہوا کہ استفتا کا جواب کتبِ فقہیہ کی روشنی میں مفصل لکھ لیا، بعد میں کوئی اور

فقہی عبارت یا کسی مفتی صاحب کے فتوی کی وجہ سے رجحان بدل گیا تو سابقہ جواب کو ختم کر کے بدلے ہوئے رجحان کے مطابق جواب لکھ کر روانہ کر دیا۔

بلا شرح صدر تصدیق نہ کرنا

⑥ ڈابھیل کے دار الافتا کو گجرات میں مرکزیت کا مقام حاصل ہے، یہاں دیگر مفتیانِ کرام کے فتاوی برائے تصدیق آیا کرتے ہیں، ایسے فتاوی کی تصدیق میں یہ معمول ہے کہ جب تک اس پر شرح صدر نہ ہو دستخط نہیں فرماتے ہیں، اطمینان ہونے پر دستخط سے اعراض بھی نہیں فرماتے، اور اگر نفسِ جواب پر شرحِ صدر ہو؛ لیکن کوئی ضروری وضاحت رہ گئی ہو تو نوٹ قائم کر کے وضاحت تحریر کر دیتے ہیں پھر تصدیق فرماتے ہیں۔

بلا تحقیق جواب نہ دینا

⑦ جس مسئلہ کی پوری تحقیق مستحضر نہیں ہوتی اس کے متعلق برملا مجمع میں کہہ دیتے ہیں ''کتاب میں دیکھنے کے بعد بتلایا جائے گا'' کبھی فرماتے ہیں ''مجھے معلوم نہیں''۔ اسی طرح ایسی زبان میں سوال ہو جس کو آپ نہیں جانتے مثلاً انگریزی زبان، یا انگریزی زبان میں کوئی تحریر سائل نے بھیجی جس کے سمجھنے پر جواب کا دار و مدار ہے مثلاً طلاق نامہ، وصیت نامہ وغیرہ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ''میں انگریزی نہیں جانتا، آپ اس کا ترجمہ کرنے کے بعد بھیجیں تب جواب دیا جائے گا''۔

طویل فتاویٰ میں خاص طریق

⑧ آپ کے فتاوی میں مختصر و طویل دونوں طرح کے فتاوی ہیں، کئی فتاوی تو

مستقل رسالہ کی شکل میں ہے، طویل فتاوی کا شرعی حکم تحریر کرنے سے پہلے جواب کی تفہیم کی خاطر تمہیدی امور تحریر کرتے ہیں، مثلاً یوں تحریر فرماتے ہیں: ''اصل جواب سے پہلے بطورِ تمہید چند امور پیش کیے جاتے ہیں'' یا اسی کے قریب قریب مفہوم والے الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔

ترغیب وترہیب کا اہتمام

⑨ شرعی حکم جاننے سے اصل مقصود اس پر عمل کرنا ہے، عمل پر ابھارنے کے لیے یا منکرات سے روکنے کے لیے اس سلسلہ میں وارد احادیثِ نبویہ و آثارِ صحابہ بہترین ذریعہ ہیں، اس لیے طویل فتاوی میں ترغیبی و ترہیبی احادیث ذکر کرنے کا معمول ہے۔

اہل علم کو دلائل سے مطمئن کرنا

⑩ اہلِ علم کی طرف سے استفتاء کے جواب میں بطورِ دلیل نصوصِ شرعیہ یا کم از کم کتبِ فقہیہ سے عبارت یا اس موضوع پر لکھی گئی کتاب کا نام تحریر کرنے کا معمول ہے۔

علاقائی علما سے رجوع کا مشورہ دینا

⑪ کسی ایسے علاقہ سے استفتا آیا کہ وہاں اہل علم موجود ہیں، دار الافتا قائم ہے ایسے استفتاء کے جواب میں بہت چوکنا رہتے ہیں، اگر ایسا استفتا جمعہ و عیدین کی نماز سے متعلق ہو مثلاً سائل نے پوچھا ہے کہ ہماری بستی میں جمعہ و عیدین جائز ہیں یا نہیں؟ تو شرعی حکم لکھنے کے بجائے یوں تحریر فرماتے ہیں کہ: آپ اپنے یہاں کے علما کو اپنی بستی کا حال بتلا کر حکمِ شرعی معلوم کرلیں۔

مسائلِ معاملات میں احتیاط کا طریقہ

⑫ وراثت، شرکت وغیرہ کے متنازع فیہ مسائل میں فریقین کی جانب سے استفتا آئے تو عموماً شرعی حکم تحریر نہیں فرماتے؛ بلکہ ان کو مشورۃً آپس میں صلح کی ترغیب دیتے ہیں، اگر فریقین استفتا کے شرعی حکم تحریر کرنے پر مصر ہوں تو ان سے کہا جاتا ہے: ''دونوں فریق واقعی صورتِ حال آپس میں مل کر تحریر کریں اور اس استفتا پر فریقین کے دستخط ہوں، اس کے بعد جواب دیا جائے گا''۔ ایسی صورت اختیار کرنے سے ناحق فریق کی قلعی کھل جاتی ہے، کبھی تو ایسا فریق استفتا پر دستخط تحریر کرنے کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتا۔

دیگر مسالک میں لب کشائی سے احتراز

⑬ اہلِ علم کے درمیان یہ بات مسلم ہے کہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ اجمعین کے فقہی مسالک میں سے کسی مسلک پر فتوی دینے کے لیے اس مسلک کے راجح و مفتی بہ قول سے پورے طور پر واقفیت ضروری ہے، بدون واقفیت کے دوسرے مسلک کی محض کتبِ فقہیہ کا مطالعہ کر کے فتوی دینے میں زبردست غلطی کا احتمال ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے مسلک کے متبعین کی طرف سے جب کوئی استفتاء آتا ہے اس میں حضرت مفتی صاحب کا مذاق یہ ہے کہ ان کے استفتا کا جواب ہی تحریر نہیں فرماتے، اور سائل کو اس کے مسلک کے اہلِ علم اور اربابِ فتاوی کی طرف رجوع کا مشورہ و پتہ تحریر فرما دیتے ہیں، مثلاً علاقۂ کوکن سے کوئی سوال آتا ہے تو وہاں کے شوافع علما سے رجوع کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا ''ہم سے اپنے فقہ (حنفی فقہ) کا مطالعہ ہو نہیں پاتا دوسرے کو کیا بتلاویں''

ایک مرتبہ انگلینڈ کے شہر باٹلی کے علما کی طرف سے رؤیتِ ہلال کے نظام کو شرعی اصول وضوابط کے مطابق قائم کرنے کے لیے تحریری شکل میں ایک دستور العمل برائے تصدیق وتائید آیا تھا، اس میں ائمہ ثلاثہ (حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کے مسالک کی کتبِ فقہیہ سے ''رؤیتِ ہلال'' کے سلسلہ میں عربی عبارتیں نقل کی گئی تھیں، اس دستور العمل کی تصدیق کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''اس تحریر میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر جو گفتگو کی گئی ہے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ان کے یہاں راجح قول کیا ہے اس کا حتمی فیصلہ کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں، اس لیے تحریر کے اس حصہ پر اپنی منفی یا مثبت رائے پیش کرنے سے (ہم) قاصر ہیں''۔

سنہ ۱۴۳۱ھ میں ایک شافعی المسلک طالبِ علم نے دارالافتا سے فراغت حاصل کی اس کو اسی وجہ سے سند نہیں دی۔

اکابر دیوبند کے مسلک کی اتباع

⑭ میری نظر میں مفتی صاحب اکابرِ دیوبند کی روایات کے حامل ہیں، اکابرِ دیوبند سے عقیدت ووارفتگی اور ان کی اتباع کا جیتا جاگتا مرقع ہیں، بیانوں میں، مجالس میں علمائے دیوبند کے ملفوظات وواقعات بے ساختہ نوکِ زبان پر آ ہی جاتے ہیں، تو کیا آپ کی تحریر اکابرِ دیوبند کے معمولات اور ان کے نظریات سے خالی ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں، کئی فتاوی میں شرعی حکم تحریر فرمانے کے بعد اس مسئلہ میں اکابر کا مسلک ومعمول تحریر فرمایا ہے۔

مشتے از خروارے کے طور پر چند یہ ہیں:

①جمعہ کے روز فجر کی نماز میں مسنون قرأت پر کراہت کے شبہ کا ازالہ

②تراویح میں بسم اللہ بالجہر کا مسئلہ

③عیدین میں دعاء نماز کے بعد کرے یا خطبہ کے بعد؟ حضرات اکابر کا معمول

④نکاح کے بعد منقول الفاظِ دعاء کے علاوہ دیگر الفاظ سے دعاء کرنا

⑤دینی امور کے لیے مسجد میں چندہ

مذکورہ عنوان کے ذیل میں اکابر دیو بند کا عمل دیکھ لیا جائے۔

ہر جائی سائل کو تنبیہ

⑮متعدد دار الافتا سے فتوی حاصل کرنے والے مستفتی کا طریقہ آپ کو پسند نہیں، اس لیے کہ سوال کرنے کا مقصد حکمِ شرعی پر عمل کرنا ہے، مذکورہ طریقہ اختیار کرنے میں بعض مرتبہ مکائدِ نفس کی آمیزش ہوتی ہے کہ جو فتوی اپنی نفسانیت اور مقصد کے مطابق ہو اس پر عمل کیا جائے گا، ایسا طریقہ اختیار کرنے والا مستفتی خود تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

بعض مرتبہ زیر اکس شدہ استفتا یا خود مستفتی کی تحریر سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس شخص نے متعدد جگہ پوچھا ہے۔

ایسے ہی ایک مستفتی نے متعدد معتبر دار الافتا کے جوابات پیش آمدہ مسئلہ کے سلسلہ میں حاصل کر کے مفتی صاحب کے نام روانہ کئے اور مفتی صاحب سے بھی فتوی لینا چاہا، اس کے سوال کا جواب تو نہ دیا؛ مگر تنبیہ کرتے ہوئے ایک اصولی بات تحریر فرمائی جو مفتیانِ کرام کے لیے نہایت ہی مفید اصول ہے۔ مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

باسمہٖ تعالیٰ

ملک میں مختلف دار الافتا میں خدمت دینے والے متعدد حضرات مفتیانِ کرام، ان کی خدمت میں پیش کئے گئے سوالات کے جوابات شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں، ان سے پوچھے گئے مسائل میں ایک قسم تو وہ ہے جس کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی نص صریح غیر متعارض موجود ہو اس کا حکم تو واضح ہے اور اس کے جواب کے سلسلہ میں حضرات مفتیان کے درمیان کسی قسم کا اختلاف بھی نہیں ہوتا۔

البتہ بعض مسائل وہ ہیں جن کے سلسلہ میں مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق کوئی صریح حکم نہ ہو، وہاں صورتِ مسئلہ کا تجزیہ کر کے اس کا جواب اصولِ شرع کی روشنی میں حضرات مفتیان تحریر فرماتے ہیں، اور اس میں اندازِ تجزیہ کی وجہ سے جوابات میں اختلاف بھی ہوتا ہے، اس لیے مستفتی کو چاہیے کہ جس مفتی پر اعتماد ہو اس سے دریافت کر کے اس کے جواب کے مطابق عمل کرے، اور اگر ایک سے زیادہ مفتیان پر اعتماد ہو تو جس پر زیادہ اعتماد ہے ان سے پوچھ کر عمل کرے۔

آپ نے اس اصول پر عمل نہ کرتے ہوئے متعدد دار الافتا میں اپنا استفتا بھیج کر جواب حاصل کیا، اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا جن سے آپ دوچار ہیں، اس کے بعد بھی آپ ابھی اسی روش پر چلتے ہوئے مزید ایک دار الافتا میں اپنا معاملہ پیش کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ آپ نے جتنے جوابات ارسال فرمائے ہیں ان میں سے کسی ایک کے مطابق ہی جواب ہوگا تو اس صورت میں آپ کا تذبذب کیسے دور ہوگا؟ اس لیے واقعہ تو یہ ہے کہ اپنا تذبذب دور کرنے کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ درست نہیں، آپ یہ سوچ کر کہ مجھے اپنے اس معاملہ میں کل اللہ کے سامنے پیش ہو کر جواب دینا ہے اس لیے کوئی

ایسی شکل جس میں ادنیٰ سا شائبہ مؤاخذہ کا آپ کے دل میں آتا ہو اس کو اختیار کرنے کے بجائے وہ شکل اختیار کریں جس کے متعلق آپ کا دل یہ گواہی دیتا ہو کہ یہ صورت مکمل مبنی بر احتیاط ہے، امید ہے کہ آپ کے لیے غور و فکر اور عمل کی راہ واضح ہو جائے گی۔ فقط۔

اُملاہ: احمد خانپوری

سائل اگر بلا وجہ اپنی شناخت چھپائے

(۱۶) ایک مرتبہ ایک استفتا آیا جس میں اصل مستفتی نے اپنا نام و پتہ ظاہر نہ کیا، کسی اور کے نام سے پوچھا۔ بندہ کو سوال پڑھتے ہی شبہ ہوا کہ یہ سوال فلاں جگہ سے متعلق ہے، اصل مستفتی اور ہے، چناں چہ تحقیق کی گئی تو شبہ صحیح نکلا، بندہ نے حقیقتِ حال سے حضرت کو مطلع کیا تو فرمایا: اس کا جواب نہ لکھا جائے۔ بندہ نے اس خیال سے کہ اصل مستفتی بڑے آدمی ہیں اگر انہوں نے جواب طلب کیا تو کیا بتلاؤں گا؟ حضرت سے عرض کیا کہ: وہ جواب طلب کرے تو کیا کیا جائے؟ حضرت نے جواباً فرمایا: وہ ہم سے طلب نہیں کر سکتے، پھر گجراتی میں ایک مثل سنائی جس کی اردو تعبیر ہے: ''چور کی ماں کوٹھی میں سر دے کر روتی ہے'' یعنی چور کی ماں اپنے بیٹے کے کرتوت پر رنجیدہ ہو کر چھپ کر روتی ہے اور بھڑاس نکال لیتی ہے، کسی کے سامنے نہیں کہہ سکتی۔

مطلب یہ تھا کہ اصل مستفتی نے جب اپنے آپ کو پردۂ خفاء میں رکھا ہے تو وہ ہمیں کس منہ سے پوچھ سکتا ہے اور ہم سے کیوں جواب طلب کر سکتا ہے؟ چناں چہ ایسا ہی ہوا، وہ سوال اس دن سے آج تک جوں کا توں رکھا ہوا ہے کسی نے جواب طلب نہیں کیا۔

اگر کسی جواب سے فتنے کا اندیشہ ہو

⑰ کسی استفتا کا جواب دینے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کا جواب فتنہ فرو ہونے کے بعد تحریر فرماتے ہیں، ایک مرتبہ فرمایا: حضرت مفتی لاجپوریؒ کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے استفتا کا جواب جلد نہ دیا جائے۔

مستفتی کے شر سے بچنے کی دعا

⑱ آپ اپنی دعاؤں میں مستفتی کے شر سے بچنے کی دعا کا خاص اہتمام فرماتے ہیں "المصباح" کی ایک عبارت سے آپ کے اس معمول کی تائید ہوتی ہے:

وحقيق بالمفتى أن يكثر الدعاء بالحديث الصحيح: اللّٰهُمَّ رب جبرئيل وميكائيل وإسرافيل فاطر السمٰوات والأرض عالم الغيب والشهاد أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون، إهدنى لما اختلف فيه من الحق بإذنك، إنك تهدى من تشاء إلى صراط مستقيم، ويقول إذا أشكل عليه شيء: يا معلِّم إبراهيم علِّمنى.(تكلمةالمصباح فى رسم المفتى ومناهج الإفتاء ۲ /۲۷)

آپ کا کمال احتیاط

⑲ کسی استفتا کا صریح حکم تلاش کے باوجود کتبِ فقہ میں نہیں ملتا ہے تو اپنے فقہی ذوق سے اس مسئلہ کے لیے استیناس کیا جائے ایسی کوئی عبارت تحریر کر کے جواب تحریر فرماتے ہیں، اخیر میں لکھ دیتے ہیں "دیگر مفتیانِ کرام سے پوچھ کر پھر عمل کریں" یہ آپ کا احتیاط ہے؛ ورنہ اصل جواب وہی ہوتا جو لکھا گیا۔

یوں تو فتاوی نویسی میں مفتی صاحب کے مزاج و مذاق کی اور بھی باتیں ہیں جس کا

احاطہ نہ مقصود ہے اور نہ مجھ جیسے بے بضاعت کے لیے ممکن ہے، چند موٹی موٹی باتیں جو اس وقت یاد آ گئیں انہیں نمبر وار تحریر میں پیش کر دیا ہے:

قیاس کن گلستانِ من از بہارِ من

فتاوی اور فقہی بصیرت پر اکابر علماء کا اعتماد

جامعہ کا دار الافتا فتاوی کا مرجع ہے اس کے فتاوی کا کام معمولی کام نہیں، مگر بزرگوں کی توجہ اور مفتی صاحب کی خداداد صلاحیت نے افتا میں بہت جلد انتہائی درجہ کی مقبولیت حاصل کر لی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو درِ بابِ فتاوی وہ مقام عطا فرمایا جو اس دور میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔

چھوٹوں کی تحریر اپنے بڑوں کے متعلق عام طور پر اعتقاد یا غلو پر محمول کی جاتی ہے، اس لیے مجھ جیسے بے بضاعت کا مفتی صاحب کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ آپ کونسے درجہ کے فقیہ ہیں فقیہِ نفس، فقیہِ وقت، فقیہِ عصر، فقیہِ زمن، فقیہِ دوراں مشکل ہے؛ کیوں کہ فقیہ النفس جیسے اشخاص کی پہچان بھی ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تبحرِ علمی کی دولت سے نوازا ہو۔

البتہ حضرت مولانا سجاد صاحب نعمانی دامت برکاتہم نے اپنی تحریر (جو پہلے گزر چکی) میں مفتی صاحب کے متعلق ''فقیہ النفس'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس لیے حضرت نعمانی دامت برکاتہم کی تحریر کی روشنی میں کہا جائے کہ آپ فقیہ النفس ہیں تو اس کی گنجائش ہے۔
فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے مخصوص تلمیذ، فقیہ النفس مفتیٔ اعظم گجرات حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ کے درِ بابِ فقہ و فتاوی کے معتمد، فخرِ گجرات حضرت

مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے منظورِ نظر ہونے سے کس کو انکار ہے، ان حضرات کی بابرکت صحبتوں سے اگر فقیہ النفس کا وصف پیدا ہو جائے تو بجا ہے۔

فقیہ النفس کا مطلب

''فقیہ النفس'' فقہاء کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقہ میں کثرتِ ممارست کے بعد ایک ایسا ذوقِ سلیم عطا فرمایا ہو جس کی روشنی میں وہ کتابوں کی مراجعت کے بغیر بھی صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتا ہو۔

حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ محنت، للّٰہیت اور بزرگوں کی صحبت و تربیت کے نتیجہ میں اپنے خاص بندوں کے قلوب کو وہ کسوٹی عطا فرما دیتا ہے جو صحیح و غلط کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے''۔

(البلاغ اشاعتِ خاص ۴۱۷)

ایک دل چسپ واقعہ

راقم کے خیال میں کسی درجہ میں یہ کسوٹی والی نعمت بزرگوں کی صحبت کی برکت سے مفتی صاحب کو حاصل ہے، دیکھا گیا کہ پیش آمدہ کسی مسئلہ میں کتبِ فقہیہ کی طرف مراجعت کے بغیر آپ نے کوئی موقف اختیار فرمایا، یا اس مسئلہ پر کوئی رائے قائم فرمائی بعد میں دیگر مفتیانِ کرام نے غور و فکر کیا یا بعد میں مسئلہ کی مؤید کوئی عبارت ملی جس سے مفتی صاحب کے موقف یا رائے کی تائید ہوتی۔

اسی طرح کتبِ فقہ کی عبارتوں سے مسائل کی تخریج میں بھی اللہ تعالیٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا ہے، اہلِ علم جانتے ہیں ہر مسئلہ کے لیے صریح جزئیہ کا موجود ہونا ضروری نہیں،

بعض مرتبہ کوئی جامع عبارت اپنے اندر بے شمار جزئیات کو سموئے ہوئے ہوتی ہے؛ لیکن یہ جاننا کہ کونسی عبارت ایسی جامع ہے ایسا مشکل کام ہے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا، جن کو فقہ کا ذوقِ سلیم حاصل ہو، طویل عرصہ تک فقہ سے مزاولت رہی ہو، جن پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات ہوں ان کا کام ہے۔

میرے افتا کے سال ایک سوال آیا کہ مدتِ رضاعت میں بہن کے لیے بھائی کو دودھ پلانا جائز ہے یا نہیں؟ احقر نے اپنی بساط کے مطابق تمام مظان دیکھ لیے؛ مگر کسی جگہ صریح جزئیہ نہیں ملا، حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ ''جزئیہ نہیں ملتا'' فرمایا: رضاعت کی تعریف کیا ہے؟ دیکھا تو اِن الفاظ میں رضاعت کی تعریف کی گئی ہے ''هو مص الرضيع من ثدي الآدمية'' اس پر فرمایا: بہن ''آدمیۃ'' میں داخل ہے۔ رضاعت کی تعریف جو بار بار احقر کی نظر سے گزری تھی اسی سے مسئلہ کا حل فرمالیا۔

آپ کی مسلمہ فقہی بصیرت

علاقۂ پالن پور کے علماء ومفتیانِ کرام میں آپ کی فقہی بصیرت مسلم ہے، وہ حضرات اہم مسائل میں مفتی صاحب کی طرف رجوع فرماتے ہیں، ایک وقت تو ایسا گذرا ہے کہ وہاں کے مشہور دارالعلوم چھاپی کے دارالافتا سے جدید مسائل جس میں ہوٹل، شرکت، سہکاری منڈری وغیرہ کے بارے میں لمبے لمبے استفتاء آئے اور کئی ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، ان تمام سوالات کے جوابات مختصر و مفصل دیے گئے، بعض کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں جو محمود الفتاویٰ میں شامل ہیں۔

۱۴۱۷ھ میں وہاں کے ایک مشہور مفتی صاحب نے دو پرچے ارسال فرمائے،

ایک پرچہ میں عشر کے وجوب کے قول کی عبارتیں تھیں، دوسرے میں عشر کے وجوب میں احوط والا قول اختیار کیا گیا تھا، ان مفتی صاحب کا منشا یہ تھا کہ عشر کے وجوب والے پرچہ پر دستخط ثبت ہو، تاکہ اسی کو شائع کر کے اہلِ زمین پر عشر واجب کر دیا جائے۔

ہندوستانی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ اگر عشری ہے تو عشر واجب ہے یا احوط، یہ مسئلہ ہمارے اکابر میں مختلف فیہ رہا ہے، اس پر مستقل تصانیف وفتاوی موجود ہیں۔

ان مفتی صاحب کے ارسال فرمودہ پرچوں میں عشر کے احوط والے پرچہ پر بایں الفاظ دستخط فرمائی ''عشر کی ادائیگی ہی احوط ہے؛ اس لیے مضمونِ بالا کی تائید کرتا ہوں''۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ / رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

پھر ۱۴۲۰ھ میں دوبارہ یہ مسئلہ زور وشور کے ساتھ اٹھا، وجہ یہ تھی کہ اُن مفتی صاحب کا رجحان عشر کے وجوب والے قول کی طرف تھا، انہوں نے عشر وخراج کے وجوب پر اپنی تحقیق کے مطابق فقہ حنفی کے ماخذ سے استدلال کر کے فتوی مرتب کیا تھا کہ اس فتوی کی اشاعت کر کے عوام الناس کو ترغیب دی جائے اور اسی پر پورے علاقہ میں عمل ہو؛ لیکن وہاں کے مؤقر وبارسوخ علمائے کرام نے سوچا کہ عوام میں انتشار نہ ہو؛ اس لیے فتوی کی اشاعت سے پہلے دیگر مفتیانِ کرام کی تائید حاصل کر لی جائے۔ اسی سلسلہ میں ایک وفد حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں ڈابھیل پہنچا اور وہاں کے مفتی صاحب والا فتوی پیش کیا، مفتی صاحب نے فتوی ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا: ''عشر کے وجوب پر مبسوط کی جس عبارت سے استدلال کیا ہے اس کے سمجھنے میں تسامح ہوا ہے''۔

یہی وفد پھر دار العلوم دیوبند حضرت مفتی محمد سعید صاحب پالن پوری مدظلہ کی خدمت میں پہنچا، انہوں نے بھی مفتی صاحب کی تائید فرمائی، اور فرمایا: عبارت سمجھنے میں خطا ہے،

اس پر طے ہوا کہ دار العلوم چھاپی میں ایک مجلس منعقد کی جائے جس میں گجرات کے مؤقر مفتیانِ کرام جمع ہوں اور اس مسئلہ پر تبادلۂ خیال کریں؛ چناں چہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری، حضرت مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودروی، اور علاقۂ پالن پور کے مفتیانِ کرام کو مدعو کیا گیا، جن میں صاحبِ فتوی مفتی صاحب بھی تھے۔

حضرت مفتی صاحب کی صلاحیت واستعداد

۲۸/ربیع الآخر بہ وقت صبح تین گھنٹہ تک مجلس جاری رہی جس کا خلاصہ یہ ہے:

پہلے طے ہوا کہ عشر کے وجوب پر صاحبِ فتوی مفتی صاحب نے جو دلائل جمع کئے ہیں وہ سنائے جائیں؛ چناں چہ انہوں نے شروع سے اخیر تک تمام دلائل پڑھ کر سنا دیے، مبسوط کی عبارت آئی تو اسی پر خوب بحث ہوئی جس میں عبارت ''لأنهم أسلموا عليها'' کا مطلب صاحبِ فتوی مفتی صاحب نے سمجھا تھا کہ وہ لوگ خود مسلمان ہو گئے، اس پر حضرت مفتی صاحب نے جرح فرمائی کہ یہ مراد نہیں اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کسی جگہ کا پورا علاقہ مسلمان ہو جائے اور وہ حصہ دار الاسلام بنے وہاں کے لیے یہ حکم بیان کیا گیا ہے، رہی یہ بات کہ عشر وصول کیا جائے یا نہیں؟ اس کے لیے دار الاسلام ہونا ضروری ہے، دار الاسلام ہی میں متعینہ مقدار وصول کی جاسکتی ہے، ہندوستان میں جبکہ لوگ مسلمان تو ہوئے ہیں؛ لیکن یہ علاقہ دار الاسلام نہیں بنا، لہذا وجوبی طور پر عشر وصول نہیں کیا جاسکتا۔

مفتی صاحب کے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ اپنے شاگرد کی پوری تقریر غور سے سن رہے تھے، انہوں نے بھی آپ کی تائید فرمائی۔

حضرت مفتی صاحب نے عبارت کے ٹھیٹھ منطقی نتیجہ پر زور دینے کے بجائے سیاق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو مطلب سمجھا یا دیگر مفتیانِ کرام نے بھی اس کی تائید کی۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس مجلس میں صاحبِ فتوی مفتی صاحب اپنی تائید میں کوئی بات پیش فرماتے تو مفتی صاحب برجستہ مدلل تردید فرماتے، دیگر کوئی مفتی صاحب نے ایک اشکال کیا تو ان کو بھی تسلی بخش جواب دیا، گویا اس مجلس میں آپ کا تفقہ روئیں روئیں سے ٹپک رہا تھا اور فقہی بصیرت موجزن تھی۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے: بالآخر صاحبِ فتوی مفتی صاحب کو بدلالتِ حال اور دیگر مفتیانِ کرام کو بدلالتِ قال اقرار کرنا پڑا کہ عشر میں احوط والاقول ہی اختیار کیا جائے۔

مجلس کے اخیر میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا:

”میں یہ نہیں کہتا کہ ہماری زمینوں میں کچھ واجب نہیں ہے؛ بلکہ واجب ضرور ہے اور وہ چیز واجب ہے جو مکی دور میں مسلمانوں پر واجب تھی؛ اس لیے کہ زکوٰۃ کی فرضیت مکی دور میں ہوئی ہے، وہاں بھی مسلمان کچھ نہ کچھ بلا تفصیل کے ادا کرتے ہوں گے، مدینہ چونکہ دارالاسلام تھا؛ اس لیے تفصیلات آئیں اور ان تفصیلات کے مطابق عشر وخراج وصول کیا جانے لگا، ہمارے اوپر وہی واجب ہے جو مکی دور میں واجب تھا یعنی اپنی زمین کی پیداوار میں سے کچھ نہ کچھ نکالنا چاہیے، میری رائے بہت پہلے سے یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام زمین میں عشر یا نصف عشر دیانتاً واجب ہے یعنی فیما بینہ وبین اللہ، نہ دینے پر عند اللہ گرفت ہوسکتی ہے“۔

دار العلوم چھاپی میں منعقدہ مجلس کی تفصیلِ بالا میرے رفیقِ درس، حضرت مفتی صاحب کے تلمیذ مولانا محمد فاروق قاضی صاحب زید مجدہم (استاذِ حدیث دار العلوم چھاپی)

نے تحریر کی تھی جو خود اس مجلس میں شریک تھے، انہوں نے خط کے اخیر میں لکھا:

''میں اپنے ساتھیوں کے سامنے حضرت الاستاذ کا تقوی، استعداد و صلاحیت اکثر و بیشتر بیان کرتا رہتا تھا؛ لیکن ظاہر ہے پھل جب تک چکھا نہ جاوے ذائقہ کا لطف و مزہ نہیں آسکتا، میرے یہاں کے ساتھیوں نے ڈیڑھ دن میں حضرت والا کا تقوی اور آپ کی استعداد و صلاحیت اور علم میں رسوخ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا''۔

فتاویٰ رحیمیہ کی تنقیح

مفتی صاحب نے جن اکابر کے زیرِ سایہ تربیت پائی تھی ان میں سرِ فہرست آپ کے محبوب شیخ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ہیں، مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ کو بھی آپ کے فتاوی پر بڑا اعتماد تھا، زندگی کے اخیری دورِ نقاہت اور ضعفِ بینائی کے زمانہ میں جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو راندیر سے آدمی بھیجتے یا بذریعۂ رقعہ مفتی صاحب کو یاد فرماتے، بعد مشورہ پیش آمدہ مسئلہ میں آپ کی رائے معلوم فرماتے۔ فتاوی رحیمیہ کی اخیری جلدوں کے فتاوی آپ کی نظر سے گزارنے کے بعد ہی شائع کئے گئے، ان جلدوں میں بعض فتاوی کا گجراتی سے اردو ترجمہ کرنے کی سعادت مفتی صاحب کی وساطت سے راقم الحروف کے حصہ میں آئی، مترجَم تمام فتاوی مفتی صاحب کی تنقیح و ترمیم کے بعد شامل کئے گئے۔

چناں چہ حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ رقم طراز ہیں:

میرے عزیز مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم (مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) کا بہت ہی ممنون و مشکور ہوں، اس جلد کی تیاری میں ان کا بڑا حصہ ہے، مولوی

رشید احمد ابن جناب اسماعیل (عرف بھائی میاں) لاجپوری دام مجدہ وحبہ (متعلم دارالافتا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) جو فتاوی رحیمیہ کے بڑے قدرداں ہیں، درمیانِ مطالعہ انہوں نے احساس کیا کہ فتاوی رحیمیہ گجراتی میں ایسے بہت سے فتاوی ہیں جو اردو میں شائع نہیں ہوئے ہیں، ایسے فتاوی کی انہوں نے فہرست مرتب کی، ان فتاوی کے اردو میں ترجمہ کی خدمت مفتی عبدالقیوم صاحب دام مجدہ رفیق دارالافتا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے مفتی احمد خانپوری صاحب کی زیرِ نگرانی انجام دی وہ فتاوی شاملِ اشاعت ہیں، مفتی احمد صاحب نے تمام فتاوی کا ترجمہ، اسی طرح پوری جلد کا مسودہ بنظرِ غائر ملاحظہ فرمایا۔

(تشکر وامتنان فتاوی رحیمیہ ۸/۱۸)

یہی بات جلد نہم کے "تشکر وامتنان" میں حضرت لاجپوریؒ نے پھر دوہرائی ہے۔

(ملاحظہ کیجئے فتاوی رحیمیہ ۹/۱۶)

حضرت لاجپوریؒ کے کلمات عالیہ

فتاوی رحیمیہ کی اخیری جلد میں حضرت لاجپوریؒ نے مفتی صاحب کی توثیق وتعریف ان الفاظ میں بیان فرمائی:

عزیزم مفتی احمد خانپوری دام مجدہ ماشاء اللہ نوجوان صالح اور جید عالم وفاضل ہیں، احقر کی انہوں نے بہت خدمت کی ہے، ان کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے، ماشاء اللہ اس وقت عظیم دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بخاری شریف جلد ثانی کا کامیاب درس دے رہے ہیں، اور صدر مفتی بھی ہیں، فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے معتمد خاص اور خلیفہ بھی ہیں۔ احقر سے زمانۂ طالبِ علمی سے تعلق رہا ہے،

روزانہ میرے پاس تشریف لاتے تھے، آج ماشاء اللہ ٹھوس دینی خدمت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عطا فرمائی ہے، بہت مصروف رہتے ہیں، مگر بڑے ذوق وشوق سے اس جلد کا مسودہ بنظرِ غائر ملاحظہ فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین (تشکر وامتنان فتاوی رحیمیہ ۱۰/۱۹)

آپ کے فتاویٰ کی تائید وتوثیق

مفتی صاحب فطرتاً ذہین تھے، اس پر حضرت فقیہ الامت اور حضرت لاجپوریؒ اعلی اللہ مقامہما جیسے نادرِ روزگار اور فقید المثال فقہا اور صاحبِ فتوی استاذوں وبزرگوں کی صحبت وتربیت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا، اس وجہ سے دیگر علومِ متداولہ پر عبور اور تبحر رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کے اصل جواہر وکمالات فقہ وفتاوی کے دورِ صدارت میں کھلے، مفتی صاحب کے بعض فتاوی پر ان حضرات کے تائیدی دستخط اس کا واضح ثبوت ہے:

حضرت فقیہ الامتؒ کی تائید وتحسین

① جناب شبیر ٹیلر صاحب (ڈیوزبری برطانیہ) نے وہاں کے مشہور ومتنازع فیہ مسئلہ: رمضان وعیدین میں رؤیتِ ہلال کے موضوع پر ایک استفتا بھیجا تھا، مفتی صاحب نے اس کا مدلل ومفصل جواب تحریر فرمایا، جب یہ جواب فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی نظر سے گذرا تو اس پر حضرت نے ان الفاظ میں دادِ تحسین دی اور اظہارِ مسرت فرمایا:

”آپ کا فتوی ماشاء اللہ بہت جامع اور مفید معلومات پر مشتمل ہے، اور آپ کا

طرزِ استدلال نہایت پختہ ہے، کیا اچھا ہو کہ یہ چھپ جائے، دوسروں کو بھی زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے"۔ (مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/ ۳۱۳)

یہ فتوی اس مجموعہ میں شامل ہے، ملاحظہ کیجئے: کتاب الصوم

حضرت لاجپوریؒ کی تصدیق

② ۱۴۱۶ھ میں دورِ حاضر کے کھیلوں میں معروف کھیل (کرکٹ، فٹ بال، ٹینس) کے بارے میں آپ نے مفصل ومدلل فتوی تحریر فرمایا تھا، جو اس وقت ماہنامہ "النور" جون ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا تھا، جو اس مجموعہ میں شامل ہے، اس کو حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ نے بہت پسند فرمایا اور ان الفاظ میں تصدیق فرمائی:

الجواب صحیح: ماشاء اللہ بہت عمدہ اور قابلِ عمل جواب ہے، اس کی خوب اشاعت کی جائے، احقر کا بھی اس کے متعلق ایک جواب فتاوی رحیمیہ جلد ہفتم ۲۷۵ تا ۲۸۰ پر موجود ہے، مناسب معلوم ہو تو اسے بھی شامل فرمالیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ

دارالعلوم دیوبند میں تقرر کی کوشش

③ فخرِ گجرات حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم سے مفتی صاحب کو خصوصی تعلق ہے، زمانۂ طالب علمی سے مفتی صاحب کو بے پایاں شفقتیں ملیں، ایک مرتبہ فرمایا کہ "میرے دو استاذ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری اور حضرت مولانا آدم صاحب طالع پوریؒ مجھے بہت چاہتے تھے"۔

اول الذکر نے آپ کی خداداد صلاحیت کی بنا پر دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے لیے

بھی کوشش کی، اور اس سلسلہ میں وہاں کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مدظلہ کو بھی آمادہ کیا؛ مگر مفتی صاحب کو ان کے شیخ واستاذ نے جامعہ بھیجا تھا، اس لیے ڈابھیل کو دار العلوم پر ترجیح دی اور یہیں جمے رہنا پسند فرمایا۔

آپ کی فقہی بصیرت کی شہرت

حضرت پالن پوری مدظلہ جامعہ ڈابھیل کی شوریٰ کے رکنِ رکین ہیں، اسی سلسلہ میں ۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ کو جامعہ میں تشریف آوری ہوئی، موقع کی مناسبت سے بعد نمازِ ظہر جامعہ کے کتب خانہ میں اساتذہ کے لیے خصوصی مجلس منعقد کی گئی، جس میں حضرت مولانا نے اساتذۂ جامعہ کو قیمتی نصائح فرمائیں، جس میں شدہ شدہ بات یہاں تک پہنچی کہ اساتذہ کو کسی ایک فن میں مہارت وبصیرت پیدا کرنا ضروری ہے مثلاً ''نور الایضاح'' پڑھانے والا اس فن سے متعلق تمام کتابیں دیکھ لیں (جیسے مالا بد منہ، قدوری، کنز الدقائق، شرحِ وقایہ، ہدایہ) تو فنِ فقہ سے مناسبت پیدا ہوگی، طلبا کو فن پڑھانا چاہیے، کتاب نہیں، سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب- جو قریب ہی دوزانوں باادب تشریف فرما تھے- کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا'' جیسے مولوی احمد کی فقہی بصیرت ہمارے یوپی میں مشہور ہے''۔

④ امریکہ کی معروف ایم وے نامی کمپنی میں شرکت کے جواز وعدمِ جواز کے بارے میں سوالات اٹھے، اربابِ افتا کی طرف سے دونوں طرح کے رجحان سامنے آئے، کوئی جائز کہتا تھا تو کوئی ناجائز۔

ان دِنوں کی بات ہے کہ یوپی کے مشہور عالم، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

کے خصوصی فیض یافتہ، جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب وارانسی کے شیخ الحدیث صاحب کا مفتی صاحب پر فون آیا کہ ”ہمارے یہاں تو آپ کے فتوی کا انتظار ہے، آپ کا جو فتوی ہوگا اسی پر یوپی میں عمل ہوگا“۔

یہ چار مثالیں تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی فقہی بصیرت اور اصابتِ رائے صرف گجرات میں نہیں؛ بلکہ اس کی صدائے بازگشت یوپی میں بھی سنی گئی۔

آپ کی اصابت رائے پر حضرت لاجپوریؒ کا اعتماد

حضرت لاجپوریؒ زندگی کے اخیری سالوں میں متعدد امراض کی وجہ سے بہت ہی ضعیف ہو چکے تھے، آنکھوں میں بصارت ختم ہو چکی تھی، بالکل صاحبِ فراش تھے، حالت بالکل نازک ہوگئی، اٹھنا بیٹھنا مشکل ہوگیا تو خدام نے تیمم کر کے نماز پڑھنے کو کہا مگر تیار نہ ہوئے اور فرمایا: کسی طرح وضو کرا کر ہی نماز پڑھاؤ۔

ایک روز مفتی صاحب کی تشریف آوری ہوئی، خدام نے مفتی صاحب کے ذریعہ کہلوایا کہ آپ تیمم کر کے نماز پڑھنے کو کہیے؛ چنانچہ مفتی صاحب نے کہا تو بات قبول کر لی اور تیمم کر کے نماز پڑھنا شروع فرما دیا، دوسرے روز پھر مفتی صاحب حاضر ہوئے تو فرمایا: کل سے آپ کے کہنے سے تیمم کر کے نماز پڑھتا ہوں۔ اس کے چند روز بعد حضرتؒ کا وصال ہوگیا۔

جیسے حضرت نانوتویؒ بیماری میں تکلیف اٹھا کر وضو کرتے تھے اس پر ایک روز مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ: ”ایسی حالت میں رخصت پر عمل کرنے میں احتیاط برتنا میرے نزدیک اچھا نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بہادری جتانے کے مرادف ہے اس وقت آپ کو تیمم کرنے ہی میں ثواب زیادہ ملے گا“۔ اس کے بعد

حضرت نانوتویؒ نے ان کے فرمانے کو قبول کرتے ہوئے تیمم کرنا شروع فرما دیا۔

مذکورہ واقعہ سے یہ بتلانا ہے کہ حضرت لاجپوریؒ کو مفتی صاحب کی فقہی بصیرت پر مکمل اعتماد تھا، جیسے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے نزدیک حضرت فقیہ الامتؒ کی فقہی بصیرت مسلّم تھی، حضرت شیخ کو ذاتی طور پر کسی مسئلہ میں تحقیق کی ضرورت پیش آتی تو حضرت فقیہ الامتؒ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

اپنے فتویٰ پر خود عمل

مفتی صاحب کے مزاج و مذاق کا ایک حصہ فتوی پر عملی زندگی سے ہے، یہ حصہ نازک ہے کسی مسئلہ کا حکم لکھنا اور فتوی تیار کرنا آسان کام ہے، لیکن اس فتوی پر پابندی سے خود عمل کرنا مشکل ہے، ہمارے اکابر کے بارے میں پڑھا اور سنا کہ وہ حضرات اپنے نفس کے معاملہ میں متشدد تھے کہ کسی خلافِ اَولی فعل کو اپنے لیے گوارا نہ کرتے تھے، مگر عام لوگوں کے لیے بڑے نرم تھے ہم نے مفتی صاحب کو بھی ایسا ہی پایا۔

دو مثالیں

① جھینگا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اکابر علما میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے، دونوں طرف سے رسائل وفتاوی منصہ شہود پر آچکے ہیں۔

اس مسئلہ میں مفتی صاحب کا رجحان حضرت فقیہ الامتؒ کے رجحان کی طرح عدمِ جواز کا ہے، اور یہی حکم فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں، اسی کے مطابق آپ کبھی بھی جھینگا نہیں کھاتے، اگر کوئی کھاتا ہے تو اس پر نکیر بھی نہیں فرماتے، اس لیے کہ بعض علما اس کے جواز کے قائل ہیں؛ گویا اس مسئلہ میں آپ کا عمل اپنے شیخ کے عمل کے مطابق ہے وہ یہ ہے

کہ ایک موقع پر کھاتے وقت دستر خوان پر ایک سالن جھینگا بھی تھا، کسی نے حضرت فقیہ الامتؒ سے پوچھ لیا کہ حضرت! آپ یہ نہیں کھاتے؟ تو حضرت نے نہایت ہی جامع ارشاد فرمایا: ''نہ ایں کار می کنم نہ انکار می کنم''یعنی میں نہیں کھاتا اور کھانے والے کو روکتا بھی نہیں ہوں۔

حضرت فقیہ الامتؒ کے اس جامع جواب کی تائید حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے پاک ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے گوہ تناول نہ فرمانے کے موقع پر فرمایا تھا: عن عبد الله بن عمر أنه قال نادیٰ رجل رسول الله کیف تریٰ في أکل الضب؟ قال: لست بآکله ولا محرمه (الموطأ لمحمد باب أکل الضب، ص:۲۸۵)

(۲) امریکہ اور اس کے اسلام دشمن حلیفوں نے عالمِ اسلام کو جارحیت اور بربریت کا نشانہ بنا رکھا ہے، اس سلسلہ میں ۱۴۲۲ھ میں جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے ایک استفتا کا جواب دار العلوم دیوبند سے صادر ہوا، جس میں اسلام دشمن طاقتوں کی مصنوعات کا بائیکاٹ لازم قرار دیا، کیوں کہ یہ ظلم وعدوان میں تعاون ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔

یہ فتویٰ پورے ہندوستان میں مستند مفتیانِ کرام کی خدمت میں تصدیق کے لیے بھیجا گیا، ان تصدیق کنندگان میں حضرت مفتی صاحب بھی ہیں۔

امریکی مصنوعات میں مشہور مشروب پیپسی (PEPSI) اور سیون اپ (7UP) ہے، دستخط کے وقت سے لے کر آج تک کبھی بھی اس مشروب کو نہیں پیا، کسی دعوت میں کوئی پیش کرتا ہے تو صاف انکار فرماتے ہیں ''کہ میں یہ نہیں پیتا'' مگر اسی دستر خوان پر دوسرے شوق سے پیتے ہیں ان کو روکتے بھی نہیں، یہ عمل فتویٰ پر دستخط کے پیشِ نظر دیانۃً ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے سیون اپ پیش کی، بھولے سے ایک گھونٹ پی کر پوچھا یہ کونسا

مشروب ہے؟ بتلایا گیا سیون اپ، تو فرمایا ''آپ نے ہم کو گناہ میں مبتلا کر دیا، بھائی ہم نے فتوی پر دستخط کر رکھی ہے، اب تو گھر جا کر دو رکعت صلوٰۃ توبہ پڑھنی پڑے گی''۔

فتوے سے رجوع

جدید مسائل کا حل کتبِ فقہیہ میں صراحتاً نہیں پایا جاتا، بلکہ مفتی کتب فقہ سے اخذ واستنباط سے کام لے کر حل پیش کرتا ہے، اس لیے اس میں غلطی کا احتمال بہ نسبت دیگر جوابات کے زیادہ پایا جاتا ہے، علمائے کبار کو بھی ایسے حالات سے دو چار ہونا پڑا ہے؛ لیکن جب بھی ان کے سامنے اپنی غلطی واضح ہوگئی تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں تو ماہنامہ ''النور'' میں ترجیح الراجح کا ایک مستقل عنوان تھا، اس میں حضرت مرجوع عنہ مسائل کا اعلان فرماتے۔ اسی طرح دور حاضر میں حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم بھی اپنے فتاویٰ سے بعض مرتبہ رجوع کا اعلان کرتے رہتے ہیں، جو رسالہ البلاغ میں مستقل عنوان کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ ہمارے حضرات کے تدین وتقوی کی دلیل ہے۔

حضرت مفتی صاحب کو ایک دو مرتبہ ایسا موقع پیش آیا ہے:

① امریکہ کی مشہور ایم وے (M.WAY) نامی کمپنی جو عرصہ دراز سے دنیا کے مختلف ممالک میں اپنی مصنوعات فروخت کررہی ہے، اس سلسلہ میں کسی جگہ سے استفتا آیا، اس میں کمپنی کے طریقۂ کار کی جو نوعیت لکھی تھی اس کے پیش نظر آپ نے ایم۔ وے کمپنی میں شرکت کے جواز کا فتوی تحریر فرمایا؛ لیکن بعد میں تحقیقات اور دیگر علمائے عرب وہند کے فتاوی سے ایم۔ وے کمپنی کی دھوکہ بازی اور مال کے استحصال کا پہلو سامنے آیا

تو علی الاعلان سابقہ فتوی سے رجوع فرمالیا اور ایم۔ وے کمپنی میں شرکت کے عدمِ جواز کا فتوی صادر فرمایا۔

M.WAY کمپنی کے متعلق فتوی سے رجوع

عدمِ جواز کا اعلان ماہنامہ ''بیانِ مصطفی'' اکل کوا کے ذریعہ کیا، رجوع کی تحریر حسبِ ذیل ہے:

گذشتہ کچھ عرصہ سے M.WAY کمپنی کے ساتھ تجارت میں شریک ہونے اس کی اسکیم میں شامل ہونے اور دوسروں کو اس میں شرکت پر آمادہ کرنے کے متعلق حکمِ شرعی معلوم کرنے کے لیے بہت سے حضرات نے زبانی اور کچھ نے تحریری سوالات پیش کیے۔

مذکورہ کمپنی کے طریقۂ کار کی جدت اور دقت و پیچیدگی کی وجہ سے کئی دنوں تک کوئی بھی اس کا طریقۂ کار صحیح طور پر پیش نہ کر سکا، پھر ایک دن جناب انعام الحق بنارسی (رانی تالاب سورت) کمپنی کے ایجنٹ کو لے کر دارالافتا میں پہنچے، جس نے اپنے طور پر کمپنی کے طریقۂ کار کو ہمارے سامنے پیش کیا، یہ ایجنٹ بھی گجراتی زبان میں شائع شدہ کمپنی کا کوئی لٹریچر اور مواد لے کر نہیں آئے تھے۔

اس کے بعد جناب انعام الحق صاحب نے ایک سوال نامہ مرتب کر کے پیش کیا، ان کے مذکورہ سوال نامہ کے بعد بھی کمپنی کے طریقۂ کار پر غور و فکر اور باہمی مشورے ہوتے رہے، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بھڑکودروی صاحب سے بھی اس سلسلہ میں گفتگو کی، اور پھر اس کو دلالی کا مسئلہ بتاتے ہوئے جائز قرار دیا، تاہم بہ طورِ احتیاط ابھی تک استفتا کا جواب روانہ نہیں کیا، مگر سائل کی جانب سے جواب کا مطالبہ زور پکڑتا رہا،

اور دوسری طرف دیگر علمائے کرام سے بھی اس سلسلہ میں گفتگو کی تب بھی اس کے ناجائز ہونے کی کوئی واضح دلیل سامنے نہیں آئی، چناں چہ کچھ مدت کے بعد وہ جواب روانہ کر دیا گیا، اس کے بعد مظاہر علوم سہارن پور کے دار الافتا کے ایک جواب میں جواز کا حکم دیکھنے میں آیا۔

مگر ابھی کچھ ہی دنوں پہلے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب (دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر) کی جانب سے ایک تحریر موصول ہوئی، جس میں کمپنی کے طریقۂ کار کا تجزیہ کرتے ہوئے وہاں کے مفتی حضرت مولانا مفتی نذیر احمد قاسمی صاحب کا تحریر کردہ جواب پڑھا، جس میں انہوں نے اس کمپنی کی تجارت اور طریقۂ کار میں شامل ہونے کو مدلل طور پر ناجائز قرار دیا ہے، ان کی تحریر کے آخر میں استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم کی جانب سے بھی عدمِ جواز کے فتوی کی بات کہی گئی ہے۔

ان کے اس جواب سے ہمیں بھی عدمِ جواز پر مکمل اطمینان ہوگیا ہے، اور اب ہم اگلے جواب سے رجوع کرتے ہوئے مذکورہ کمپنی کے ساتھ تجارت کرنے اور شریک ہونے کو ناجائز سمجھتے ہیں، دیانتاً اس کا اعلان ضروری ہونے کی وجہ سے یہ تحریر بہ طورِ طباعت روانہ کی جارہی ہے۔ جو حضرات مذکورہ فتوی کی نقل چاہتے ہوں وہ دار الافتا جامعہ ڈابھیل سے حاصل کرسکتے ہیں۔ (ماہنامہ بیان مصطفی، اکتوبر ۲۰۱۱ء)

کمال احتیاط

تحریر پڑھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جواز کا فتوی دینے سے پہلے کس قدر احتیاط وتحقیق سے کام لیا، اور جب رجحان بدل گیا اور مسئلہ کا دوسرا رخ واشگاف ہوا تو اس کی

اشاعت واعلان میں اس سے زیادہ احتیاط کیا، جواز کا فتوی شخصی طور پر دیا گیا تھا، کسی رسالہ میں نہیں چھپا تھا، جبکہ عدمِ جواز کا اعلان ''بیانِ مصطفیٰ'' کے ذریعہ کر کے ہزاروں لوگوں کو باخبر کیا گیا، اس لیے کہ مذکورہ رسالہ ہزاروں کی تعداد میں چھپتا ہے، ملک و بیرونِ ملک میں پہنچتا ہے، صرف اسی پر بس نہ کیا؛ بلکہ ایم۔ وے کمپنی کی چال بازی اور امت کے اموال کو استحصال سے بچانے کی خاطر اس موضوع پر علمائے عرب کے عربی فتاوی کو اپنے شاگردوں کے ذریعہ اردو جامہ پہنا کر برِ صغیر کے چنیدہ مفتیانِ کرام کے فتاوی کے ساتھ ''ملٹی لیول مارکیٹنگ کا شرعی حکم'' نام سے ایک رسالہ شائع کروایا۔

ظاہر سی بات ہے فقہی مسائل میں اس قدر احتیاط جس شخص کا مذاقِ زندگی بن چکا ہو وہ کسی مسئلہ میں خود رائی اور تفرد اختیار کرنے سے کس درجہ دور ہوگا اس کو بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

پندرہویں رمضان کو چنگھاڑ سے متعلق روایت

(۲) ۱۴۲۰ھ کے رمضان میں ''فتاوی رضویہ'' کی ایک روایت کے متعلق ہر طرف سے شور اٹھا، روایت یہ ہے ''پندرہ رمضان جمعہ کے دن چاشت کے وقت آسمان سے ایک ہولناک آواز سنائی دے گی جس کے سننے سے ہزاروں انسان دم توڑ دیں گے'' اسی حدیث میں اس بلا سے نجات پانے کے لیے سات تدبیریں بتلائی گئی ہیں، اتفاق سے ۱۴۲۰ھ میں رمضان کی پندرھویں تاریخ جمعہ کے روز پڑ رہی تھی، لوگ خوف زدہ تھے، مفتی صاحب سے اس سلسلہ میں سوال کیا گیا، آپ نے روایت کی تحقیق کروائی کہ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ بسیار تلاش کے بعد علامہ سیوطی کی کتاب ''اللآلئ المصنوعة'' (۲/ ۳۲۲) میں

مل گئی؛ چناچہ ایک پمفلٹ کی شکل میں اس کو شائع کردیا، اس پر مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کے دستخط بایں الفاظ ثبت ہے: ''میں بھی اس مضمون سے متفق ہوں''۔

۱۴۲۸ھ میں اتفاق سے رمضان کی پندرھویں تاریخ اور جمعہ جمع ہوگئے تو لوگوں میں دہشت پھیل گئی، آپ نے دوسرا فتوی ۱۴۲۰ھ کے مضمون کے خلاف صادر فرمایا، اور فتوی کے اخیر میں تحریر فرمایا:

نوٹ: اس سے پہلے ۱۴۲۰ھ میں مذکورہ روایت سے متعلق ایک تحریر دی گئی تھی، اب جبکہ اس روایت (کے ضعیف وموضوع ہونے) کی پوری حقیقت سامنے آچکی ہے تو سابقہ تحریر خود بہ خود ختم ہوجاتی ہے، لہذا اگر کوئی شخص سابقہ تحریر پیش کرے تو اس کی طرف دھیان نہ دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

أملاہ: احمد خانپوری، ۱۱/ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

دراصل غلط فہمی اس لیے ہوئی تھی کہ علامہ سیوطیؒ نے ''اللآلیء المصنوعة'' میں اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا ہے، بعد میں دیگر اہلِ علم نے توجہ دلائی کہ اس حدیث کے رواۃ مجہول اور جھوٹے ہیں؛ نیز علمائے حدیث نے اس حدیث کو قابلِ رد اور بے بنیاد قرار دیا ہے، جیسا کہ مستدرک حاکم ۸۵۸۰، الموضوعات ۳/ ۱۹۰، تلخیص الموضوعات ۸۷۴، الضعفاء الکبیر ۳/ ۵۲، کشف الخفاء ۳/ ۴۲۳، نقد المنقول ۱/ ۱۰۱، میں اس کی تصریح موجود ہے۔

مولانا طلحہ بلال منیار صاحب نے مذکورہ حوالجات ایک تحریر میں شائع کئے ہیں، جب حدیث کی حقیقت ظاہر ہوچکی تو مفتی صاحب نے بلاتردد سابق تحریر سے رجوع فرمالیا۔

تفرد سے نفرت اور بڑوں سے استصواب

مفتی صاحب کو کسی مسئلہ میں ''تفرد'' اختیار کرنے سے نفرت ہے، اہم مسائل میں اپنے بڑوں کی طرف رجوع فرماتے رہے ہیں۔ جب تک حضرت فقیہ الامت بقیدِ حیات تھے ان کی تشریف آوری پر اہم استفتاء ان سے استصواب کئے بغیر تحریر نہ کرتے، ان دنوں اگر دیوبند جانے کا اتفاق ہوتا تو اہم استفتاء اپنے ساتھ لے جاتے، وہاں جاکر اس مسئلہ میں حضرت کا عندیہ معلوم کرتے، حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ کی خدمت میں حاضری کے وقت بھی اسی طرح کا معمول رہا۔

۱۴۱۹ھ میں ''اکابرینِ گجرات'' نامی گجراتی کتاب کی تکمیل پر اس کے مؤلف مولانا حکیم عبدالحی کفلیتویؒ کو مبارک بادی پیش کرنے کے لیے ''ویسما'' میں ایک اہم اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں مہمانِ خصوصی کے طور پر فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (متوفی ۲۰۰۲ء) کو مدعو کیا گیا تھا، اس وقت تین روز تک قاضی صاحب کا قیام جامعہ میں رہا، دیکھا گیا کہ مفتی صاحب بعض مسائل میں ان کے ساتھ تبادلۂ خیال فرما رہے ہیں۔

جامعہ ڈابھیل میں فقہ وفتاوی سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم تشریف لاتے تو ان کو دارالافتا ضرور لاتے، ہم خدام بھی حاضر ہوتے، ایسے مواقع میں دیکھا گیا کہ کوئی نہ کوئی مسئلہ زیرِ بحث ہوتا، آنے والے عالم کی بات پوری سنجیدگی اور اہمیت کے ساتھ بہ غور سنتے۔

چند سال پہلے قریب کی ایک بستی سے سوال آیا جس کا خلاصہ یہ تھا: مسجد کی وقف زمینیں خطرہ میں ہیں، غیر مسلم کے قابض ہونے کا امکان ہے، کیا ان حالات میں اوقاف کی

زمینیں بیچ کر اس کی قیمت سے بیرونی ممالک میں کوئی بلڈنگ خریدی جاسکتی ہے؟ اس بلڈنگ کا کرایہ مسجد ہی کے کاموں میں صرف کیا جائے گا۔

مفتی صاحب نے از خود استفتا کا جواب تحریر نہیں فرمایا بلکہ ان کو مشورہ دیا کہ گجرات کے مؤقر مفتیانِ کرام کو اپنی بستی میں مدعو کریں وہ حضرات جو فیصلہ کریں اس پر عمل کریں۔

ایک مرتبہ استفتا کا حکمِ شرعی تحریر کرنے میں وصیت کے ایک مسئلہ میں ''مفید الوارثین'' کے ایک مسئلہ پر اشکال پیدا ہوا۔ یہ واقعہ ۱۴۲۵ھ کا ہے حضرت فقیہ الامتؒ کا ۱۴۱۷ھ اور حضرت لاجپوریؒ کا ۱۴۲۲ھ میں وصال ہو چکا تھا، تو اپنے محبوب استاذ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی خدمت میں مدلل طور پر اشکال تحریر فرما کر بھیجا اور دفعِ اشکال کی درخواست کی۔ افادہ کی غرض سے اشکال اور اس کا جواب پیش کیا جاتا ہے:

وصیت کا ایک مسئلہ

گرامی نامہ حضرت مفتی صاحب: بنام حضرت اقدس مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہما

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

مخدومِ محترم ومعظم حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں یہاں پر بہ خیر وعافیت رہتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں آپ کی خیر وعافیت کے لیے دعا گو ہوں، یہاں دار الافتا میں پیش شدہ ایک معاملہ کی شرعی تحقیق کے دوران حضرت اقدس مولانا سید اصغر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کی تصنیف مفید الوارثین کے

ایک مسئلہ پر اشکال پیدا ہو گیا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ سے تسامح ہوا ہے، مفید الوارثین میں حسبِ ذیل مسئلہ ہے: ''جس کے لیے وصیت کرتا ہے وہ بوقتِ وصیت زندہ ہو، میت کی وفات کے بعد اس کا زندہ ہونا شرط نہیں۔ پس اگر کسی مردہ شخص کے لیے وصیت کی تو معتبر نہ ہوگی، اور اگر زندہ شخص کے لیے وصیت کی لیکن وہ وصیت کرنے والے کے سامنے ہی مر گیا تو یہ وصیت جائز ہوگی، اور جس کے لیے وصیت کی تھی اس کی جگہ اس کے وارث اس وصیت کے مستحق ہو جائیں گے۔ (مفید الوارثین ۷۷)

آگے صفحہ ۷۸ پر تحریر فرماتے ہیں: ''چھٹی شرط یہ ہے کہ جس شخص کے لیے وصیت کی ہے وہ میت کا وارث نہ ہو، اگر وارث کے لیے وصیت ہوگی تو باطل اور غیر معتبر ہوگی؛ البتہ اگر باقی وارث اس کو جائز رکھیں اور منظور کر لیں تو معتبر ہو جائے گی۔

شرح: یہ جو بیان ہوا کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں یہاں وہ وارث مراد ہے جو بوقتِ وفات میت شرعاً وارث ہو اور اس کے مال سے حصہ پاوے، پس اگر کوئی شخص بوقتِ وصیت تو وارث تھا مگر مورث کی وفات کے وقت وارث نہیں رہا تو اس کے لیے جو وصیت ہوئی ہے وہ جائز ہوگی۔

مثالِ اول: جب زید نے بھائی کے لیے وصیت کی تو چار وارث موجود تھے ایک والدہ، ایک زوجہ، ایک ہمشیرہ، ایک بھائی، سب سمجھتے تھے کہ یہ وصیت باطل ہوگی؛ مگر زید کے انتقال کے دو روز پہلے اس کے ایک بیٹا پیدا ہو گیا، اب یہ بھائی صاحب حصہ دار وارث تو نہ رہے (کیوں کہ بیٹے کی موجودگی میں میت کا بھائی محروم رہتا ہے) مگر زید نے جو ان کے لیے وصیت کی تھی وہ صحیح و معتبر ہوگی، کیوں کہ بوقتِ وفاتِ زید وہ وارث نہیں تھے۔

مثالِ دوم: زید نے اپنے بھائی کے لیے وصیت کی، بظاہر سب اس کو ناجائز سمجھ رہے تھے

مگر اتفاق سے زید کی حیات ہی میں اس کے بھائی کا انتقال ہوگیا تو یہ وصیت جائز اور معتبر سمجھی جائے گی، اور اس وصیت میں جس قدر مال وغیرہ زید نے اپنے بھائی کے لیے مقرر کیا تھا وہ زید کے بھائی کی اولاد وغیرہ کو مل جائے گا، اگر بھائی نہ مرتا تو یہ وصیت باطل رہتی؛ البتہ میراث سے حصہ ملتا، اب جبکہ بھائی مر گیا تو وہ وارث ہی نہ رہا؛ اس لیے وصیت اس کے لیے جائز ہوگی اور اس کے پس ماندوں کو دی جائے گی"۔ (مفید الوارثین ۷۸،۷۹)

وصیت کے سلسلہ میں کتبِ فقہ میں جو تفصیلات ہیں ان سے جو چیز میری سمجھ میں آئی وہ پیش کرتا ہوں:

① وصیت کا رکن ایجاب وقبول ہے، موصی کی طرف سے ایجاب اور موصی لہ کی طرف سے قبول ہونا ضروری ہے، جب تک کہ دونوں نہیں پائے جائیں گے رکن مکمل نہیں ہوگا۔

بدائع الصنائع میں ہے: وأما رکن الوصیة: فقد اختلف فیه، قال أصحابنا الثلاثة رحمهم الله هو الإیجاب والقبول، الإیجاب من الموصی والقبول من الموصی له، فما لم یوجدا لا یتم الرکن، وإن شئت قلت: رکن الوصیة الإیجاب من الموصی وعدم الرد من الموصی له، وهو أن یقع الیأس عن رده، وهذا أسهل لتخریج المسائل علی ما نذکر، وقال زفر رحمه الله الخ. (۷/ ۳۳۱)

② موصی لہ کا قبول جو وصیت کا ایک رکن ہے وہ موصی کی موت کے بعد ہونا چاہیے، موصی کی زندگی میں موصی لہ کی طرف سے وصیت کو قبول یا رد کرنا معتبر نہیں، اگر اس نے موصی کی زندگی میں رد کر دیا لیکن موصی کی وفات کے بعد قبول کیا تو وہ معتبر ہے، اور اگر موصی کی زندگی میں قبول کر لیا اور موصی کی وفات کے بعد رد کر دیا تو وہ رد ہی سمجھا جائے گا۔

"مجمع الأنهر" میں ہے: (ولا بد فی الوصیة من القبول) (ویعتبر)

القبول (بعد موت الموصى)لأن أوان ثبوت حكمها بعد موت الموصى (ولا اعتبار بالرد والقبول فى حياته)اى حيات الموصى كما إذا قال لإمرأته أنتِ طالق غداً على درهم، فإن ردها وقبولها باطل قبل الغد (وبه) اى بالقبول (تملك) الوصية ولا تملك قبله؛ لأن الوصية إثبات ملك جديد ولا يملك أحد إثبات الملك لغيره بلا إختيار (مجمع الأنهر ۲/ ۶۹۴،۶۹۳)

”درر المنتقى على هامش المجمع الانهر“ میں ہے: (و)اعلم أنه لا بد فى الوصية من القبول صريحاً أو دلالةً بأن يموت الموصى له بعد موت الموصى كما فى الخلاصه، وقال زفر: الركن الإيجاب،وفى القهستانى وغيره القبول شرط للملك لا لصحة الوصية، ولا يشترط للملك القبض قبل القبول عملاً بشبهى الهبة والارث (ويعتبر)القبول (بعد موت الموصى)لا قبله (و)حينئذ (لا اعتبار بالرد والقبول فى حياته)لأن أوان ثبوت حكمها بعد الموت (وبه) أى بالقبول المذكور (تملك) لما مر (إلا أن يموت الموصى له بعد موت الموصى قبل القبول) والرد فهو من قبيل الإكتفاء (فإنه يملكها) بلا قبول (وتصير لورثته) استحساناً.(درر المنتقى على هامش المجمع الانهر۲/ ۶۹۳)

فتاوی ہندیہ میں ہے:قبول الوصية إنما يكون بعد الموت فان قبلها فى حال حياة الموصى أو ردها فذلك باطل، وله القبول برد الموت كذا فى السراجية . (هنديه۶ /۹۰)

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے: ويعتبر قبولها أى قبول الوصية وردها بعد الموت لأن الوصية تمليك مضاف الى ما بعد الموت فيعتبر قبولها بعده، شرح المجمع لابن ملك . (تنقيح الفتاوى الحامديه۲ /۳۱۳)

(۳) موصی لہ کا قبول جو رکن وصیت ہے کبھی صراحۃً ہوتا ہے اور کبھی حکماً ودلالۃً؛

چناں چہ اگر موصی کی موت کے وقت موصی لہ موجود تھا اس کے بعد صراحتاً قبول یا رد کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں یہ اس کی طرف سے دلالۃً قبول شمار ہوگا اور مال موصی بہ اس موصی لہ کے ورثا کو بطورِ وراثت دیا جائے گا۔

چناں چہ فتاوی ہندیہ میں ہے: ویشترط فی الوصیة القبول صریحاً بأن یموت الموصی له قبل الرد والقبول فیکون موته قبولاًفترثها ورثته، کذا فی الوجیز الکردری (هندیه ٦/ ٩٠)

مجمع الانہر میں ہے: (إلا أن یموت الموصی له بعد موت الموصی قبل القبول فإنه) أی الموصی له (یملکها) أی الوصیة (وتصیر لورثته) أی ورثة الموصی له ولا حاجة إلی القبول وهذا استحسان . (مجمع الانهر ٢/ ٦٩٤،٦٩٣)

درر المنتقی میں ہے: (إلا أن یموت ا لموصی له بعد موت ا لموصی قبل القبول) والرد فهو من قبیل الإکتفاء (فإنه یملکها) بلا قبول (وتصیر لورثته) استحساناً . (درر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر ٢ /٦٩٣)

درِمختار میں ہے: (وإنما یصح قبولها بعد موته) لأن أوان ثبوت حکمها بعد الموت (فبطل قبولها وردها قبله) وإنما تملك بالقبول (إلا إذا مات موصیه ثم هو بلا قبول فهو) أی المال الموصی به (لورثته) بلا قبول استحساناً کما مر . (درِمختار علی هامش الشامی٥ /٤٦٥)

نوٹ: غالباً حضرت میاں صاحبؒ کو اسی مسئلہ سے تسامح ہوا ہے۔

④ موصی کی زندگی میں موصی لہ کے انتقال کر جانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے؛

چناں چہ بدائع الصنائع "بیان ماتبطل به الوصیة" میں ہے:

وتبطل بموت الموصى له قبل موت الموصى لأن العقد وقع له لا لغيره فلا يمكن إبقاؤه على غيره. (بدائع الصنائع ٧ /٣٩٤)

⑤ وصیت کی تعریف درِمختار میں کی گئی ہے: (هى تمليك مضاف الى ما بعد الموت) عيناً كان أو ديناً، قلت: يعنى بطريق التبرع . (درِ مختار على هامش الشامى ٥ /٤٥٨)

تبیین الحقائق میں ہے: وفى الشرع ما ذكره فى المختصر فقال الوصية تمليك مضاف إلى مابعد الموت يعنى بطريق التبرع سواء كان عيناً أو منفعةً . (٦ /١٨٢)

جب یہ تملیک مضاف الی مابعد الموت ہے تو موصی کی موت کے وقت موصی لہ اگر زندہ ہے تب ہی اس میں تملیک یعنی مالک بننے کی اہلیت ہے اور اگر موصی لہ کا انتقال موصی سے پہلے ہو چکا ہے تو اس میں مالک بننے کی صلاحیت اور اہلیت ہی نہیں رہی پھر یہ وصیت کیسے درست قرار دی جائے۔

عالمگیری میں ہے: وشرطها كون الموصى اهلاً للتمليك والموصى له اهلاً للتملك والموصى به بعد الموصى مالاً قابلا للتمليك، وحكمها: أن يملكه الموصى له ملكاً جديداً كما يملك بالهبة كذا فى الكفاية . (هنديه ٦/ ٩٠)

حضرت والا سے درخواست ہے کہ ان معروضات پر غور فرما کر جواب عنایت فرمائیں، اور اگر مفید الوارثین کے مسئلہ میں واقعتاً تسامح ہوا ہے تو اس کو واضح فرما کر ممنون فرمائیں۔ فقط والسلام۔

أملاه: العبد احمد خانپوری، ٢ /محرم الحرام ١٤٢٥ھ

حضرت پالن پوری مدظلہ کا جواب

الجواب: دونوں جگہ حضرت میاں صاحب قدس سرہ سے تسامح ہوا ہے۔ ہدایہ میں صاف ہے: ولو مات الموصی لہ فی حیاۃ الموصی بطلت (٤/٦٦٨)

پہلی جگہ خط کشیدہ عبارت اور دوسری جگہ مثالِ دوم صحیح نہیں، میاں صاحب قدس سرہ نے یہ مضمون درِمختار سے لکھا ہے، اور شامی سے مثالیں لی ہیں، مگر معلوم نہیں ایسا صریح تسامح کیسے ہو گیا، یہ تو طے شدہ امر ہے کہ موصی کے انتقال کے بعد موصی لہ کا وصیت کو قبول کرنا ضروری ہے، خواہ دلالۃً ہو، پس اگر وہ موصی کی حیات میں وفات پا گیا تو رکن یا شرط کہاں پائی گئی؟ واللہ اعلم۔

حررہ: سعید احمد عفا اللہ عنہ، ١٠/محرم الحرام ١٤٢٥ھ

ایک بکرے یا بڑے جانور کے ایک حصہ میں چند آدمی مل کر نبی کریم ﷺ یا کسی دوسری میت کی طرف سے قربانی کریں تو یہ قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟ یہ مسئلہ قدیم زمانہ سے ہمارے اکابر کے درمیان موضوعِ بحث بنا رہا ہے، اسی سلسلہ میں ایک فتوی برائے تصدیق دارالافتاء ڈابھیل پہنچا، مشورہ کے بعد اس کا جائزہ لینے کے لیے رفیق دارالافتا مولانا مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب سملکی سلمہ کو سپرد کیا گیا، موصوف نے بڑی تفصیل و تحقیق سے اس پر سیر حاصل کلام کیا جو تقریباً دوسو، ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے، مسئلہ مکمل ہونے کے بعد ملک کے بعض معروف اور مستند اہلِ فتوی کی خدمت میں برائے ملاحظہ پیش کرنے کا حکم دیا؛ تاکہ مسئلہ کا ہر پہلو مدلل طریقہ سے اہلِ علم کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔

سالِ گذشتہ مولانا ایوب بھٹکلی صاحب نے عورتوں کی نماز کے سلسلہ میں تفرد پر مشتمل ایک تحریر بھیجی، جس میں کتبِ فقہ میں لکھے ہوئے طریقۂ نماز اور بہشتی زیور کو

نا قابلِ اعتبار قرار دینے کی کوشش کی گئی تھی، راقم الحروف نے فقہ حنفی کی روشنی میں اس کا مفصل و تحقیقی جواب تیار کیا، بعض اہلِ علم نے اس فتوی کو شائع کرنے کی طرف توجہ دلائی، مگر مفتی صاحب نے فرمایا: شائع کرنے سے پہلے معروف و مستند مفتیانِ کرام کی خدمت میں فتوی برائے ملاحظہ و تصدیق بھیجا جائے؛ تاکہ انتشار نہ ہو، چناں چہ حضرت مفتی صاحب کے منشا کے مطابق اس پر عمل کیا گیا۔

دار الافتا میں طرزِ تدریس

آپ ۱۴۰۶ھ میں منصبِ افتا پر تشریف لائے، اس وقت شعبۂ افتا میں داخل ہونے والے طلبا کے لیے مدتِ تعلیم صرف ایک سال مقرر تھی، ایک ہی سال میں کتبِ درسیہ و مشقِ فتاوی سے فارغ کر دیا جاتا، اس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب خود ہی شرح عقود رسم المفتی، الأشباه والنظائر، نشر العرف فی بناء بعض الأحكام علی العرف اور کبھی سراجی کا درس دیتے، درس میں معنی خیز تقریر فرماتے، مسئلہ کو مثالوں سے سمجھاتے، مسئلہ کو ذہن نشین کرانے کے لیے گجراتی طلبا کے پیشِ نظر گاہے گاہے نوکِ زبان پر گجراتی زبان کی مَثَل بھی آجاتی۔

۱۴۰۷ھ کے شعبۂ افتا کے ایک طالبِ علم مفتی رشید احمد فریدی زید مجدہ کا بیان ہے "درجۂ افتا میں تمام نصابی کتابیں حضرت الاستاذ نے بہ ذاتِ خود پڑھائیں اور باوجود یکہ بہ حیثیت مفتی حضرت کا پہلا سال تھا یعنی ۱۴۰۷ھ، مگر آپ نے اس طرح کتابوں کو حل فرمایا کہ بقولِ مفتی عباس صاحب بسم اللہ- جو دو تین سال قبل سے معین مفتی کے طور پر کام کر رہے تھے، اور ہمارے ساتھ شریکِ درس ہوتے تھے-" جیسے کوئی کہنہ مشق

مفتی درس دیا کرتا ہے"۔ ان کتابوں میں اہتمام سے عبارت کا ترجمہ بھی کرتے تھے اور مطلب واضح فرماتے تھے"۔

کبھی اکابرِ دیو بند بالخصوص فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ، حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ وغیرہ کے واقعات سناتے۔ "الاشباہ والنظائر" میں "القاعدة التاسعة إعمال الكلام أولى من إهماله" کے ذیل میں وقف علی الاولاد کا طویل معرکۃ الآرا مسئلہ بیان کیا ہے جو کئی صفحات پر محیط ہے، درس میں جب یہ مسئلہ آتا تو با قاعدہ سراجی کے مناسخہ کی طرح بطن در بطن نقشہ بنا کر بلیک بورڈ پر سمجھاتے اور اس میں کافی وقت صرف ہوتا؛ مگر مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے بعد ہی اطمینان کا سانس لیتے۔

طلبۂ افتا کی تربیت و اصلاح

افتا کے طلبا کی تربیت اور اصلاح کی بھی فکر فرماتے، کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے بیعت ہونے کی طرف متوجہ فرماتے، دار الافتا کے سرپرست حضرت فقیہ الامتؒ نے اس شعبہ میں داخلہ لینے والے طلبا کے لیے "قواعد وضوابط" منتخب فرمائے تھے اس میں ہے "نیز ان طالبِ علموں کو صفائی باطن کے لیے ذکر و اشغال بھی کرنا ہوگا" اس لیے اس شعبہ میں داخلہ لینے والے طالبِ علم کے لیے جس بزرگ سے مناسبت ہو ان سے اصلاحی تعلق قائم کرنا ضروری ہے۔ پچھلے چند سالوں سے افتا کی تکمیل کرنے والے طلبا کے لیے رمضان المبارک جامعہ میں جاری خانقاہِ محمودیہ میں گزارنا لازم کر دیا ہے، کبھی تو سند اسی اہتمام کے خاطر ۲۷/ رمضان کو دی جاتی ہے۔

امتحان وسند

جب تک حضرت فقیہ الامتؒ بقیدِ حیات رہے اس وقت تک شعبۂ افتا سے فارغ ہونے والے طلباء کا تحریری وتقریری امتحان بہ ذاتِ خود حضرت لیتے رہے، اس کے بعد ہی سند دی جاتی، اس سند پر حضرتؒ کے دستخط ثبت ہوتے، حضرت کے وصال کے بعد یہ مبارک سلسلہ ختم ہوگیا۔ بعدہ افتا کے طلبا کے سالانہ امتحان کا پرچہ گجرات کے دیگر کوئی مفتی صاحب تیار کر کے امتحان لیتے رہے، چند سالوں کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔

اب جامعہ کے دیگر درجاتِ عربی وقرأت کی طرح افتا کے طلبا کا جامعہ ہی میں امتحان لینے دینے کا کام ہوتا ہے پھر سند دی جاتی ہے۔

کیفیت یا کمیت

مفتی صاحب بھیڑ بھاڑ اور غوغا اور طلبا کی بے شوقی وبد ذوقی کو پسند نہیں فرماتے، آپ افراد سازی ومردم سازی کو پسند فرماتے ہیں، شعبۂ افتا کے طلبا کی تعلیم وتربیت کے لیے جب ایک سال ناکافی ہونے لگا، اور ہر سال شعبۂ افتا میں داخلہ کے لیے درخواستیں بڑھنے لگیں تو آپ نے حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا:

اب تک زیادہ سے زیادہ پانچ طلباء کا داخلہ مشقِ افتا کے لیے کرتے رہے، لیکن درخواستیں زیادہ آتی ہیں اس لیے اب تعداد دگنی کرنے کا ارادہ ہے، اس سلسلہ میں مشورہ عنایت فرمائیں۔

حضرتؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا "افتا میں طلبہ کے اضافہ کا ارادہ ہے اور ان کو شوق بھی ہے تو بہتر ہے"۔

چناں چہ ۱۴۱۵ھ سے تعدادِ طلبہ کے ساتھ ساتھ مدتِ تعلیم دو سال کر دی گئی۔

طلبہ کی مشقِ فتویٰ نویسی اور تمرین پر کڑی نظر

ہمارے یہاں دوسرے سال والے طلبا سے باہر سے آنے والے سوالات کے جوابات تیار کروائے جاتے ہیں، اولاً وہ طلبا پورا استفتا اپنی کاپی میں نقل کرتے ہیں، پھر کتابوں سے تلاش کر کے جواب تیار کرتے ہیں۔ یہ طلبہ صبح پہلے گھنٹہ میں اپنی اپنی کاپیاں لے کر مشقِ فتاوی سنانے کے لیے حضرت مفتی صاحب کے پاس پہنچ جاتے، آپ طلبہ کے جوابات بغور سنتے اور اس سلسلہ کی ہدایات سے نوازتے، طلبہ کی مشق پر کڑی نظر رکھتے، املائی اغلاط اور فتوی نویسی کی اغلاط پر خاص طور پر ٹوکتے، جن میں سے چند یہ ہیں:

تنبیہات وہدایات

① ایک طالبِ علم نے مشقِ افتا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ صرف لکھا تھا، اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: فضائلِ اعمال جلد اول لے آؤ، پھر اس میں سے یہ عبارت پڑھ کر سنائی ''اگر تحریر میں بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک نام آئے تو بار بار درود شریف لکھے اور پورا درود لکھے، اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے ''صلعم'' وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے۔ (فضائلِ اعمال جلد اول فضائلِ درود شریف ۷۴۱)

پھر فرمایا کہ تم اپنے استاذ یا کسی بڑے کے نام کے ساتھ لکھتے ہو دامت برکاتہم یا مدظلہ العالی، نیز اگر کوئی آپ کے استاذ یا پیر کے نام کے ساتھ مدظلہ العالی یا اور دعائیہ جملہ نہ لکھے تو آپ کو ایک قسم کا رنج ہوتا ہے، پھر آپ اس پر کہتے ہو کہ فلاں نے صرف نام لکھا، بے ادب معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ آپ کو ان باتوں پر تو رنج ہو اور تم خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ درود شریف نہ لکھو اس پر رنج نہیں؟

② ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے بغیر القاب کے محض ایسے ہی لکھا کہ مولانا رشید احمد گنگوہی تحریر فرماتے ہیں، اس پر حضرت کو سخت صدمہ ہوا، اور چہرہ متغیر ہوگیا، اسی متغیر چہرہ کے ساتھ فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ جب میرا نام لکھتے ہو تو اس میں حضرت اقدس اور نہ جانے کیا کیا لکھتے ہو، جہاں لکھنا چاہیے وہاں تو لکھتے نہیں (پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کی طرف لے گئے اور اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) یہ تو اس راہ میں ہم سب کے سر کے تاج ہیں، جہاں ان کی بات آ گئی بس اس کے آگے کچھ نہیں، فتاوی میں ان کا قول مقدم ہوتا ہے۔

پھر فرمایا اپنے بڑوں کا ادب کرو، جب ان کا نام لکھو تو پورے احترام کے ساتھ لکھو، ان کو جو ہمارے بڑوں نے القاب دیے ہیں پہلے اس کو لکھو پھر اخیر میں دعائیہ جملہ لکھو۔

اخیر میں فرمایا کہ تم میرے نام کے ساتھ جو کچھ لکھتے ہو مجھے پسند نہیں، ہاں حضرت ٹھیک ہے، اس لیے کہ آج ہر ایک کو حضرت کہا جانے لگا۔

③ ایک طالبِ علم نے حضرت تھانویؒ کے متعلق لکھا ''تحریر کرتے ہیں'' تو فرمایا ''تحریر فرماتے ہیں'' یوں ہونا چاہیے۔

④ ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے جوابی پرچہ پر لکھنے میں جلد بازی کی، کچھ تحریر کا بگاڑ تھا اور کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب تم جوابی پرچہ پر جواب لکھ لو تو اس کو اچھی طرح دھیان سے پڑھ لو، اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کو درست کر لو، جب پورا اطمینان ہو جائے تب میرے پاس لے آنا، پھر فرمایا کہ فتوی کے سلسلہ میں کبھی عجلت سے کام نہ لو۔

اس کے بعد فرمانے لگے کہ جو شخص اپنے اصل مقصد میں عجلت کرے وہ صحیح آدمی

نہیں ہے، جیسے نماز میں عجلت کرنا، اسی طرح ہم لوگوں کو فتوی لکھنے میں عجلت کرنا۔

⑤ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے جوابی پرچہ پر اس انداز سے لکھا کہ حاشیہ بالکل نہیں چھوڑا، بلکہ جہاں دوسرا صفحہ شروع ہوتا ہے وہاں لگے صفحہ کے ساتھ لکھنا شروع کیا، ذرہ برابر جگہ نہیں چھوڑی تھی، تو اس پر حضرت نے اس طالب علم سے مزاح کے انداز میں مخاطب ہو کر فرمایا "آپ نے سوچا ہوگا کہ اگر میں حاشیہ چھوڑ کر لکھوں گا تو فضول خرچی ہوگی"۔

پھر فرمایا کہ لکھنے کا بھی ایک ادب ہے، اس کو سیکھو، پھر حضرت نے ہم طلباء سے پوچھا کہ ادب کہتے کس کو ہیں؟ پھر آپ نے خود ہی جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کو ادا کرنے کا جو عمدہ سے عمدہ طریقہ کہ اس کے مطابق اس کو انجام دینا اور پورا کرنا یہ اس چیز کا ادب ہے۔

فرمایا کہ لکھنے کا ایک ادب ہے، پڑھنے کا ایک ادب ہے، بولنے کا ایک ادب ہے، چلنے اور بیٹھنے کا ایک ادب ہے۔ پھر فرمایا کہ اردو املاء پر مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب دامت برکاتہم کا ایک مستقل رسالہ (حرفِ شیریں) جس میں یہ چیزیں تک لکھی ہیں کہ کونسا نشان کہاں لگانا چاہیے، تم لوگ مولانا کی کتابیں دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنی کتابوں میں اس کا کتنا اہتمام کرتے ہیں، نیز فرمایا کہ جناب عبدالقادر فاتی والا صاحب کی کتابیں دیکھو کہ (گجراتی زبان میں) ان کے لکھنے کا انداز کتنا عمدہ ہے، ان چیزوں کو دیکھو اور لکھنے کا ادب سیکھو۔

⑥ ایک مرتبہ دورانِ مشقِ فتاوی طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ بینک کے سود کے سلسلہ میں ہم جو جواب دیتے ہیں کہ سرکاری غیر واجبی ٹیکس میں بینک کا سود ادا کرنے کی اجازت ہے وہ اس وقت ہے جبکہ بینک بھی سرکاری ہو، لیکن اب تو سرکاری بینک کے علاوہ پرائیویٹ بینک بھی بہت سارے ایجاد ہوئے ہیں، اب پرائیویٹ بینک کے سود

کا حکم وہی نہ ہوگا جو سرکاری بینک کا ہے؛ بلکہ پرائیویٹ بینک کے سود کی رقم کا تو فقرا پر بلا نیتِ ثواب تصدق ہی ضروری ہوگا۔

پھر فرمایا کہ آپ لوگ مفتی بن رہے ہو، ایک مفتی ہونے کی حیثیت سے ان باتوں کو اپنے ذہن نشین کرلو، اور ہمیشہ چوکنا رہا کرو۔

⑦ ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے کسی سوال کے جواب میں بخاری شریف یا ترمذی وغیرہ حدیث کی کتاب سے حدیث لکھ کر براہِ راست اسی سے جواب لکھا، نہ فقہ کی کسی کتاب کا کوئی حوالہ لکھا اور نہ کسی قسم کی کوئی عبارت لکھی، اور اسی طرح کا معاملہ اس سے پہلے بھی اس سے سرزد ہوا تھا، اس کا جواب سن کر حضرت نے فرمایا کہ آپ بہت اچھا اجتہاد کرتے رہتے ہیں، پھر فرمایا کہ فقہ کی کسی کتاب سے جواب لکھا کرو۔

تربیت کا یہی انداز حضرت فقیہ الامت ؒ کا تھا، حضرت مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ اپنے افتا کے سال کی مشق فتاویٰ کی بابت تحریر فرماتے ہیں: بعض مرتبہ احقر نے اگر کسی مسئلے میں براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال کیا تو آپ نے تنبیہ فرمائی کہ اچھا آپ مجتہد کب سے ہوگئے؟ اور نصیحت کی کہ: ہمیشہ جزئیہ فقہی کتابوں سے تلاش کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ نصوص کے معانی ومطالب تک ہم اپنی سطحی نظر سے نہیں پہنچ سکتے۔ (ذکر رفتگاں، ص:۱۲۹، ۱۳۰)

⑧ حضرت یہ نصیحت بار بار فرماتے ہیں کہ فتاوی کے سلسلہ میں ہمارے اکابر سب کچھ کر گئے ہیں، ہم کو جہاں تک ہو سکے انہیں کی عبارتوں کو نقل کرنا ہے، اس لیے کہ اس میں ہماری تربیت بھی ہے۔

⑨ ایک موقع پر فرمایا کہ ایک کتاب دیکھ کر مطمئن ہو کر بیٹھا نہ کرو، ایک مسئلہ پر

ہر ہر کتاب اٹھا کر دیکھو، کم از کم اردو فتاوی ایک طرف سے سب دیکھ لو۔

⑩ بقیہ (بچا ہوا) اس لفظ سے پہلے اگر ''ما'' آئے تو اس وقت ہاء ساقط ہوگی (ما بقی ہوگا) ورنہ (یعنی بغیر ''ما'') کے ہو تو ہاء باقی رہے گی ''بقیہ''

⑪ حوالہ ہمیشہ بین القوسین لکھو۔

⑫ آدمی اگر اپنے فرضِ منصبی کی فکروں میں لگا رہے تو دوسری فکروں سے مامون رہتا ہے، اگر فرضِ منصبی کی فکروں میں نہ لگے تو فضول فکروں میں لگ جاتا ہے، حالاں کہ اول (فرضِ منصبی) کی فکروں میں لگا رہنا نعمت ہے اور دوسری فکروں کا مسلط ہونا عذاب ہے۔

⑬ ایک طالبِ علم نے مسجد میں تمبا کو کھانے کے مسئلہ میں لکھا کہ: ''اعتکاف کی نیت کر لیوے پھر کھا سکتا ہے''، تو اس پر فرمایا کہ یوں لکھو کہ: ''اگر اعتکاف کی نیت کی تھی تب تو کھانے کی گنجائش ہے، ورنہ مسجد سے باہر جا کر کھا لیوے، پھر منہ صاف کر کے مسجد میں آوے''۔ پھر تنبیہاً فرمایا کہ ہماری کوئی بات منشاءِ شریعت کے خلاف نہ ہو، آپ تو اس کو کھانے کے لیے اعتکاف کی نیت سکھلا رہے ہیں۔

⑭ فتوی جب ایسی زبان میں لکھا جائے جو بائیں جانب سے شروع ہوتی ہے جیسے گجراتی، ہندی، انگریزی زبان تو درمیان میں آنے والی عربی عبارت کو علیحدہ سطر میں لکھیں، تاکہ امتیاز ہو سکے۔

⑮ لفظ ''فقط''، مضمون ختم ہوتے ہی فوراً لکھ دیا جائے۔

⑯ ایک طالبِ علم نے زکوۃ کے مسئلہ میں غلطی کی تو ٹوکا اور دریافت فرمایا کہ کن چیزوں پر زکوۃ واجب ہوتی ہے؟ وہ طالبِ علم جواب نہ دے سکا، پھر دوسرے طالبِ علم سے دریافت فرمایا، اس نے جواب بیان کیا، پھر اس پہلے طالبِ علم سے فرمایا کہ کچھ

باتیں ایسی ہیں جو مفتی کو ہر وقت مستحضر ہونی چاہیے، یہ نہیں کہ اس کے لیے کتاب دیکھنے کی ضرورت پڑے، مثال میں دنیوی عہدیداروں کو بیان کیا کہ ان کو بھی چند گرامر اور قوانین حفظ کرائے جاتے ہیں کہ نیند سے اٹھنے پر بھی فوراً بیان کر دیں۔

⑰ ایک طالبِ علم نے دستخط کے لیے جواب حضرت کے ہاتھوں میں دیا، آپ نے دیکھا کہ جواب علیحدہ صفحہ پر ہے اور دستخط علیحدہ صفحہ پر ہوگی، تو حضرت نے فرمایا کہ جواب اس طرح ختم کرو کہ دستخط اسی صفحہ پر ہو، تاکہ کوئی دستخط کا صفحہ علیحدہ نہ کر دے۔

⑱ ایک طالبِ علم نے لفظ ''چنداں'' (بمعنی اس قدر، اتنی، ایسی) کو ''چندہ'' لکھا تو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا مولوی کے ذہن میں ہمیشہ چندہ ہی ہوتا ہے۔

⑲ بین القوسین والی عبارت ایسی ہو کہ ماقبل اور مابعد سے جملہ کا ربط باقی رہے۔

⑳ لفظِ شبہ کا معنی اعتراض کے ہے، اور لفظِ شبہہ کے معنی مشابہت کے ہے۔

㉑ ''اجینا موٹو'' اور اس جیسی چیزوں کے متعلق کوئی استفتاء آوے تو تنقیح کے طور پر یوں لکھ دیا جائے کہ اس کے سلسلہ میں مستند معلومات ہمارے پاس بھیجو پھر اس کا جواب دیا جائے گا۔

㉒ ایک طالبِ علم جواب کاغذ کے متعدد پرزوں پر لکھ کر لے گیا اور سنانے کے درمیان اٹک گیا، تو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: اس طرح کچا نہ لاؤ بلکہ اصل مکمل تیار کر کے لاؤ؛ تاکہ یہاں وہاں تلاش نہ کرنا پڑے، یہ ادب کے بھی خلاف ہے (اور ادب سے علم آتا ہے) اور مشقِ افتا کے بھی خلاف ہے۔

㉓ فرمایا: سائل نے جس چیز کا سوال نہیں کیا اس کا خواہ مخواہ جواب دینا ایسا ہے کہ ''آ بیل مجھے مار''۔

(۲۴) ہمارے اکابرین میں سے کسی کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، اور ان کی رائے علیحدہ ہو تو اس کا بھی ذہن میں ہونا ضروری ہے۔

(۲۵) مفتی کو وقتی حالات کے مسائل مستحضر ہونے چاہییے، مثلاً قربانی کے موقع پر مسائلِ اضحیہ، رمضان کے موقع پر مسائلِ روزہ، عیدین کے موقع پر مسائلِ عیدین، ان اوقات کی آمد سے قبل اس موضوع پر پیش آنے والے مسائل کے جوابات کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہییے۔

(۲۶) ایک طالبِ علم نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ (سابق مفتیٔ اعظم پاکستان) کا نام "مفتی شفیع صاحب" لکھا، اس پر فرمایا کہ جس کا جو نام ہو وہ مکمل لکھا کرو، حضرت مفتی صاحب کا نام "محمد شفیع" ہے نہ کہ صرف "شفیع"۔

(۲۷) طلباء میں ذوقِ جستجو و مطالعہ پیدا کرنے کے لیے ایک موقع پر فرمایا: بڑے حضرت (حضرت فقیہ الامتؒ) فرمایا کرتے تھے کہ فقہ ایک جنگل ہے، ہمیں اس میں ہمارے لائق قربانی کا جانور تلاش کرنا ہے۔

(۲۸) میت کے لیے قرآن خوانی کے ایک سوال پر فرمایا: ایصالِ ثواب کے مقابلہ میں میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا اہم ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی جیل خانہ میں ہے اس قیدی کو رہا کرنے کی کوشش کرنا اہم ہے، بہ نسبت ٹفن پہنچانے کے۔

شاگردوں کی حوصلہ افزائی اور اس کے چند واقعات

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہؓ کی اچھی باتوں اور عمدہ جوابوں پر ان کی تعریف فرماتے، اور ان کی ہمت افزائی فرماتے، استاذ کا ایسا طرزِ عمل شاگردوں کے علم و عمل میں

رسوخ پیدا کرنے اور ان میں اضافہ کے لیے سر توڑ جد وجہد کرنے کا سبب ہے۔

مفتی صاحب کے پاس جن طلبا نے پڑھا ہے، مشقِ فتاوی کی ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ آپ محنتی طلبا سے بہت خوش ہوتے ہیں، گاہے گاہے ہدایا وتحائف سے ان کو نوازتے ہیں، کبھی افتا سے فارغ ہونے والے طلبا کو سال کے اخیر میں گھر بلا کر عمدہ کھانوں پر مشتمل دعوت کھلاتے، کبھی نئی کتاب آتی تو خرید کر تقسیم کرتے، کبھی کوئی ہدیہ لاتا مٹھائی وغیرہ تو دار الافتا کے طلبہ پر تقسیم کر دیتے، کبھی آم کے موسم میں آم کی دعوت کرتے۔ اگر کوئی طالبِ علم استفتا کا دل لگتا عمدہ جواب تحریر کرتا تو نہایت ہی مسرت کا اظہار فرماتے، کبھی تو کسی ماہواری رسالہ میں طبع کرنے کی ترغیب دیتے، اور اپنی وساطت سے چھپوا بھی دیتے؛ چناں چہ بعض طلبا کے ایسے عمدہ جوابات وفتاوی ان کے فارغ ہونے سے پہلے ہی منظرِ عام پر آ گئے۔

راقم نے افتا کے دوسرے یا تیسرے سال ایک سوال کا جواب تحریر کیا تو اس پر جھوم گئے اور فرمایا افتا کے تمام طلبا کو پڑھاؤ، حالاں کہ جواب میں بظاہر ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی، لیکن جواب سوال کے عین مطابقِ حال تھا اور نگینہ کی طرح جڑتا اور فٹ ہوتا تھا، اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔

استاذِ محترم مفتی عباس صاحب مدظلہ آپ کو صدر مفتی بنائے جانے کے وقت محررِ فتاوی کی حیثیت سے دار الافتا میں خدمت انجام دے رہے تھے، آپ نے صدر مفتی بننے کے بعد حکم دے کر زیادہ سے زیادہ جوابات تحریر کرنے کی ترغیب دی، اس سے ان کو حوصلہ ملا۔ چناں چہ انہوں نے استاذِ محترم کے حکم کی تعمیل میں زیادہ سے زیادہ چھوٹے بڑے استفتا کے جوابات تحریر فرمائے، ان کو کمپنیوں کے شیئرز کے مسائل میں دسترس حاصل ہے،

اس موضوع پر کوئی استفتا آتا ہے تو ان ہی کے حوالہ کر دیتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ مسندِ افتا پر آنے کے چند ماہ بعد مفتی عباس صاحب کو اپنے فتاوی کی تصدیق کا (الجواب صحیح لکھنے کا) حکم دیا، ابھی اخیر میں ایک آدھ سال پہلے احقر کو بھی یہی حکم دیا۔ مفتی صاحب کے تحریر فرمودہ فتاوی پر ہم جیسے شاگردوں کا ''الجواب صحیح'' لکھنا بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ آپ کا حکم ہے جس کی تعمیل کی جاتی ہے، دراصل یہ حضرت فقیہ الامتؒ کی تعلیم وتربیت کا اثر اور ان کا اتباع ہے کہ حضرتؒ کے فتاوی پر ایسے حضرات کے دستخط ثبت ہیں جو حضرت کے ضابطے کے بڑے نہیں، یا ان اکابر کی اتباع ہے جن کے فتاوی پر ان کے شاگردوں کے دستخط موجود ہیں۔

آپ کے ایک شاگرد مفتی عبدالرشید صاحب جو بمبئی میں ایک دارالافتا کے ذمہ دار مفتی ہیں، انہوں نے ایک مصنوعی معتوہ و پاگل کے متعلق تحقیقات ارسال کیں، درحقیقت یہ صاحب بیوی کو طلاق دے چکے تھے اور اب اس کے فراق میں اپنے آپ کو پاگل ثابت کر کے طلاق کے عدمِ وقوع کا فتوی حاصل کرنا چاہتے تھے، مفتی عبدالرشید صاحب نے فریقین کی زبانی و تحریری باتوں سے غیر معتوہ ثابت کر کے وقوعِ طلاق کا فتوی دینا چاہا، جواب کا خاکہ تیار کر کے برائے ملاحظہ مفتی صاحب کی خدمت میں روانہ کیا، ان کی تحقیقات پر خوش ہو کر تحریر فرمایا:

باسمہ تعالیٰ

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ!

آپ کا خط ملا آپ کے مستفتی ۔۔۔۔۔۔سے متعلق آپ کی تحقیقات اور پھر ان کے سوال کے جواب کا جو خاکہ تیار کیا ہے اس سے جی خوش ہوا، بالکل مناسب جواب ہے الخ۔

۱۴۱۴ھ میں دار الافتا سے تکمیل کرنے والے طالبِ علم مفتی عبد اللطیف صاحب امر پوری، پالن پوری کو - جو دس سال درجۂ علیا کی کتابیں پڑھانے کے بعد افتا پڑھنے کے لیے تشریف لائے تھے، اور اِس وقت جامعہ نذیریہ کاکوسی میں تدریس وفتاوی نویسی کی بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں - حضرت مفتی صاحب نے سالانہ اجلاس میں سندِ افتا اپنے دستِ بابرکت سے عنایت کرتے ہوئے علی الاعلان فرمایا: ''انہوں نے ہمارے اکابر کی یاد تازہ کردی کہ طویل عرصہ تک تدریس کے بعد افتا کا شوق پیدا ہوا''۔

راقم کہتا ہے ایسے واقعات اسی جامعہ میں اس سے پہلے پیش آچکے ہیں:

۱۳۴۶ھ میں امام العصر علامہ کشمیریؒ اور ان کے رفقا کی تشریف آوری کے بعد جو طلبہ اکابرِ علم وعمل سے اکتسابِ فیض کے لیے آئے ان میں بعض شیوخِ حدیث بھی تھے۔

راقم سے مولانا احمد موسی اسحاق پٹیل اکلیروی (متوفی ۱۴۲۹ھ) نے بیان کیا کہ ''شاہ صاحب کے پاس دورہ کے طلبا میں بعض شیوخ ہوتے، بعض دس برس بخاری شریف پڑھا کر آئے ہوئے، بعض پانچ مرتبہ، بعض تین مرتبہ پڑھا کر آئے ہوئے ہوتے''۔

مولانا اکلیرویؒ نے شاہ صاحب کا دور دیکھا ہے اس وقت وہ جامعہ میں زیرِ تعلیم تھے۔

حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ

دار الافتا کا قیام اور فتاوی نویسی کی تاریخ سابق اوراق میں گذر چکی ہے، شعبۂ تخصص فی الفقہ کا افتتاح ۸/شوال المکرم ۱۳۹۶ھ مطابق ۳/اکتوبر ۱۹۷۶ء بروزِ اتوار مفتیٔ اعظمِ ہند فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی زیرِ سرپرستی ہوا، اتوار کے روز بعد نمازِ ظہر شرح عقود رسم المفتی کا ایک سبق پڑھایا، اس کے

بعد ایک نہایت مؤثر اور اہم تقریر فرمائی جس میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی، اس وقت یہاں کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب پھولوی دامت برکاتہم تھے، ان کے دور میں ۲۰/ طلباء نے افتا کی تکمیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔

۱۴۰۶ھ میں ان کی تشریف بری کے بعد حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کو صدر مفتی مقرر کیا گیا، پہلے مدتِ تعلیم ایک سال تھی، بعد میں یہ مدت ناکافی معلوم ہوئی تو حضرت فقیہ الامتؒ سے مشورہ کے بعد دو سال لازم کر دی گئی، نصابِ تعلیم وہی ہے جس کی تفصیل گذر چکی۔

یہ خدامِ شریعت ہیں جو مانند پیمبر ہیں	وہ دریا کیسا ہوگا جس کے یہ قطرے ہیں

۱۳۸۸ھ سے مفتی صاحب نے باقاعدہ تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا، آپ کے درس کی مقبولیت کی بنا پر بے شمار تشنگانِ علم آپ کے علوم سے بہرہ ور اور فیض یاب ہوئے۔

آپ کے صرف ان تلامذہ کی تعداد جنہیں آپ سے بلا واسطہ مستفیض ہونے کا موقع ملا ہزاروں سے کم نہ ہوگی اس وقت ہندو بیرونِ ہند، سعودیہ، ساؤتھ افریقہ، بوٹس وانا، ملاوی، بحرین، خلیجی ممالک، موریشیش، ٹرینیداد، زامبیا، پاکستان، مالدیپ، کینیڈا، چیلی، سُری نام، پنامہ، امریکہ، ٹرٹولہ (وسط امریکہ میں واقع ہے) باربادوس، ری یونین، نیوزلینڈ، برطانیہ وغیرہ ممالک میں آپ کے شاگرد علما و مفتیانِ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے، جن میں سے بہت سے اپنے اپنے مقام پر دینی، ملی اور سماجی خدمات کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں، آپ کے تلامذہ کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت گجرات کے بڑے بڑے مدارس کے اساتذہ بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ کے شاگرد ہیں جن میں بعض مہتمم بھی ہیں۔

مثلاً ① : جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم صاحب حضرت مولانا احمد بزرگ دامت برکاتہم مجاز حضرت فقیہ الامتؒ۔

② جامعہ مظہرِ سعادت کے بانی حضرت مولانا عبداللہ صاحب رویدروی دامت برکاتہم۔

ہندوستان کے بعد سب سے زیادہ تلامذہ کی تعداد ساؤتھ افریقہ میں ہے جو اپنے وقت کے ممتاز اور جید علماء کے درمیان ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔

مفتی صاحب کے تدریسی دور کے تلامذہ کے نام لکھنے اور ان حضرات کی خدمات ذکر کرنے سے قصداً تعرض نہیں کیا گیا، اس لیے کہ عین ممکن ہے بہت سے حضرات کے نام نہ آویں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض حضرات کا ذکر مختصراً آوے، حالاں کہ ان کی خدمات وسیع ہیں جس سے قارئین یا وہ حضرات امتیاز محسوس کریں؛ حالاں کہ اس میں کسی امتیاز کو دخل نہیں؛ بلکہ راقم الحروف کی ناواقفیت کو دخل ہوگا، اس لیے تدریسی دور کے تلامذہ کو چھوڑ کر صرف ملکوں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

شعبۂ تخصص فی الفقہ سے تکمیل کرنے والے مفتیانِ کرام کی تعداد بانوے (۹۲) ہے جو طلبا بعض اعذار کی بنا پر تکمیل سے پہلے چلے گئے یا جن کو سماعت میں داخلہ دیا گیا تھا یا وہ جو کچھ مدت کے لیے غیر رسمی طور پر تمرین کے لیے آئے تھے ان کو شمار نہیں کیا گیا، دارالافتا کے اکثر فارغین الحمد للہ خدمتِ دین میں مصروفِ عمل ہیں بعض تدریس میں، بعض تدریس کے ساتھ فتاوی نویسی میں لگے ہوئے ہیں، بعض نے مستقل دارالافتا کھول رکھا ہے اور ان کے فتاوی اُس علاقہ میں اعتماد کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، اور بعض تلامذہ کے انگریزی فتاوی جدید ذرائع ابلاغ پر نشر بھی کیے جاتے ہیں۔

شعبۂ تخصص فی الفقہ کا افتتاح حضرت فقیہ الامتؒ کی سرپرستی میں ہوا تھا، حضرتؒ کی اس شعبہ پر خصوصی توجہ تھی، حضرت مفتی صاحب نے ایک عریضہ میں حضرتؒ کے نام تحریر فرمایا تھا:

”دارالافتا کا کام بھی بحمد اللہ تعالیٰ اچھی طرح چل رہا ہے، سات نئے طلبا داخل ہوئے ہیں، دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ سب کو علومِ نافعہ سے مالا مال فرمائے۔ آمین“۔

اس کے جواب میں حضرتؒ نے جو دعائیہ کلمات تحریر فرمائے اس کو غور سے پڑھیے، فارغین پر دعا کو منطبق کیجیے، قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید، کا ظہور ہوا ہے یا نہیں، فیصلہ کیجیے۔

حضرتؒ جواباً رقمطراز ہیں:

”آپ دارالافتا میں کام کررہے ہیں، مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کے دارالافتا کو آباد فرمائے، اچھے قابل مدرس، مفتی وہاں سے تیار ہوں۔ (مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/ ۳۶۹)

تعدادِ فتاویٰ

دارالافتا کے پہلے مفتی حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ کے فتاویٰ محفوظ نہیں، ان کے قیام کی مدت بھی قلیل ہے۔

مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب اور مولانا احمد بزرگؒ کے فتاویٰ ایک نہایت ہی طویل عریض بوسیدہ رجسٹر میں محفوظ ہیں، اس رجسٹر کا حال ایسا تھا کہ ورق گردانی کے بعد وہ ورق صحیح سالم نہیں رہ سکتا، اس میں درج شدہ فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے بعض فتاویٰ پر اکابر علما امام العصر علامہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ کے دستخط ثبت ہیں۔

راقم نے اس رجسٹر سے فرائض کا حصہ چھوڑ کر تمام فتاویٰ نقل کر کے محفوظ کر لیے ہیں،

اس رجسٹر کے کئی صفحات کناروں سے پھٹے ہوئے تھے، بچا کھچا جو مواد زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہا وہ انتہائی بوسیدہ ہو چکا تھا، ایسے خستہ رجسٹر میں استفتا درج کرنے کے کالم میں بڑا عدد ۸۸۸ دستیاب ہوا، استفتا نمبر ۵۹۲ تک مفتی عتیق الرحمن صاحب کے، اور اس کے بعد تا ۸۸۸ مولانا مفتی احمد بزرگ صاحبؒ کے فتاوی ہیں، بعض استفتا کے اندر کئی سوالات ہیں، رجسٹر کی بوسیدگی اور پھٹے ہونے کی وجہ سے فتاوی کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے، کم از کم ہزار ضرور ہوں گے۔ واللہ اُعلم۔

حضرت مفتی اسماعیل صاحب بسم اللہ کے فتاوی کی تعداد کے متعلق تاریخِ جامعہ میں لکھا ہے ''وفات تک تینتیس سال کی مدت میں کل فتاوی کی تعداد ۳۵ ہزار ہوتی ہے''۔

(تاریخ جامعہ ۲۸۳)

واضح رہے مذکورہ تعداد میں قیامِ رنگون کے فتاوی کو بھی شامل کرلیا گیا ہے، اس لیے کہ مفتی صاحب نے ۱۰/ سال وہاں اور ۲۳/ سال یہاں فتاوی تحریر فرمائے ہیں۔

زمانۂ فترت یعنی جن سالوں میں مستقل منصبِ افتا پر کسی مفتی کا تقرر نہیں ہوا تھا، یہ منصب خالی تھا، اساتذۂ جامعہ میں سے کوئی حسبِ ضرورت جواب تحریر کر دیتا ان فتاوی کی تعداد ۲۹۰ ہے۔

حضرت مفتی اسماعیل گورا صاحب راندیریؒ کے فتاوی ماہنامہ ''مسلم گجرات'' میں طبع ہوتے تھے، مطبوعہ فتاوی میں سے سب کی نقول رجسٹر میں موجود نہیں، اس لیے ۱۳۸۴ھ (جو ان کی آمد کا سال ہے) سے ۱۳۸۶ھ کی تعداد ''مسلم گجرات'' کے مطابق ۴۰۱ ہوتی ہے، ۱۳۸۷ھ سے ۱۳۸۹ھ تک ۲۳۴۲ دار الافتا کے ریکارڈ میں موجود ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مفتی گورا صاحب کے فتاوی کی محتاط تعداد ۱۳۸۴ھ تا ۱۳۸۹ھ

۲۷۴۳ (دوہزار سات سوتینتالیس) ہے۔

حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ کے دورِ صدارت ۱۳۸۹ھ تا ۱۴۰۶ھ کے کل فتاوی ۱۵۲۱۹ ہیں۔

حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے دورِ صدارت کے کل ۲۷/ رجسٹر ہیں جن میں سے ۷ رجسٹر خاص مفتی صاحب کے فتاوی پر مشتمل ہیں جبکہ دیگر ۲۰ رجسٹر میں دیگر مفتیان کرام اور طلباء کے فتاوی ہیں، آپ نے پہلا فتوی ۲۱/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۶ء میں تحریر فرمایا ہے، آپ کے دورِ صدارت کے کل فتاوی تا دمِ تحریر ۳۵۰۲۸ جن میں ۱۴۹۷۱ آپ کے خودنوشتہ یا اِملا کردہ ہیں، جبکہ دیگر حضرات: حضرت مفتی عباس صاحب دامت برکاتہم، راقم الحروف، مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب سلمہ اور طلبائے دارالافتا کے ۲۰۰۵۷ ہیں، جس میں مفتی عباس صاحب مدظلہ کے ۹۶۳۲ ہیں۔

۱۳۹۶ھ میں جامعہ کے دورِ خلفشار میں حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ بیروت تشریف لے گئے تھے، اس وقت ہنگامی طور پر حضرت مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم نے جو فتاوی تحریر فرمائے تھے مذکورہ تعداد میں ان کو بھی شمار کرلیا گیا ہے۔

تعدادِ فتاوی ایک نظر میں

نمبر شمار	دورِ صدارت	استفتا
۱	حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ	۵۹۲
۲	حضرت مولانا مفتی احمد بزرگ صاحب سملکیؒ	۱۹۶
۳	حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ	۲۴۳۹۳

۴	اساتذۂ جامعہ	۲۹۰
۵	حضرت مولانا مفتی اسماعیل گوراصاحب راندیری ؒ	۲۷۴۳
۶	حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب مدظلہ	۱۵۲۱۹
۷	حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم (دیگر مفتیان کرام کے فتاویٰ کے ساتھ)	۳۵۰۲۸

مجموعی تعداد: ۷۸۴۶۱

مفتی بسم اللہ صاحبؒ کے ۳۵ ہزار فتاوی ۳۳/سال پر تقسیم کر کے ۲۳/سال (قیامِ جامعہ) کے فتاوی کی تعداد لکھی گئی ہے۔

مذکورہ تعداد تحریری فتاوی کی ہے، فون پر یا بالمشافہہ پوچھے گئے سوالات کو شمار کرنا ناممکن ہے۔

۱۳/جمادی الاخری ۱۳۴۷؁ھ سے تادمِ تحریر ۱۵/ربیع الثانی ۱۴۳۰؁ھ تراسی (۸۳) سال کے کل فتاوی ۷۸۴۶۱ (اٹھتر ہزار چار سو اکسٹھ) ہیں۔

اتنی بڑی تعداد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دینی امور میں پیش آمدہ مسائل میں عوام الناس کا ان اداروں پر کس قدر اعتماد واعتبار ہے جبکہ ازہر مصر جو دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی شمار ہوتی ہے وہاں صدیوں میں بھی فتاوی کی اس قدر بڑی مقدار نہیں پائی جاتی۔

''ازہر مصر کے مفتی صاحب کی رپورٹ کے مطابق کئی صدیوں کے فتووں کی مجموعی تعداد ۶۰ ہزار سے زیادہ نہیں بڑھ سکی''۔ (ہفتہ وار نقیب پٹنہ ۳/مارچ ۲۰۰۹؁ء)

محکمۂ شرعیہ کا قیام

جن ممالک میں اسلامی نظام نافذ ہے یا جہاں مسلمانوں کا بااختیار قاضی موجود ہیں وہاں تو مسئلہ آسان ہے کہ ہر طرح کے تنازعات مسلم قاضی کے سامنے پیش کر کے ان کو حل کر لیا جائے؛ لیکن وہ ممالک جہاں مسلمانوں کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل نہیں ہے اور نہ وہاں کی حکومت کی طرف سے الگ بااختیار مسلم قاضی مقرر ہیں جیسے ہندوستان کے اکثر علاقوں کا حال ہے تو ایسی جگہ پر رہنے والے مسلمانوں کے لیے اپنے معاملات وتنازعات کو حل کرنے میں کسی نظامِ شرعی کی ضرورت تھی۔ حضراتِ اکابر جمعیۃ علمائے ہند نے جمعیت کے پلیٹ فارم سے اربابِ حل وعقد کو دعوتِ غور وفکر دی، ۷/ستمبر ۱۹۸۶ء کو ایک مخصوص نمائندہ اجتماع ہوا جس میں کافی غور وخوض کے بعد نظامِ امارتِ شرعیہ کے قیام کو ضروری قرار دیا گیا، اس کے بعد ۲/نومبر ۱۹۸۶ء کو ایک نمائندہ اجتماع بلا کر اس فریضہ کی تکمیل کی گئی، محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ امیر الہند منتخب ہوئے، اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ نائب امیر الہند، ہندوستان کے مختلف شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور مختلف علاقوں میں خاص خاص جگہوں کو مرکز بنایا گیا، ڈابھیل کے قرب وجوار کے لیے ڈابھیل کو مرکز بنایا گیا۔

مفتی صاحب کے دورِ صدارت میں دار الافتا کے ماتحت ''محکمۂ شرعیہ'' قائم ہوا، آپ نے محکمۂ شرعیہ کے پلیٹ فارم سے بھی گراں قدر خدمت انجام دی، اگرچہ سابق مفتیانِ کرام ہر دور میں محکمہ کے بغیر ہر طرح کے مابین تنازعات کا فیصلہ کرتے آئے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی احمد بزرگ صاحب، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ

نے قرب وجوار میں واقع تنازعات میں جائے وقوع پر جاجا کر فیصلے کئے ہیں۔

حضرت مفتی بسم اللہ صاحب کے متعلق ''تاریخِ جامعہ'' میں ہے ''دینی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ اصلاح ذات البین کی شریعتِ اسلام میں کتنی اہمیت ہے، مفتی صاحب اپنے اثر ورسوخ سے یہ کارِ خیر بھی انجام دیتے تھے، اطراف کے گاؤں میں کہیں جھگڑا ہوتا خواہ دو شخصوں کا انفرادی ہو یا دو جماعتوں کا تو مفتی صاحب بیچ میں پڑ کر صلح کرانے اور اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی پوری کوشش کرتے، بہت سے واقعات میں کامیاب بھی ہو گئے، اور دو متصادم جماعتوں کو تباہی سے بچا لیا''۔ (تاریخ جامعہ ص ۲۸۴)

حضرت مفتی بسم اللہ صاحب کے وصال کے بعد ماہنامہ ''الاصلاح'' کا گجراتی شمارہ ان کی خدمات اجاگر کرنے کے لیے منظرِ عام پر لایا گیا، اس میں بھی مفتی صاحب کی ''اصلاحِ ذات البین'' کی مساعیٔ جمیلہ کو دور دراز دیہات کے نام بہ نام تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ایسے ہی حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم نے بھی مسلمانوں کے آپسی تنازعات کے حل کے لیے بہترین فیصلے صادر فرمائے ہیں، سابق مفتیانِ کرام اپنے اپنے طور پر دینی فرضِ منصبی کے طور پر یہ فیصلے کرتے تھے، باقاعدہ اس کا کوئی پلیٹ فارم یا شعبہ قائم نہیں تھا۔

محکمۂ شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم نے تنازعات کے فیصلے کئے، جو دار الافتا کے ریکارڈ میں موجود ہیں، اس سلسلہ میں کبھی کبھار قرب وجوار کی بستیوں میں جانے کی نوبت بھی آتی، وہاں جا کر فریقین کے بیانات سنتے، صلح پر آمادہ کرتے۔

ایک مثالی مقدمہ

ایک مرتبہ اہلِ ثروت کے مابین پیش آمدہ وراثت کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے کے لیے حضرت مفتی صاحب اور حضرت مفتی عباس صاحب مدظلہما نے بمبئی کا سفر کیا، وہاں جاکر زبانی بیانات لیے، کئی ماہ تک یہ مقدمہ چلا، اس مقدمہ کا ایک جز حل نہیں ہو رہا تھا، اپنے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کی طرف رجوع فرمایا، انہوں نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس سے مقدمہ کی ساری گتھیاں سلجھ گئیں۔ فیصلہ کے دن فریقین کو جمع کیا اور باقاعدہ خطبہ پڑھ کر تحریری شکل میں فیصلہ سنایا، بندہ اس مجلس میں موجود تھا، اس میں آیتِ کریمہ ﴿فلا وربك لايؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم﴾ الآیۃ تلاوت فرماکر مطلب سمجھایا، اور حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کا ایک قیمتی ملفوظ سنایا کہ شرعی فیصلہ پر راضی ہونے پر فریقین کامیاب ہیں، فیصلہ جس کے موافق پڑا اس فریق کو اپنا مقصود حاصل ہوا، اور فیصلہ جس کے خلاف پڑا وہ اس لیے کامیاب ہوا کہ اس نے حکمِ شرعی کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا، پھر تحریری فیصلہ ان کے حوالہ کیا۔

مقدمات میں فیصلوں کی تعداد

مفتی صاحب نے چھوٹے بڑے جن مقدمات کے فیصلے صادر فرمائے ان کی تعداد ۴۸ ہے، وہ مقدمات جن میں فریقین میں سے کسی کی عدمِ حاضری سے کارروائی رک گئی، یا انہوں نے کارروائی کے درمیان اپنے طور پر صلح کرلی، یا کسی اور وجہ سے ان کا مقدمہ خارج کردیا گیا ایسے ناقص مقدمات کی تعداد تو بہت ہے، جن کو اس تعداد میں شامل نہیں کیا گیا۔

دارالافتا کے نائب مفتی حضرت مفتی عباس بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ دہلی سے جمعیت علمائے ہند دہلی کے دفتر امارتِ شرعیہ کی طرف سے جہاں جہاں محکمۂ شرعیہ قائم ہے وہاں جانچ و تفتیش کے لیے ایک وفد بھیجا گیا تا کہ کارروائی کی نوعیت اور اس سلسلہ کی معلومات حاصل کریں۔

انہوں نے پورے گجرات میں جہاں جہاں محکموں کا قیام ہے ان تمام جگہوں کا دورہ کرلیا، اخیر میں یہاں ڈابھیل تشریف لائے، حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے مجھے اطلاع دی، ہم نے یہاں کی کارروائی سنائی اور جو مقدمات فیصل ہو چکے تھے ان کی تعداد بتلائی تو اس پر اس وفد کا کہنا تھا کہ: ''پورے گجرات میں جہاں جہاں جمعیت علمائے ہند کی طرف سے محکمۂ شرعیہ قائم کیا گیا ہے ان تمام میں سب سے زیادہ تعداد ڈابھیل کے فیصلوں کی ہے''۔

دارالقضا کے لیے مستقل آدمی کی تربیت اور اس کی فکر

بعد میں فتاوی کے ساتھ ساتھ آئے دن مقدمات کی تعداد بڑھنے لگی، دوسری طرف مفتی صاحب کی مشغولیت اور دینی اسفار نے زور پکڑا تو آپ نے قضا کے لیے ایک مستقل آدمی کی ضرورت محسوس فرمائی، حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی توجہ اس کی طرف مبذول فرمائی، حضرت مہتمم صاحب نے شوری میں بات رکھی جو منظور کی گئی۔

مشورہ کے بعد اسی دارالافتا سے افتا کی تکمیل کرنے والے مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب سملکی سلمہ کو قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کے قائم کردہ ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتا پٹنہ، بہار'' میں تربیت کے لیے بھیجا، خود حضرت مفتی صاحب نے وہاں کے ذمہ داروں سے بذریعۂ فون رابطہ قائم فرمایا، اور خط بھی لکھا، جامعہ کے شیخ الحدیث

حضرت مولانا اکرام علی صاحبؒ نے بھی ذمہ داروں کے نام خط تحریر فرمایا، جس کی وجہ سے وہاں داخلہ آسان ہوگیا اور ان حضرات نے ان بزرگوں کے لحاظ میں بڑے اکرام وشفقت کا معاملہ فرمایا۔ فجزاھم اللہ خیراً.

حضرت مفتی صاحب کا گرامی نامہ

بنام حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مخدوم مکرم ومحترم حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم (امیرِ شریعت بہار واڑیسہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

ہمارے یہاں دار الافتا کے ماتحت دار القضا (محکمۂ شرعیہ) کا سلسلہ بھی مدت سے جاری ہے، دار القضا کا کام دن بہ دن پھیلتا جا رہا ہے، اور اس میں فیصلہ کے لیے آنے والے مقدمات ومعاملات کی تعداد بڑھتی دیکھ کر جامعہ کی شوریٰ نے اس کام کے لیے مستقل آدمی کی تقرری منظور فرمائی (اب تک یہ کام دار الافتا کے ذمہ دار حضرات ہی ضمناً انجام دیتے رہے) چناں چہ دار الافتا سے نو فارغ التحصیل مولوی مفتی حفظ الرحمن سلمہ کی تقرری عمل میں آئی، ان کو قضا کی عملی تربیت حاصل ہو اس غرض سے مناسب معلوم ہوا کہ آپ کے یہاں امارتِ شرعیہ کے صدر مقام پر بھیجا جائے۔

چناں چہ اس سلسلہ میں مؤرخہ ۵/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق ۳۱/مارچ ۲۰۰۱ء

کو بذریعۂ فون حضرت والا سے رابطہ قائم کر کے ان کو وہاں بھیجنے کی اجازت طلب کی گئی جو حضرت والا نے عنایت فرمائی اور ۱۵/ محرم کو بھیجنے کے لیے ارشاد فرمادیا، اور وہاں پر تین ماہ قیام کے لیے اجازت مرحمت فرمائی، اسی گفتگو کی بنیاد پر مولوی مفتی حفظ الرحمن سلمہ اس عریضہ کے ساتھ حاضرِ خدمت ہو رہے ہیں، امید ہے کہ خصوصی توجہ ان کی عملی تربیت کی طرف مبذول فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جنابِ عالی کے سایۂ عاطفت کو تا دیر صحت وقوت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے۔ فقط والسلام۔

العبد: احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

"المعهد العالی" نظامِ قضاء کو عملی طور پر سیکھنے کے لیے بہترین تربیتی ادارہ ہے، پورے ملک سے طلبہ آتے ہیں اور فیض یاب ہو کر واپس جاتے ہیں، حالاں کہ عام طور پر بہار کی طرف دوسرے علاقہ کے طلبا کا رخ کم ہوتا ہے، مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب نے مقدمات کی کارروائیوں کو وہاں سیکھا، اس کے بعد دار الافتا میں اسی کام کے لیے ان کا تقرر کیا گیا۔

یہ واقعہ ۱۴۲۲ھ کا ہے، اس کے بعد سے مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب اور استاذِ محترم حضرت مفتی عباس بسم اللہ صاحب از اول تا آخر مقدمات کی تمام کارروائی انجام دیتے ہیں، اشدّ ضرورت اور سنگین حالات میں مفتی صاحب بھی ہاتھ بٹاتے ہیں۔

باب پنجم

علمی شہ پارے

مفتی صاحب کو جہاں اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کی دولت سے مالا مال فرمایا وہاں سیال قلم اور تحریری صلاحیت سے بھی نوازا ہے، اگر چہ آپ خود ہمیشہ یہی کہتے اور لکھتے رہے کہ ''مجھے مضمون نگاری نہیں آتی''۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی تحریر خالص عالمانہ ومحققانہ اور لب ولباب کی حیثیت کی حامل ہوتی ہے جیسا کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بارہویں اجلاس کے سلسلہ میں ''خطبۂ استقبالیہ'' کے متعلق حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی دامت برکاتہم کی تحریر میں گزر چکا۔

(۱) ماہنامہ ''انسان'' میں کالم

آپ کے مضامین میں سب سے پہلے ماہنامہ ''انسان'' گجراتی میں آپ کے مضامین طبع ہوئے، راندیر سے منشی ابراہیم بیکار صاحب ''انسان'' نامی رسالہ نکالتے تھے، اس میں متعدد مضامین ہوتے، ایک کالم قرآنی تعلیم کے نام سے ہوتا تھا، پہلے یہ کالم مولانا عبدالرحیم صادق صاحب راندیری تحریر فرماتے تھے، ان کے انتقال کے بعد منشی بیکار صاحب کی فرمائش پر مفتی صاحب نے یہ کالم سنبھالا، چناں چہ ''انسان'' کے کئی شماروں میں یہ مضمون طبع ہوا ہے، قرآنی تعلیم عنوان کے ذیل میں قرآن شریف کی کوئی آیتِ کریمہ منتخب کر کے گجراتی میں ترجمہ اور خلاصہ لکھا جاتا۔

(۲) ’’تربیۃ الاولاد فی الاسلام‘‘ کا ترجمہ

سورت سے ماہنامہ ’’حیات‘‘ گجراتی زبان میں شائع ہوتا تھا اس میں ایک کالم ’’اسلامی تعلیم‘‘ ہوتا، یہ کالم مولانا علی احمد خانپوریؒ (م ۱۹۸۹ء) لکھا کرتے تھے، ان کے انتقال کے بعد مئی ۱۹۸۹ء مطابق ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ سے حضرت مفتی صاحب نے یہ کالم لکھنا شروع فرمایا، شروع کے چند ماہ مفتی صاحب نے متفرق مضامین تحریر فرمائے، بعد میں اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ربیع الاول ۱۴۱۰ھ سے شیخ عبداللہ ناصح علوان کی کتاب ’’تربیۃ الاولاد فی الاسلام‘‘ کا ترجمہ گجراتی زبان میں قسط وار شروع فرمایا، غالباً ایک زمانہ تک براہِ راست اصل عربی کتاب سے ترجمہ کرتے رہے بعد میں مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ ’’اسلام اور تربیتِ اولاد‘‘ (از ڈاکٹر حبیب اللہ مختار جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی) ہاتھ لگا تو اسی سے ترجمہ کرتے تھے، یہ سلسلہ قریب تین سال تک جاری رہا، اسلام اور تربیتِ اولاد جلد اول/ ۴۵۶ ’’مذاق کے آداب‘‘ تک ترجمہ شائع ہوا، بعد میں ماہنامہ ’’حیات‘‘ نے دم توڑ دیا تو یہ سلسلہ ختم ہوا۔

یہ سلسلہ دوبارہ ماہنامہ ’’البلاغ‘‘ گجراتی جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں جنوری ۲۰۰۳ء سے مفتی فرید احمد صاحب کاوی زید مجدہم نے شروع کر رکھا ہے، مفتی صاحب کے ترجمہ کا پہلا حصہ کتابی شکل میں کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔

(۳) مشاہدات

۱۹۸۶ء میں مشہور خطیب مولانا سید عبدالمجید ندیم صاحب مدظلہم (ناظمِ اعلیٰ مجلسِ تحفظ حقوق اہلِ سنت والجماعت پاکستان) کو جامعہ ڈابھیل نے مدعو کیا تھا، کئی روز جامعہ میں قیام رہا، قرب وجوار میں بیانات بھی خوب رہے، ان کے اس دورے کی تفصیل

''مشاہدات'' کے نام سے اردو میں حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمائی ہے۔

④ مبادیات حدیث علیٰ نہج مقدمۃ مشکوٰۃ المصابیح

۱۳۹۴ھ میں پہلی مرتبہ مشکوٰۃ شریف کا درس دیا، اس وقت فنِ حدیث اور کتاب مشکوٰۃ سے متعلق ضروری اور اہم امور اپنی سہولت اور طلبہ کے افادہ کے خاطر نوٹ کئے تھے، یہ تحریر طلبہ میں بہت مقبول ہوئی، بہت سوں نے اس کو نقل کیا۔

۱۹۹۵ء میں محترم مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب زید مجدہم (استاذِ عربی جامعہ ڈابھیل) نے مفتی صاحب کی اجازت سے کچھ اضافہ اور ترتیب دے کر ''مبادیاتِ حدیث'' کے نام سے شائع کر دیا۔

چوں کہ اس میں مختلف حیثیتوں سے نقص وسقم تھا؛ اس لیے ۱۴۲۴ھ میں رفیقِ محترم مولانا مرغوب احمد لاجپوری زید مجدہم (مقیم ڈیوزبری، برطانیہ) نے ترتیب جدید اور تحقیق وحواشی کے ساتھ ''مبادیات حدیث علیٰ نہج مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح'' کے نام سے مہذب فرمایا، جو جامعۃ القراءات کفلیتہ سورت سے ۱۴۲۷ھ میں شائع ہوا۔

⑤ فتاوی رحیمیہ کا ترجمہ

حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کے فتاوی جو گجراتی ماہنامہ ''پیغام'' میں شائع ہوتے تھے ان فتاوی کی جلد اول ودوم کو گجراتی سے اردو زبان میں جن حضرات نے منتقل کیا ان کے نام یہ ہیں: مولانا نور محمد پٹیل صاحب ہتھورنی، حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری، مولانا ولی احمد سیتپونی، مذکورہ ترجمہ پر مبصر نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

''گجراتی سے اردو ترجمہ خود مفتی صاحب کا نہیں ہے بعض دوسرے حضرات نے

کیا ہے اور وہ خود بھی بے حد قابلِ تحسین ہے، کہیں سے ترجمہ پن ظاہر نہیں ہوتا"۔

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ماہ مارچ ۱۹۷۰ء)

⑥ تسہیل السراجی

جامعہ ڈابھیل میں فنِ فرائض کی مشہور کتاب "سراجی" کا سبق ہدایہ اول کے گھنٹہ میں رکھنے کا دستور رہا ہے، سراجی کے لیے مستقل گھنٹہ نہیں ہے۔

۱۴۱۹ھ میں ہدایہ اول کی تدریس کی ذمہ داری راقم الحروف کے سر ڈالی گئی، اس سے پہلے کنز الدقائق اور شرح وقایہ پڑھا چکا تھا اس لیے ہدایہ کی تدریس تو قبول کر لی لیکن سراجی پڑھانے کی ہمت نہیں ہوئی، میری خواہش تھی کہ کم از کم ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب سے پڑھ لوں؛ چناں چہ ۱۴۱۹ھ میں حضرت نے سراجی کا درس دیا، اس سال سراجی پڑھنے والے طلبہ میں مفتی طیب بھڑکودروی سلمہ (صاحب زادہ مولانا موسی بھڑکودروی مدظلہ ناظم کتب خانہ جامعہ) بھی تھے، انہوں نے مفتی صاحب مدظلہ کے درس کو کیسٹ میں نہایت ہی اہتمام سے ضبط کر لیا تھا، بعد میں انہی کیسٹوں کو تحریری شکل دے کر جامعہ کے فعال استاذ مولانا مفتی ابوبکر صاحب پٹنی زید مجدہ نے مرتب فرما کر کتابی شکل میں "تسہیل السراجی" کے نام سے شائع فرمایا۔ فجزاهما الله احسن الجزاء.

"تسہیل السراجی" کو حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے پسند فرمایا ہے۔

⑦ حدیث کے اصلاحی مضامین (جلد اول تا پانزدہم)

سیدی ومولائی فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی ۱۴۱۷ھ میں وفات ہوئی، ان کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت فقیہ الامت کے

سورت میں مقیم معتقدین و منتسبین بالخصوص مولانا محمد علی منیار صاحب دامت برکاتہم (خلیفۂ مجاز حضرت فقیہ الامتؒ) کا تقاضا اور اصرار رہا کہ ہفتہ میں کسی ایک دن مفتی صاحب کی مجلس قائم کی جائے، کچھ عرصہ تک مفتی صاحب اپنی افتادِ طبع کی بنا پر اس کو عملی جامہ پہنانے میں متردد رہے، اسی دوران حضرت اقدس قاری سید صدیق احمد باندوی نور اللہ مرقدہ (م ۱۹۹۷ء ھ) کی تشریف آوری ہوئی، حضرت مفتی صاحب حضرت باندویؒ کو اپنے شیخ کے قائم مقام سمجھتے تھے، اسی بنا پر احباب کی مذکورہ خواہش اور اصرار کا تذکرہ بغرضِ استصواب حضرت باندویؒ سے کیا، حضرت باندویؒ نے تاکید فرمائی کہ یہ سلسلہ ضرور شروع کیا جائے۔

چنانچہ شبِ یکشنبہ کو اس کے لیے تجویز کرتے ہوئے مسجدِ ابرار (شالیمار سوسائٹی سورت) میں مجلس منعقد ہونا طے پایا، جس کی ترتیب یہ رکھی گئی کہ مغرب کی نماز وہاں ادا ہو اور بعد نمازِ مغرب تا عشا مجلسِ ذکر اور عشا کی نماز کے بعد حدیث کا درس ہو اور اس درس کے لیے حدیث کی مشہور کتاب "ریاض الصالحین" کا انتخاب عمل میں آیا، چناں چہ سب سے پہلی مجلس ۱۴/ستمبر ۱۹۹۶ء کو ہوئی، رفتہ رفتہ یہ سلسلہ اتنا مقبول ہوا کہ شرکت کرنے والوں کے لیے مسجدِ ابرار کا دامن تنگ پڑنے لگا، بالآخر اس مجلس کو مسجد انوار (نشاط سوسائٹی سورت) میں منتقل کرنا پڑا۔

اس ہفتہ واری مجلس میں عوام و خواص میں سے باذوق شائقین حصہ لیتے ہیں، احسان وسلوک کے شیدائیوں کے لیے بھی خوشہ چینی کا اچھا موقع ہوتا ہے، ذکر کی مجلس میں بیعت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، سلوک طے کرنے والے احوال پیش کر کے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، مجلس کے اختتام پر پیش آمدہ فقہی سوالات کے جوابات سے سامعین محظوظ

ہوتے ہیں، گویا حدیثِ پاک کے درس کے عنوان سے سالکین، شائقین کو اپنے حوصلہ کے مطابق دامن بھرنے کا موقع میسر آتا ہے۔

سورت کی اس مجلس کی برکت سے لوگوں میں اہل اللہ کی طرف رجوع ہونے کا شوق پیدا ہوا، بیعت اور اپنی اصلاح کی اہمیت پیدا ہوئی، کئی لوگ اہل اللہ سے اپنا تعلق قائم کر کے باطنی تلقین وتربیت سے فیضیاب ہوئے اور مراد کو پہنچے، لوگوں کے عقائد، معاملات، اور معاشرتی مسائل کی اصلاح ہوئی، مجلس کی تقریر مستورات اپنے اپنے گھروں میں سن سکیں اس کا بھی انتظام کیا گیا ہے، اس لیے عورتوں میں بھی اتباع سنت کا شوق پیدا ہوا، امور خانہ داری میں مسائل شرعیہ کا لحاظ، بچوں کی تربیت کا طریقہ وغیرہ وغیرہ امور میں اصلاح کی فکر پیدا ہوئی۔

اس مجلس میں وہ حضرات بھی شریک ہوتے ہیں جن کا مفتی صاحب سے بیعت واصلاح کا تعلق ہے، عام لوگ بھی شریک ہوتے ہیں، راندیر اور دیگر مدارس دینیہ کے علما وطلبا بھی حاضری دیا کرتے ہیں، غرض دور دراز سے محض مجلس میں شرکت کی خاطر لوگ آتے ہیں، مسجد انوار میں بعد المغرب ذکر بالجہر کی مجلس ہوتی ہے، اس میں بھی لوگ شرکت کرتے ہیں اس مجلس کا عجیب سماں ہوتا ہے، اس وقت کسی نو وارد کا وہاں سے گذر ہو تو یہی محسوس کرے گا یہ کوئی خانقاہ ہے، بالفاظ دیگر اس وقت مسجد انوار صحیح معنی میں اپنے انوار منتشر کرنے اور بکھیرنے میں مینائہ نور معلوم ہوتی ہے۔

اہلِ سورت کے لیے یہ مجلس بڑی بابرکت اور پرکشش ہے، جن دنوں میں مفتی صاحب سفر حج یا کسی دور دراز سفر میں ہوتے ہیں، اس وقت اہل سورت کا شوقِ انتظار قابل دید بلکہ قابل رحم ہوتا ہے، مفتی صاحب مدظلہ کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ مجلس ناغہ نہ ہو، سفر کے

نظام میں اس کا خاص اہتمام فرماتے ہیں۔

سنیچر کے دن اور اتوار کی رات کا انتخاب اہلِ شہر کی سہولت کے پیش نظر کیا گیا ہے، کہ عموماً اتوار کو کام کاج کی ذمہ داری ان پر کم ہوتی ہے، سرکاری ملازمین کی چھٹی ہوتی ہے، اس لیے لوگ پرسکون اور حاضر دماغی سے دین کی بات سن سکتے ہیں۔

اس مجلس میں ہونے والے درسِ حدیث کو کیسٹ میں ضبط کرنے کا اہتمام دوسری مجلس ہی سے مولانا عبد المنان بن شیخ محمد منیار صاحب سلمہٗ وعافاہ نے کیا تھا، وہ نہایت ہی اہتمام سے ہر مجلس کو محفوظ کرتے رہے، بعد میں ان مجالس کو کیسٹ سے کاغذ پر بذریعۂ قلم اتار کر شائع کیا گیا، یہ مجموعہ حدیث کے اصلاحی مضامین کے نام سے پندرہ جلدوں میں منصۂ شہود پر آچکا ہے۔

''حدیث کے اصلاحی مضامین'' پر بڑے بڑے علماء کی تقاریظ ہیں، ان میں صرف سید الفتاوی حضرت اقدس سید مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ کی تقریظ کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

''دو آتشہ شراب اور سونے پر سہاگہ والی مثل مشہور ہے، اس درس پر جو آپ کے ہاتھوں میں ہے دونوں مثالیں پورے طور پر صادق آتی ہیں، درس حدیث کا ہو اور صاحبِ درس ایک صالح خدا ترس، پرہیزگار، وفا شعار، اور عالم باعمل انسان ہو، جس کی طبیعت میں سادگی ہو، فکرِ آخرت ہو، دنیا سے دوری ہو اور امت وملت کا درد ہو یعنی عزیز مکرم مولانا مفتی احمد خانپوری (سلمہ اللہ وزادہ علماً وعملاً) تو اس درس میں جتنی خوبیاں جمع ہوں قرینِ قیاس ہے۔

سورت میں ہونے والے اس درس کا افادہ کھلے طور پر محسوس کیا جا رہا ہے، مفتی صاحب کا طرزِ تفہیم بھی نرالا ہے کہ سامعین کی توجہ مکمل طور پر بیان ہونے والے مضمون پر

مرکوز ہو جاتی ہے سامعین تھوڑی دیر کے لیے ماحول سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ احادیثِ طیبہ کے مضامین کو الہامی مثالوں اور اسلافِ عظام اور بزرگانِ ملت کے واقعات کی مدد سے خوب کھول کر مخاطبین کے سامنے پیش کرنا مفتی صاحب کی خصوصیت ہے، اندازِ بیان ایسا ہے کہ سننے والا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا ہے، بہت قوی امید ہے کہ اس کی اشاعت سے ان لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا جن تک یہ کتاب پہنچے گی۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین ۱؍۲۲)

⑧ فتح اللہ الاحد بتوضیح الادب المفرد

سورت کی اس مجلس میں 'ریاض الصالحین' کی تکمیل کے بعد 'الادب المفرد' اور 'شمائلِ ترمذی' زیرِ درس رہی ہیں، جن میں سے اول الذکر کی تقریروں پر مشتمل دو جلدیں "فتح الله الاحد بتوضيح الادب المفرد" کے نام سے مولانا ابراہیم بن یوسف اٹالوی صاحب (برطانیہ) نے مرتب کر کے شائع کی ہے، اور بقیہ کام جاری ہے۔

⑨ مکتوبات فقیہ الامت بنام حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری (قسطِ رابع)

حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ میں حق تعالیٰ نے جہاں اور بہت سے کمالات واوصاف ودیعت فرمائے تھے وہیں یہ شان خصوصیت کے ساتھ نمایاں طور پر آشکارا ہے کہ اپنے متوسلین و متعلقین سے بے انتہا قلبی ربط اور تعلق رکھتے تھے، سالکین کے خطوط پر پوری توجہ رکھتے اور سفر و حضر میں نہایت ہی اہتمام کے ساتھ خط کے ہر ہر جز کا جواب تحریر فرماتے یا املا کرواتے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک پاکیزہ کڑی اور سلسلۂ سلوک کی سنہری لڑی مکتوبات فقیہ الامت قسطِ رابع ہے جس میں ۱۴۲ گرامی نامے ہیں۔

۱۳۸۸ھ سے ۱۴۱۶ھ تک ۲۸ / برس کے طویل زمانہ پر محیط مرشد اور مسترشد

کے مابین تعلقات کی عجیب و دل کش باتیں ہیں، اس مجموعہ کی مکتوب الیہ واحد شخصیت ہے، روحانی وسلوک کے مسائل کی عقدہ کشائی اور باطنی ترقیات میں گرامی ناموں کی مثال زینہ کی سی ہے، کہیں ادھر سے دیدار کا اشتیاق ہے تو کہیں اُدھر سے انتظار ہے، کہیں شکوہ ہے تو کہیں جوابِ شکوہ، کہیں دبے الفاظ میں تنبیہ ہے تو کہیں حوصلہ افزائی، ایک حیثیت سے مکتوبات کا یہ مجموعہ:

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم	گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کا مصداق ہے، مکتوبات پر تشریحی نوٹ حضرت مفتی صاحب کے قلم سے ہے، اخیر کے چند مکتوبات پر راقم کی خامہ فرسائی، اس مجموعہ کی ترتیب کی سعادت بھی راقم کے حصہ میں آئی۔

(۹) خطبۂ استقبالیہ

یہ گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد میں ۷ / ۸ / اکتوبر ۱۹۹۵ء کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بارہویں اجلاس کے لیے تحریر کیا گیا خطبہ ہے، اس پر تبصرہ عنوان ''شرائط مفتی کا تحقق'' کے ذیل میں نمبر ۴ پر گذر چکا۔

(۱۰) مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحبؒ کی مقبولیت کا راز

۱۹۹۹ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے وصال کے بعد ڈیوز بری برطانیہ میں مولانا مرحوم کی یاد میں ایک عالمی سمپوزیم منعقد کیا گیا تھا، جس میں برطانیہ کے سربرآوردہ اہلِ علم کے علاوہ دیگر ممالک کے بہت سے اصحابِ فضل و کمال مندوبین بھی شریک ہوئے، حضرت مفتی صاحب بھی مدعو تھے، اس سمپوزیم میں آپ نے شرکت فرمائی اور مولانا علی میاں صاحب کے بعض احوال پر مقالہ تحریر فرمایا، اربابِ دین و دانش کے لیے یقیناً چشم کشا مقالہ ہے، فرید بک ڈپو دہلی نے اس مقالہ کو طبع کیا ہے۔

(۱۱) رمضان المبارک کی تیاری

رمضان المبارک ظاہری و باطنی نعمتوں کے حصول کا سیزن ہے، مفتی صاحب خود بھی نہایت ہی اہتمام سے ماہِ مبارک کو وصول فرماتے ہیں، اپنے متعلقین کو بھی اہتمام سے گزارنے کی تاکید فرماتے ہیں، یہ رسالہ ایک مجلس کی تحریری شکل ہے، گجراتی اور اردو دونوں زبان میں دستیاب ہے۔

(۱۲) نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت

ریاض الصالحین کے اسباق کے سلسلہ کی ایک مجلس ہے، اسی موضوع پر دیگر بیانات کے ذریعہ سے دو چند اضافہ کر کے ۲۷ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے، اردو اور گجراتی زبان میں بارہا طبع ہو چکا ہے، لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کے موضوع پر بڑی مفصل اور زریں ہدایات اور عبرت انگیز واقعات بیان کئے گئے ہیں، عوام اور سالکین کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔

(۱۳) بیعت ہونے والوں کو ہدایات

احمد آباد میں بیعت کے موضوع پر بیان فرمایا تھا، اسی کو ضبط کر کے اضافہ و ترمیم کے بعد شائع کر دیا، اس میں بیعت کی حقیقت، حقوق اللہ، حقوق العباد اور معمولات کی پابندی کا اہتمام وغیرہ امور کو عام فہم انداز میں سمجھایا گیا ہے، بوقتِ بیعت یہ رسالہ دیا جاتا ہے، اردو، گجراتی دونوں زبانوں میں دستیاب ہے۔

(۱۴) سوانح مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب (گجراتی)

مفتیٔ اعظم گجرات، مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ

صاحب (متوفی ۱۳۰۷ھ) قابلِ رشک حالات وخدماتِ دینیہ پر مشتمل مرقع ہے، ان کے وصال کے بعد ماہنامہ ''الاصلاح'' کا خصوصی نمبر شائع ہوا تھا، اس میں مفتی بسم اللہ صاحب کی خدمات وحالات پر مختلف اہلِ علم اور دانشورانِ قوم نے مضامین تحریر فرمائے تھے، ضرورت اس بات کی تھی کہ ان مضامین کو سوانحی جامہ پہنا کر مرتب کیا جائے، مفتی بسم اللہ صاحب کے فتاوی ''فتاوی سنگرہ'' کی ترتیبِ جدید کے موقع پر مفتی صاحب نے یہ فرمایا کہ ''مفتی بسم اللہ صاحب کا ہم پر حق ہے'' اسی حق کی ادائیگی میں ''الاصلاح'' کے مضامین سے منتخب مرقع تحریر فرمایا، جو ''فتاوی سنگرہ'' جلد اول کے شروع میں طبع ہوا ہے۔

⑮ مسلم پرسنل لاء (گجراتی)

احمد آباد میں ۷/۸/ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کا بارہواں اجلاس منعقد ہونے سے پہلے اہلِ گجرات کو مسلم پرسنل لاء کی اہمیت سے باخبر کرنے کے لیے بطورِ تعارف یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا، جامعہ فیضان القرآن احمد آباد سے طبع ہوا ہے۔

⑯ کاروباری مسائل اور ان کا شرعی حل (قسط اول، متعلقہ ہوٹل)

یہ مجموعہ معاملات کے مسائل جو دار الافتا چھاپی کی طرف سے پوچھے گئے تھے اس کی پہلی قسط ہے، اس میں ۹۰ر مسائل شامل کئے گئے ہیں، حضرت مفتی صاحب کے تحریر فرمودہ ۲۴، اور باقی مسائل دیگر مفتیانِ کرام نے لکھے ہیں، تمام ہی مسئلوں کو کتبِ فتاوی وفقہ کی عبارتوں سے مدلل ومزین کیا گیا ہے، جس سے اس مجموعہ کی افادیت دوبالا ہوگئی ہے، دار العلوم چھاپی نے چھاپا ہے۔

⑰ دیگر رسائل

حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے

انتقال کے بعد ان کی سوانحِ حیات پر گجراتی زبان میں طویل مضمون تحریر فرمایا ہے جو کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ ایسے ہی بعض سوالات کے طویل جوابات تحریر فرمائے جو اردو گجراتی زبان میں مستقل شائع ہوئے جیسے کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام، منگنی اور نکاح کے رسوم، شبِ زفاف منانے کا طریقہ، ایمان ختم کرنے والے گیت وغیرہ وغیرہ، یہ رسائل اردو و گجراتی فتاوی میں اپنے اپنے باب کے ذیل میں شامل کر لیے گئے ہیں۔

⑱ محمود الرسائل

حضرت مفتی صاحب کے مفید وجامع رسالوں کی حفاظت کے پیشِ نظر راقم الحروف نے آپ کے دس رسالوں کو علاحدہ مجلد بھی شائع کر دیا ہے، جس میں حسبِ ذیل رسائل یکجا ہیں: ① نگاہ وشرم گاہ کی حفاظت ② رمضان المبارک کی تیاری ③ جامعہ کے دو اہم خطاب ④ فضلاء سے اہم خطاب ⑤ حدیث کی حجیت اور اس کی حفاظت واشاعت ⑥ منگنی اور شادی کے مسائل کا حل ⑦ مولانا علی میاںؒ کی مقبولیت کا راز ⑧ خطبۂ استقبالیہ ⑨ بیعت ہونے والوں کو ہدایت ⑩ سفرائے مدارس کے ساتھ ہمارا سلوک۔

⑲ محمود المواعظ

مختلف تقریبات کے حوالے سے خلقِ خدا کی فرمائش بلکہ اصرارِ شدید پر طویل عرصے سے حضرت مفتی صاحب وعظ وخطاب کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، کبھی جمعہ کے مجمع کی مناسبت سے تو کہیں اصلاحی پروگرام کی تقریب سے، کبھی اختتام قرآن کی مبارک نسبت اور ختم بخاری کی مقدس موقع سے تو کبھی سالانہ جلسوں کی تقاریب میں، کبھی اندرونِ ملک تو کبھی بیرونِ ملک، جس میں موقع ومحل کی مناسبت سے مختلف موضوعات زیرِ گفتگو آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل واحسان ہے کہ آپ کے مخلص خدام ان تمام چیزوں کو افادۂ

عام کی غرض سے مرتبہ صورت میں منظرِ عام پر لا رہے ہیں، جس کی تا حال چار جلدیں 'محمود المواعظ' کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ جس کے موضوعات حسبِ ذیل ہیں:

جلد اول: (۱) اہلِ علم کے لیے قیام اللیل اور ذکر اللہ کی اہمیت (۲) آداب المعلمین (۳) علماء وائمہ کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں (۴) صلہ رحمی کی اہمیت (۵) والدین کی نافرمانی (۶) تواصی بالحق والصبر اور تبلیغ کی محنت (۷) خصوصیاتِ نبوی اور مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک (۸) مصارف میں اخلاصِ نیت اور احتساب (۹) زمانے کو اسلام کے عملی نمونے کی تلاش ہے۔

جلد دوم: (۱) انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے (۲) تربیتِ اولاد: اول، دوم (۳) اصلاحِ معاشرہ کی ہماری کوششیں نا کام کیوں رہتی ہیں؟ (۴) رمضان المبارک: فضائل اور تقاضے (۵) صحبتِ صالحین (۶) اعمال میں اخلاص اور احتساب کا استحضار (۷) جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ حدیث شریف کی روشنی میں: اول، دوم (۸) اسلامی معاشرت: حقوق و آداب (۹) تقویٰ کیا ہے؟ (۱۰) مدنی زندگی کی ابتدا اور حضور کی تین نصیحتیں (۱۱) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال۔

جلد سوم: (۱) لجنۃ القرّاء کے سالانہ اجلاس کے موقع پر طلبہ سے اہم خطاب۔ (۲) حجیتِ حدیث، درسِ حدیث، درسِ مسلسلات (۳) اختلافی مسائل میں اعتدال اور شرعی حدود کی رعایت کی ضرورت (۴) علماء کرام اور مکاتب و مدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں: اول، دوم (۵) رہنمائے معلمین (۶) اہلِ علم اپنا مقام و مرتبہ پہچانیں (۷) رہنمائے طلبہ: چھ قسطیں (۸) طالبانِ علومِ نبوت سے کچھ باتیں، کچھ نصیحتیں۔

جلد چہارم: (۱) ہماری بدحالی کے اسباب اور اس کا حل (۲) پندرہ کاموں پر عذاب کی وعید حدیث کی روشنی میں (۳) حج کا مسنون طریقہ (۴) بندگانِ الٰہی کے ساتھ خیر خواہی

دینِ اسلام کی نظر میں ⑤ مسجد اور اس کی تعمیر کے فضائل: اول، دوم ⑥ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش اور ان نعمتوں کے بارے میں بندوں کا حال ⑦ دنیوی مال ومتاع اور اس کے حقوق ⑧ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو ⑨ ذکر کے فضائل وفوائد۔

خدمات کی ایک اور نوع

اب تک جو گذرا یہ وہ علمی کاوشیں ہیں جن پر باقاعدہ حضرت مفتی صاحب کا نام درج ہے اور آپ ہی کی طرف وہ منسوب ہیں، کچھ علمی خدمات ایسی ہیں جو کسی اور کی طرف منسوب ہیں مگر اس میں آپ کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے، اہلِ علم تصنیف وتالیف کا مسودہ آپ کی خدمت میں نظرِ ثانی اور اطمینان حاصل کرنے کے لیے بھیجتے ہیں، آپ از اول تا آخر گہری نظر سے مطالعہ فرما کر حسبِ ضرورت ترمیم وتنسیخ کے بعد واپس کر دیتے ہیں، اس نوع کے بیسوں علمی مسودوں میں آپ کی خدمات منتشر ہیں، ایسے ہی ''فتاوی محمودیہ کی کئی جلدیں'' ''فتاوی رحیمیہ کی تمام جلدیں'' ''فتاوی عبد الغنی'' (کاوی) حضرت مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب کے فتاوی، مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب کے فتاوی ''فتاوی سنگرہ'' مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری کے فتاوی ''مرغوب الفتاوی'' (زیرِ ترتیب) اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

راقم الحروف کی مرتب کردہ فہارس: فہرستِ فتاوی رحیمیہ، فہرستِ فتاوی محمودیہ، فہرستِ کفایت المفتی، فہرستِ افادات فقیہ الامت آپ ہی کی زیرِ سرپرستی اور ہدایت سے تیار کی گئی ہیں۔

۲۰۰۵ء میں آپ کی سرپرستی میں بہت ہی اہم کام انجام پایا، دعوت وتبلیغ کی چھ صفات سے متعلق حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی عربی کتاب ''منتخب احادیث'' (صفحات ۸۰۳) ترتیب وترجمہ از مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ کو گجراتی زبان میں منتقل کرنے کا کام جامعہ ڈابھیل کے فارغ مولانا خلیل صاحب بلساڑی نے انجام دیا، یہ ترجمہ حضرت مفتی صاحب کی زیرِ نگرانی ہوا، جس کی وجہ سے گجراتی تبلیغی احباب کے ہاتھ احادیثِ مبارکہ کا بڑا قیمتی ذخیرہ آ گیا، گجراتی ترجمہ ۱۰۱۶ صفحات پر مشتمل ہے، نصیر بک ڈپو دہلی سے یہ ترجمہ شائع ہوا، اس پر نظام الدین دہلی سے اصل مترجم مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ کا گرامی نامہ بطورِ شکریہ حسبِ ذیل الفاظ میں آیا:

گرامی نامہ مولانا محمد سعد صاحب بنام مفتی صاحب

از مسجد بنگلہ والی بستی حضرت نظام الدینؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۸/اپریل ۲۰۰۵ء

مکرمی محترمی حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کی ذات عالی سے امید رکھتا ہے بندہ کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے، حضرت والا کی اس ضعف وعلالت کے باوجود ''منتخب'' کے گجراتی ترجمہ کی سرپرستی اور نگرانی فرمانے پر بندہ انتہائی ممنون ومشکور؛ بلکہ بہت ہی مطمئن ہے کہ ترجمہ آپ جیسی شخصیتوں کی نگرانی سے معتبر اور عند الجمیع معتمد ہو گیا، بڑوں کی چیز تھی اس لیے بڑے ہی

اس کے ترجمہ کے اہل تھے۔

اللہ رب العزت آپ کو اس امانت کے حق کی ادائیگی کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، بندہ ہر دم اپنی دعاؤں میں انفرادی اجتماعی حضرت والا کی صحت اور قوت اور تادیر سایۂ عاطفت بقا کے لیے یاد کرتا رہتا ہے۔ والسلام

بندۂ ناچیز محمد سعد عفی عنہ

سوانح حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کا مقدمہ

۱۴۱۸ھ میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کی وفات کے بعد مفتی صاحب حضرت مولانا مرحوم کے صاحب زادۂ محترم مولانا محمد یونس صاحب کی خدمت میں بغرض تعزیت مرکزِ تبلیغ نظام الدین حاضر ہوئے، اس وقت درمیان گفتگو یہ بات بھی آئی کہ حضرت مولانا مرحوم کی سوانح وحالات ترتیب دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے، چناں چہ مفتی صاحب نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش فرمایا، سوانح کا تھوڑا بہت مواد مولانا محمد یونس صاحب نے دیا، باقی مواد اپنے مقام (ڈابھیل) آکر حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے، چونکہ تصنیفی کام یکسوئی اور مناسب ماحول چاہتا ہے، ڈابھیل میں رہتے ہوئے واردین کی کثرت کے سبب مشکل تھا؛ اس لیے محض اس کام کے لیے سورت جناب حافظ ایوب صاحب منیار اور جناب الحاج اقبال صاحب کے گھر بذریعۂ کار صبح تشریف لے جاتے اور شام ڈابھیل واپس آجاتے، کئی روز تک یہ سلسلہ رہا، سوانح کے دو باب مکمل ہو چکے تھے، تیسرا باب چل رہا تھا اس دوران صاحب زادہ مولانا محمد یونس صاحب کی رائے بدلی اور ان کی خواہش ہوئی کہ سوانح کا کام مفتی صاحب کے بجائے

مولانا مفتی محمد صاحب ڈینڈرولوی (مؤلف مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں) انجام دیں تو زیادہ مناسب رہے گا، چناں چہ مولانا محمد یونس صاحب کی خواہش کے مطابق مرتب اور غیر مرتب تمام معلوماتی مواد مولانا مفتی محمد صاحب کے فرستادہ حضرات کے حوالہ کردیا اور ذرہ برابر ناراضگی ظاہر نہیں فرمائی، یہ بڑے حوصلہ کی بات ہے ورنہ ایک شخص کئی روز کام میں وقت کا قیمتی سرمایہ صرف کرچکا ہو اور اس کام کو بہتر سے بہتر انجام دینے کے لیے سرگرداں ہو اچانک اس سے وہ کام لے لینا اور اس پر اس کو ذرہ برابر گرانی کا نہ ہونا کم از کم عام اشخاص کی افتادِ طبع کے بس کی بات نہیں، زیرِ نظر سطور میں اس سوانح کا مقدمہ مفتی صاحب ہی کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے: (مرتب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العٰلمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين سيدنا ومولانا محمد وعلى اٰله واصحابه وأتباعه إلى يوم الدين.

پچھلے دوڈھائی برسوں میں ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ جن علمائے ربانیین، اولیائے کاملین، خادمانِ دینِ متین کی وفات اور اس دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت کے حوادث وواقعاتِ فاجعات سے گذری ان کا سلسلہ بڑا طویل اور غم واندوہ کی داستان ہے، ابھی ایک حادثہ کی خبر سن کر دل میں پیدا بے قراری کو قرار نہیں آتا، آنکھوں سے بہنے والا سیلِ رواں تھمنے نہیں پاتا، طبیعت کی بے کلی اور بے چینی دور نہیں ہوتی کہ اچانک کسی اور ہستی کی رحلت کی خبر آجاتی ہے، کسی ایک صدمہ سے ابھی سنبھل نہیں پاتے کہ دوسرا صدمہ آجاتا ہے، ہر جانے والا اپنے خداداد اوصاف وکمالات میں ایسا کامل ویگانہ ہوتا ہے کہ اس کی جگہ لینے والا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ملتِ

اسلامیۂ ہندیہ کو اس کی ناقدری وناشکری کی سزا دینے کا ارادہ کرلیا ہو۔

محترم مولانا نورالحسن راشد صاحب زید مجد ہم نے ہمارے غمزدہ دلوں اور پرنم آنکھوں کی خوب ترجمانی کی ہے: ''قحط الرجال قحط الرجال امت ہمیشہ سے کہتی چلی آئی ہے مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ قحط الرجال کا اصل دور تو ہم محروموں کو دیکھنا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے پچاسوں کاملین اٹھ گئے، درجنوں مشائخِ کبار، اولیاء اللہ اور جلیل القدر علماء نے آخرت کے لیے پرواز کی، نہ جانے کتنے مدرسے بے بہار، اور کتنی خانقاہیں سونی ہوگئیں۔

لیکن حوادث کا سیلاب ہے کہ بہا چلا آرہا ہے، محرومی کی داستان ہے کہ دراز سے دراز تر ہوتی جاتی ہے، چراغ ہیں کہ بجھتے جارہے ہیں، محفلیں ہیں کہ ماند پڑرہی ہیں، تاریکی ہے کہ بڑھتی جارہی ہے مگر جانے والے جارہے ہیں، خدایا رحم فرما! اور ہم محروم مجبور اور بے کس لوگوں کو ہماری نالائقی، کم استعدادی، کاہلی، اور کوتاہی کے باوجود ان بزرگوں کے سایہ وفیضان سے محروم نہ فرما۔

عارفین وکاملین یوں ہی رخصت ہوتے رہے تو (خدانخواستہ) ہندوستان میں ایمان وعرفان کا چمنستان نذرِ خزاں ہوجائے گا اور ان کی برکت سے رشد وہدایت کی جو پھوار برس رہی ہے اور اس سے جگہ جگہ خدمتِ دین کے جو گل بوٹے اگ رہے ہیں ان کی فصل پژمردہ ونا تمام رہ جائے گی۔

لیکن نظامِ قدرت ہمارے ان خیالات وخواہشات کا پابند نہیں، وہاں سے جو فیصلے ہوتے ہیں وہی برحق ہیں، امت کا جو بھی جس قدر نقصان (ظاہری طور پر) ہو لیکن راضی برضا رہنا ہی اصل ایمان ہے، اس لیے ان حوادث پر ان سب بزرگوں کی ارواحِ پاک کے لیے صد ہزار دعائے مغفرت ورحمت۔ يغفر الله لنا ولكم ويرحمنا

اللہ وایاکم. کے بعد بارگاہِ الٰہی میں یہی التجا ہے کہ وہ اپنے کرم سے اس نقصانِ عظیم کی غیب سے تلافی فرمائے اور امتِ مرحومہ کو ان اکابرین اور خادمانِ دین وملت کا بہترین بدل عطا ہو، آمین یارب العالمین۔ (سہ ماہی احوال وآثار، اشاعتِ خاص ۲۲، ۲۳)

امتِ مسلمہ کو داغِ مفارقت دینے والے ان ممتاز ترین اور مایۂ ناز افراد میں سے داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی ہے مؤرخہ ۱۳/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۱/مئی ۱۹۹۷ء یوم چہار شنبہ کو آپ نے وفات پائی، صاحب زادگان خصوصاً مولانا محمد یونس صاحب زید مجدہ اور اکابرینِ مرکز تبلیغ کی خدمت میں تعزیت پیش کرنے کی غرض سے حاضری کی نیت اسی وقت کر لی البتہ مہلت کا انتظار تھا۔

چناں چہ ہمارے یہاں درمیانِ ربیع الاول ششماہی امتحان ہوتا ہے اور اس کے بعد اواخر ماہ میں آٹھ یوم کی تعطیل ہوتی ہے اب کی مرتبہ اس تعطیل کے ایام میں ہتورا اور دہلی کے سفر کا نظام بنالیا، امتحانِ ششماہی سے فراغت پر جب تعطیل ہوئی تو براہِ بمبئی پہلے ہتورا (ضلع باندہ) عارف باللہ جنیدِ وقت حضرت مولانا قاری سید صدیق صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی (افسوس کہ آپ کی خدمتِ اقدس میں وہی آخری حاضری ثابت ہوئی) وہاں تین یوم قیام کیا، حضرت قاری صاحب نے خوب شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا اس وقت وہم وگمان اور حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ محبت وشفقت کے دریا سے دوبارہ پیاس بجھانے اور سیرابی حاصل کرنے کا موقع نہیں ملے گا اور اس ابرِ نیساں کے ہمارے حصہ میں آنے والے یہ آخری قطرات ہیں۔

(اللّٰهُمَّ اغفرله وارحمه وأكرم نزله وبرد مضجعه)

ہتورا سے واپسی طے شدہ پروگرام کے مطابق براہِ دہلی ہوئی، اب کی بار دہلی کی اس حاضری میں پہلے سے نیت حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے متعلقین کی تعزیت کی تھی، اس لیے حضرت نظام الدین اسٹیشن اتر کر سیدھے بنگلہ والی مسجد پہنچے، وہاں کے دوروزہ قیام میں حضرات اکابر سے ملاقات ہوئی۔

صاحب زادۂ محترم مولانا محمد یونس صاحب زید مجدہ کی خدمت میں بھی بغرضِ تعزیت وملاقات حاضر ہوا، اس موقع پر ان سے یہ عرض کیا کہ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے حالاتِ زندگی اور آپ کے بیانات وغیرہ مرتب ومطبوع ہوکر آجائیں تو لوگوں کو اِن شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا آپ یہ کام انجام دے دیں، انہوں نے اس کام سے اپنی معذوری ظاہر فرما کر یہ تمنا ظاہر فرمائی کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ تیار ہوجائے تو ہم معلومات وغیرہ کی فراہمی میں تعاون کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ یہ خدمت اس ناکارہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہو اس لیے میری زبان سے یہ نکلا کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ یہ کام میں کروں گا، حالاں کہ اس گفتگو سے پہلے ایسا کوئی خیال بھی دل میں نہیں تھا، اس اظہارِ آمادگی کے وقت یہ خیال آیا کہ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ جیسی معروف شخصیت کے حالاتِ زندگی کی ترتیب کے لیے مواد تو اِنشاء اللہ تعالیٰ بہ سہولت فراہم ہوجاوے گا۔

چناں چہ محترم مولانا محمد یونس صاحب نے اس پر اپنی مسرت کا اظہار فرمانے کے ساتھ اپنے بھائیوں کو بلاکر ان سے بھی استصواب کرلیا، اسی مجلس میں انہوں نے حضرت مولاناؒ کی ایک ڈائری جس میں حضرت مرحوم نے اپنے اسفارِ غیر ملکی کی تاریخوں کے ساتھ اپنی زندگی کے بعض حالات کی تاریخیں نوٹ فرمائی ہیں مجھے تھمادی، ساتھ ہی

حضرت مولاناؒ کے بعض بیانات جو کتابچوں کی صورت میں اب تک شائع ہو چکے ہیں عنایت فرمائے۔

چونکہ اس وقت میں یہ بھی کہہ چکا تھا کہ ابھی جا کر توفوری طور پر یہ کام شروع نہ کر سکوں گا کہ مدرسہ میں خاص تعلیم وتدریس کے دن یہی ہوتے ہیں، البتہ امتحانِ سالانہ سے فارغ ہو کر تعطیلات میں اِنشاءاللہ یہ کام کروں گا۔

خیال تھا کہ وہاں تک معتد بہ مواد بھی فراہم ہو جاوے گا اور کام میں آسانی ہوگی، اسی درمیان میرے مشفق ومہربان، مخدوم معظم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم (صاحب زادہ وجانشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ العزیز) نے تو بذریعۂ گرامی نامہ احقر کو خصوصی تاکید فرمائی کہ ابھی سے کام شروع کر دے مگر میں سبق کا بہانہ پیش کرتا رہا۔

اب جبکہ امتحانِ سالانہ ختم ہو کر تعطیلات شروع ہو چکیں اور میں حسبِ وعدہ اس کام کے لیے اپنے عزم کی تجدید وتصمیم کرنے لگا، اور اپنے پاس موجود مواد کو دیکھا تو اس میں حضرت مولاناؒ کے خادمِ خاص مولانا عبدالسلام پونوی صاحب کے ترتیب دادہ کتابچہ کے علاوہ مزید کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا، محترم مولانا محمد یونس صاحب نے بھی جدید ومزید معلومات پر مشتمل کوئی چیز نہیں بھیجی۔

اب میں حیران ہوں کہ یا اللہ! یہ کام کیسے ہو سکے گا؟ معاً دل میں خیال آیا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی آپ بیتی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح میں بھی کچھ مل سکتا ہے، جس روز کام لے کر بیٹھا اس روز محترم مولانا نور الحسن راشد صاحب زید مجدہم کی ترتیب دادہ سہ ماہی احوال وآثار کاندھلہ کی اشاعتِ خاص بھی محترم الحاج شیخ محمود

صاحب کے پاس سے مل گئی، مولانا مرحوم کے خاندان و وطن سے متعلق معلومات کا بڑا حصہ سوانح نذیری سے اور کچھ عزیز مکرم مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب بارك الله فی علومه کے ایک مضمون شائع شدہ اذان بلال سے حاصل ہوا اور اس طرح کام شروع کر ہی دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بعافیت وسہولت اور بخیر وخوبی پایۂ تکمیل تک پہچانے کی سعادت وتوفیق وہمت عطا فرمائے، اور صاحبِ تذکرہ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے اخلاص وخدمات کی برکت سے اس میں قبولیت وبرکت ڈال دے۔ (آمین یارب العالمین)

یہ اعتراف بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے تصنیف وتالیف اور سیرت وسوانح نگاری کا نہ تجربہ ہے نہ سلیقہ، آج تک چھوٹا بڑا ایک رسالہ بھی نہیں لکھا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ اس وادیٔ سنگلاخ میں قدم رکھا ہے، اس لیے اس تذکرہ میں جتنی بھی اغلاط اور فروگذاشتیں نظر آئیں وہ کم ہیں، جہالت وناتجربہ کاری کے پیش نظر متوقع بلکہ یقینی ہیں، ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ توجہ والتفات اور محبت وشفقت سے اس کی نشاندہی واصلاح واطلاع فرما کر اپنی عالی حوصلگی اور خوردنوازی کا ثبوت دیں۔

اس کام کے لیے مجھے سب سے زیادہ حوصلہ جو ملا ہے وہ مخدوم معظم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم کے گرامی ناموں اور زبانی تاکید وترغیب سے کہ آں مخدوم برابر یاددہانی فرماتے رہے، یہ آپ کی توجہِ خصوصی کا اثر ہے کہ میں نے یہ کام شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ آں مخدوم کو اس کی بہترین جزائے خیر دارین میں عطا فرما کر آپ کے فیوض وبرکات کو عام وتام فرما کر مراتبِ عالیہ پر فائز فرمائے۔ (آمین)

چند مخلص احباب کی عنایت وتعاون کا تذکرہ ضروری ہے، مولانا اسماعیل ادا صاحب سارودی، مولوی محمد طاہر صاحب سورتی، مولوی سعید اکبر صاحب کریم نگری نے مضامین

کی نقل و تصحیح میں اور جناب حافظ ایوب صاحب و جناب الحاج اقبال صاحب نے یکسوئی کا ماحول فراہم کرنے میں مدد فرمائی۔ فجزاهم الله تعالیٰ خير الجزاء في الدارين.

العبد احمد خانپوری عفی عنہ

مؤرخہ: ۲۳/شعبان المعظم یوم چہارشنبہ ۱۴۱۸ھ

اعتذار

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے فتاوی پیش کرنے سے بطور تمہید صاحبِ فتاوی کا تعارف کرنے کے ارادہ سے مقدمہ لکھنا شروع کیا تھا جو کافی طویل ہو چکا، مستقل سوانح نگاری مقصود نہیں اور نہ مجھ میں اس کی اہلیت ہے، کہاں حضرت مفتی صاحب کے اوصافِ عالیہ اور کمالات اور کہاں یہ لکیر کا فقیر۔

مفتی صاحب کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے خود حضرت فقیہ الامتؒ کے ''اخص الخواص'' میں شمار کیا ہے، نیز حضرت فقیہ الامتؒ نے اپنے متعلقین کے مکتوبات میں مجمع الحسنات والبرکات، جامع الکمالات، جامع الاخلاق والاعمال، مجمع الحسنات الظاہرہ والباطنہ کے القاب صرف اور صرف مفتی صاحب کے نام والے مکتوبات میں تحریر فرمائے ہیں، ایسے کمالات کی حامل شخصیت کی سوانح نگاری کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے یہ عاجز ان سب سے تہی دست ہے:

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید	لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

بایں ہمہ مفتی صاحب کی تعلیم و تعلم اور مدرسہ کی زندگی کی خدمات قارئین کی خدمت میں پیش کر دی گئیں جس کو سوانح کا ایک حصہ ہی کہا جا سکتا ہے بقول کسے:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے واسطے

زندگی باقی رہی تو سوانح کے باقی حصوں کو کسی اور جگہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے اور حضرت مفتی صاحب سے زیادہ سے زیادہ مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے، ان کی عمر میں صحت میں برکت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین .

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم آمين بحرمة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وآله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً .

احقر العبد عبد القیوم راجکوٹی

معین مفتی دار الافتا جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک گجرات

كتاب الإيمان والعقائد

باب عقائد أهل السنة والجماعة

اہل سنت والجماعت کس کو کہتے ہیں؟

سوال: ① کیا فرماتے ہیں علماء کرام مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ اہل سنت والجماعۃ کس کو کہتے ہیں؟ اس کی کیا تشریح علماء دین متقدمین نے فرمائی ہے، میرے ناقص علم اور مطالعہ کے مطابق اہل تشیع کے وجود کی وجہ سے ہی اہل سنت والجماعت کا بھی وجود عمل میں آیا، اور اہل سنت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ و تعظیم اور والجماعت صحابۂ کرام کا طریقہ اور تعظیم ہی ہوسکتا ہے، اہل تشیع خصوصاً صحابہ کرام پر تبرا کرتے ہیں، اس کے برخلاف اہل سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم اور طریقہ کو بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔

② غیر مقلد حضرات بھی کیا اہل سنت میں شمار ہوسکتے ہیں یا نہیں، تفصیل سے قرآن وحدیث کی روشنی میں برائے کرم تشریح کیجئے؛ تاکہ مطمئن ہوسکوں، ایک عالم صاحب یہ فرماتے ہیں کہ صرف مقلد ہی اہل سنت ہیں، غیر مقلد اہل سنت کی فہرست میں نہیں آسکتے، کیا عالم صاحب کا ایسا فرمانا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت والجماعۃ کی تعریف وتشریح میں فرماتے ہیں: اہل سنت وہ مسلمان ہیں جو عقائد واحکام میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسلک پر ہوں، اور قرآن کے ساتھ سنت نبویہ کو بھی حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں۔

قال في شرح العقائد النسفية فبهت الجبائي وترك الأشعري مذهبه

واشتغل هو ومن تبعه بإبطال رأي المعتزلة وإثبات ما ورد به السنة ومضى عليه الجماعة. (ص۱۲)

یہ تو اس لقب کے معنی ہیں، اور اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن اشعری یا امام ابومنصور ماتریدی کے متبع ہوں۔ (کما فی حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد ص۱۹) اور فروع میں ائمہ اربعہ مشہورہ میں سے کسی ایک امام کے مقلد ہوں۔ (امداد الاحکام ۱/۷۷)

تکملۂ بحر الرائق میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث کا خلاصہ منقول ہے کہ جس میں دس علامتیں ہوں وہ اہل سنت والجماعۃ ہیں، وہ دس علامتیں یہ ہیں:

① پنجگانہ نماز باجماعت پڑھتا ہو۔
② صحابہ میں سے کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے نہ کسی میں عیب نکالے۔
③ مسلمان بادشاہ کے خلاف تلوار نہ اٹھائے یعنی بغاوت نہ کرے۔
④ اپنے ایمان میں شک نہ کرے، اپنے کو پورے وثوق سے مومن اور مسلم کہے۔
⑤ تقدیر (بھلی یا بری) پر ایمان رکھتا ہو کہ جو کچھ ہے خدائے پاک کی طرف سے ہے۔
⑥ خدا کے دین میں کج بحثی نہ کرے۔
⑦ کسی گناہ کی بنا پر اہل توحید میں کسی کی تکفیر نہ کرے۔
⑧ اہل قبلہ میں سے جو مرے اس کی نماز جنازہ نہ چھوڑتا ہو۔
⑨ سفر وحضر میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل ہو۔
⑩ ہر نیک وگناہ گار کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتا ہو۔ (منقول از فتاوی رحیمیہ ۱/۷۰ مختصرا)

② غیر مقلدین حضرات میں جو لوگ مذاہب اربعہ کی تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک یا ائمہ کو برا کہتے ہوں وہ اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں، اور جو ایسے

نہیں ہیں صرف تارک تقلید ہیں اور محدثین کے مذہب پر ظاہر حدیث کے اتباع کو افضل سمجھتے ہیں، اور اس میں اتباع ہویٰ سے کام نہیں لیتے وہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں؛ مگر یہ قسم ہندوستان میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ (ماخوذ امداد الاحکام ۱/ ۷۶)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لانے والا مسلمان نہیں

سوال: موحد کتابی شخص ہے، جس کا اپنے نبی پر ایمان ہے؛ حتیٰ کہ تمام انبیاء کرام پر بھی ہے؛ لیکن کلمہ لا اله إلا الله محمد رسول الله ﷺ نہیں پڑھتا ہے، ایسے شخص کے لیے ہمارا اسلام کیا حکم نافذ کرتا ہے؟ وہ مرے گا تو کیا یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ بحالت ایمان مرا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد صرف دین اسلام کہلانے کا مستحق وہ ہے جو قرآن اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو اور وہی اللہ کے نزدیک مقبول ہے، اس کے علاوہ کوئی دین مقبول اور ذریعۂ نجات نہیں۔ (معارف القرآن: ۲/ ۳۸)

قال رسول الله ﷺ والذي نفس محمد بيده لو بدا لكم موسى فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل، ولو كان حيا وأدرك نبوتي لا تبعني.

(مشکوٰۃ: ۳۲)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نے تمام ادیانِ سابقہ کو منسوخ کردیا؛ اس لیے اب

آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں ہے، اور اس کا ایمان معتبر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸؍ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

جنت و دوزخ حقیقی و برزخی

سوال: قیامت کے دن اگر حساب کتاب ہوگا تو پھر بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ کچھ لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نرمی کا معاملہ کیا، اور بعض کے ساتھ سختی کا تو دونوں کے درمیان کیا تطبیق ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اسی نوع کے ایک اشکال کے جواب میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جنت و دوزخ ایک حقیقی ہیں، جس میں قیامت کے روز بعد حساب کتاب کے داخل ہوں گے، اور ایک برزخی ہیں جو دنیا کے بعد اور آخرت سے پہلے ہے، اس میں بعد مرنے کے داخل ہوتے ہیں۔ (امداد الفتاوی ۸/ ۱۰۹)

دیگر علماء و شراح حدیث کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے امور کو عالم برزخ پر محمول کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عذابِ قبر برحق ہے

بخدمتِ عالی جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت میں یہ ہے کہ ایک کتاب ''شمع حقیقت'' چھپی ہے جس میں عقائد کے

متعلق مختلف مضامین ہیں، ان مضامین میں سے ایک مضمون ''عذاب قبر'' پر ہے، جس کی ایک زیراکس کاپی ارسالِ خدمت ہے۔

بعض باتیں عام روایات کے خلاف معلوم ہوتی ہیں، نیز ترمذی شریف میں ان روایات کے تعلق سے حسن یا غریب کہا گیا ہے؛ لہٰذا ازراہِ کرم کتاب پر صحیح رہنمائی فرمائیں۔ تاریخ ۴ / ۱۲ / ۱۹۹۰ھ

شمعِ حقیقت کا مضمون ''عذاب قبر''

سوال: قیامت سے پہلے اور قبر کے اندر جزا وسزا کا تصور غیر اسلامی ہے، مرنے کے بعد انسان مردہ ہے اور قیامت تک مردہ رہے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مردوں کو اٹھائے گا میدانِ حشر میں جمع کرے گا، اور حساب لے گا، پھر فیصلہ ہوگا کہ جنتی ہے یا دوزخی۔

کافر اس پر ایمان نہ لاتے تھے کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی نصیب ہوگی، وہ دریافت کرتے تھے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جس نے پہلے پیدا کیا تھا وہی دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے''۔

اس جواب سے واضح ہوگیا کہ انسان کو دو زندگیاں عطا کی گئی ہیں، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبر میں کوئی مردہ زندہ نہیں ہوتا، اگر قبر میں مردہ زندہ ہو اس پر عذابِ قبر ہوتا رہے یا قبر میں ثواب وراحت کا یقین کرلیا جائے تو قیامت کے دن زندہ کرنے کا وعدہ غلط ہوجائے گا، پھر حساب وکتاب کس بات کا ہوگا، یہ اللہ تعالیٰ کے انصاف سے بعید ہے کہ قبر میں بغیر حساب کتاب کے عذاب دے۔

آیاتِ حج ۲۲، ۷۰ اور مومنون ۲۳، ۱۵، ۱۶ سے واضح ہے کہ انسان کو دو زندگیاں

دی گئی ہیں: دنیا کی زندگی، اور آخرت کی زندگی؛ پھر قبر کی زندگی کے کیا معنی؟

ہمارے بزرگ اس بات کو جزوِ ایمان بنائے ہوئے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قبر میں سوال وجواب ہوگا یعنی منکر نکیر سوال کریں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ وغیرہ۔

یہ عذابِ قبر کے قائل ہیں، عذابِ قبر میں تخفیف کرنے کے لیے زیارت، دسواں، چالیسواں کیا جاتا ہے اور ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور فاتحہ پڑھا جاتا ہے، قبر پر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔

''قرآن مجید'' میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اسی مٹی سے ہم نے تمھیں پیدا کیا، اسی میں ملادیں گے اور پھر اسی سے تمھیں اٹھائیں گے''۔ (طٰہٰ ۲۰، ۵۵)

اس سے واضح ہوا کہ مردے کا مٹی میں مل کر مٹی ہوجانا درست ہے تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اپنی قدرت سے پھر اٹھائے، اگر مردہ قبر میں زندہ رہے (جیسا کہ عقیدہ ہے) تو وہ اس دوسری زندگی سے محروم ہوجائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

''صحیح بخاری'' میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبرستان میں سے گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں پر رک گئے فرمایا: ان پر عذاب ہو رہا ہے، ایک چغلی کھانے کا عادی تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سبز ٹہنی دونوں قبروں پر ڈال دی اور کہا: ''جب تک یہ سبز ہیں، عذاب میں تخفیف رہے گی''

یہاں چند سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں:

① صرف دو قبروں پر عذاب ہو رہا تھا، باقی کیوں محفوظ تھیں؟

② یہ دو قبریں کافروں کی تھیں یا مسلمانوں کی؟ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عذاب میں

تخفیف کرانے کا حق کس نے دیا؟ یعنی اللہ تعالیٰ تو ان پر عذاب کرتا ہے اور رسول ﷺ (معاذ اللہ) اسے روکتے ہیں۔

③ رسول اکرم ﷺ کو کیسے معلوم کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے؟ وحی آئی تھی تو قرآن کریم میں کیوں اس اہم بات کا ذکر نہیں؟ بغیر وحی کے معلوم ہوا تو علمِ غیب ثابت ہوگا؛ مگر قرآن کہتا ہے کہ ہم نے تمھیں علمِ غیب نہیں دیا۔

④ رسول اکرم ﷺ کے اس فعل پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیوں عمل نہیں کیا؟ اور کیوں نہ قبروں پر سبز ٹہنیاں ڈالیں؟

صحیح بخاری کی ایک اور روایت ہے کہ: قبر میں فرشتہ صرف رسول کے بارے میں پوچھتا ہے "من رسولك" دوسری کتابوں میں ہے کہ چار سوال پوچھتا ہے، ابن ماجہ میں ہے کہ تین سوال پوچھتا ہے۔ من ربك، مادينك، ماعلمك...، اور جب جواب خاطر خواہ نہیں ملتے تو منکر نکیر اسے مارتے ہیں، مردہ چلاتا ہے، اس کی آواز کو مشرق و مغرب والے سنتے ہیں مگر انسان اور جن نہیں سنتے، سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔

پھر روایت ہے کہ مغرب کے وقت رسول اکرم ﷺ نے آواز سنی تو فرمایا: یہودی پر عذاب کیا جا رہا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اکرم ﷺ انسان تھے یا نہیں؟ اگر انسان تھے تو مردہ کی آواز کیسے سن لی، جب کہ فرمایا ہے کہ انسان اور جن کے علاوہ ہر چیز مردے کی آواز سنتی ہے یا تو حدیث غلط ہے یا معاذ اللہ رسول اکرم ﷺ انسان نہ تھے۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مردے کی آواز انسان سن لے تو بے ہوش ہو جائے مگر دوسرے جانور سنتے ہیں نہ بے ہوش ہوتے ہیں نہ بھاگتے ہیں، اکثر قبرستانوں میں

چوپائے چرتے ہیں اور پرندے بھی رہتے ہیں مگر وہ مردوں کے چلانے سے نہیں ڈرتے۔

یہ بھی ایک سوال ہے کہ ڈاکٹری تعلیم کے لیے جو مردے ہسپتال میں رکھے جاتے ہیں ان کو منکر نکیر کیوں نہیں اٹھاتے؟ اور وہ زندہ ہو کر جوابات کیوں نہیں دیتے؟

''بخاری'' کی روایت کے بموجب مردوں کو صبح وشام، جنت ودوزخ (جو بھی صورت ہو) دکھائی جاتی ہے کہ یہ تمھارا ٹھکانہ ہے، تو ہسپتال کے مردے کس وقت دیکھتے ہیں؟ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حساب کتاب قیامت کے دن ہوتا ہے تو پہلے سے جنت ودوزخ دکھانے کا کیا مطلب ہوا؟

معلوم ہوا کہ یہ غیر اسلامی عقائد کسی خاص مصلحت سے اسلامی بتائے گئے ہیں، یہ سب دراصل مجوس اور ہندو عقائد ہیں، جنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کر دیا گیا ہے، حالاں کہ قرآن اس عقیدے کی نفی کرتا ہے۔

یہ عقائد کہ مرنے کے بعد قبر میں بعض لوگ زندہ رہتے ہیں یا بعض لوگوں پر قبر میں عذاب ہوتا ہے اور وہ باہر سے سلام وکلام کرنے والوں کی باتیں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، محض ہندو عقائد ہیں جنھیں عجمی مفسرین ومحدثین نے اسلام میں داخل کر دیا اور قرآن مجید کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ: ﴿ومآ انت بمسمع من فی القبور﴾ (فاطر ۲۲، ۳۵) ''جو قبروں میں ہیں تم ان کو اپنی باتیں نہیں سنا سکتے''۔

﴿ومن أضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غفلون﴾ (الاحقاف: ۵) ''اس سے زیادہ گمراہ کن کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر (مردوں کو) پکارتا، ان سے دعا کرتا یا مانگتا ہے، حالاں کہ وہ اسے قیامت تک جواب نہ دے سکیں گے، اور نہیں جانتے کہ یہ کیا مانگ رہے ہیں''۔

ظاہر ہے کہ جب قبر میں مردہ سن نہیں سکتا تو اس پر عذابِ قبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ﴾ (إبراهيم:٢٧)

اس کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس کلمۂ طیبہ پر ایمان رکھنے والے کی دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ مرتے دم تک اس کلمہ پر قائم رہتا ہے، خواہ اس کے خلاف کتنے ہی حوادث سے مقابلہ کرنا پڑے اور آخرت میں اس کلمہ کو قائم و برقرار رکھ کر اس کی مدد کی جاتی ہے۔ ''صحیح بخاری و مسلم'' کی ایک حدیث میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں برزخ یعنی قبر کا عالم ہے، حدیث یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قبر میں مؤمن سے سوال کیا جائے گا تو ایسے ہولناک مقام اور سخت حال میں بھی وہ بتائیدِ ربانی اس کلمہ پر قائم رہے گا اور ''لا إله إلا الله محمد رسول الله'' کی شہادت دے گا اور پھر فرمایا کہ ارشادِ قرآنی: ﴿یثبت الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ﴾ کا یہی مطلب ہے۔ (یہ روایت حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے نقل فرمائی ہے۔ دیکھیے: بخاری شریف: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب التفسیر، سورۂ ابراهیم، اس کے علاوہ مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی یہ موجود ہے۔

اسی طرح تقریباً چالیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اسی مضمون کی

حدیثیں منقول ہیں، جن کو امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ اپنی تفسیر میں جمع کیا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے منظوم رسالہ ''التثبیت عند التبییت'' میں اور ''شرح الصدور'' میں ستر احادیث کا حوالہ نقل کر کے ان روایات کو متواتر فرمایا ہے، ان سب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آیتِ مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر اور اس آیت کو قبر کے عذاب وثواب سے متعلق قرار دیا ہے، مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا، پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ستر احادیثِ متواترہ میں بڑی صراحت ووضاحت کے ساتھ مذکور ہے، جس میں مسلمان کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں، رہے وہ عامیانہ شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب وعذاب نظر نہیں آتے، سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں، اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں، ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے، جس کائناتی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی، خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے، مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اصول کی بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے، جب خالقِ کائنات نے اپنے رسول کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہونچنے کے بعد اس عذاب وثواب کی خبر دے دی تو اس پر ایمان واعتقاد رکھنا لازم ہے''۔ (معارف القرآن ۵/۲۳۶، ۲۳۷)

''قرآن پاک'' کی جن آیات میں منکر نکیر کے سوال وجواب اور قبر کے عذاب کی

طرف اشارہ موجود ہے ان میں سے چار آیتوں کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں ذکر فرمایا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح ''فتح الباری'' میں ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وآثار کو نقل فرمایا ہے، دیکھیے: فتح الباري، کتاب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر ۳/ ۱۸۱،۱۸۰ اسی طرح علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲ میں اور اس سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں ان کے متعلق فرماتے ہیں: فأما أحادیث عذاب القبر ومسألة منکر ونکیر فکثیرة متواترة عن النبي ﷺ (عذابِ قبر اور سوال منکر ونکیر کے سلسلہ میں کئی حدیثیں وارد ہیں جو متواتر ہیں) (کتاب الروح ۸۲) حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ ابنِ تیمیہ (۴/ ۲۸۵) پر یہی بات ارشاد فرمائی ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور رسالہ العقیدۃ الطحاویۃ میں فرماتے ہیں: ونؤمن بملك الموت الموکل بقبض أرواح العالمین، وبعذاب القبر لمن کان له أهلا، وسؤال منکر ونکیر فی قبره عن ربه ودینه ونبیه علی ماجاء ت به الأخبار عن رسول الله ﷺ وعن الصحابة رضوان الله علیهم (ہمارا ایمان ہے موت کے فرشتہ پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا والوں کی روحوں کے قبض کرنے پر مقرر ہے، اور ہمارا ایمان ہے عذابِ قبر پر اس آدمی کے لیے جو اس کا مستحق ہو، اور ہمارا ایمان ہے منکر ونکیر کے سوال پر، کہ بندہ سے اس کے رب اور اس کے دین اور اس کے نبی کے متعلق سوال ہوگا، جیسا کہ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار میں وارد ہے) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی شرح کے ضمن میں اس کے شارح فرماتے ہیں: وقد تواترت الأخبار عن رسول الله ﷺ في ثبوت عذاب

القبر ونعيمه لمن كان أهلا وسوال الملكين فيجب اعتقاد ثبوت ذلك والإيمان به (قبر میں عذاب اور ثواب کا ہونا (جو جس کا اہل ہو اس کے لیے) اور فرشتوں کی طرف سے سوال ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطرقِ تواتر ثابت ہے اس لیے اس کا عقیدہ رکھنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے)۔ (شرح العقیدۃ الطحاویہ ۴۵۰)

عقائد کی معروف کتاب ''الفقہ الاکبر'' میں ہے: وسؤال منكر ونكير في القبر حق (یعنی قبر میں منکر نکیر کا سوال حق ہے) وعذابه حق (اور قبر کا عذاب حق ہے) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عذاب القبر حق لا ينكره إلا ضال مضل یعنی قبر کا عذاب حق ہے اس کا انکار وہی شخص کرتا ہے جو خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ (کتاب الروح ۹۰)

حافظ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فيه إثبات عذاب القبر، وهو مذهب أهل السنة والجماعة (۸/۱۴۵) (یعنی اس حدیث میں عذابِ قبر کا ثبوت ہے اور یہی مذہب ہے اہل سنت والجماعت کا)۔

آگے انھوں نے اس سلسلہ کی آیات واحادیث کا تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والے اشکالات واعتراضات کا جائزہ لے کر ان کے جوابات ذکر فرمائے ہیں۔

قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے صریح دلائل کے پیشِ نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا ذمہ دار گروہ عذابِ قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے، حالاں کہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑا ہی محتاط ہے، علامہ طاہر بن احمد الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۲)

لکھتے ہیں کہ: ولا يجوز الصلاة خلف من ينكر شفاعة النبي عليه الصلاة والسلام وينكر الكرام الكاتبين وعذاب القبر، كذا من ينكر الرؤية لأنه كافر. (جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور کراماً کاتبین اور عذابِ قبر اور رویتِ باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ کافر ہے)۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ۱/ ۱۴۹)

شارحِ ہدایہ، محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۸۲ ھ) فرماتے ہیں: ولا تجوز الصلاة خلف منكر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والكرام الكاتبين لأنه كافر لتوارث هذه الأمور عن الشارع ﷺ. (فتح القدیر ۱/ ۳۵۰) (یعنی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ کافر ہے، اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں)۔

فقیہِ دوراں علامہ زین الدین ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: يكفر بإنكاره رؤية الله عز وجل بعد دخول الجنة وبإنكاره عذاب القبر. (بحر الرائق ۵/ ۱۳۲) (جنت میں داخل ہونے کے بعد باری تعالیٰ کا دیدار ہوگا اس کا انکار کرنے سے اور عذابِ قبر کا انکار کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے)۔

فتاوی عالمگیری میں بھی تقریباً یہ عبارت موجود ہے: يكفر بإنكاره رؤية الله عزوجل بعد دخول الجنة و بإنكار عذاب القبر. (عالمگیری ۲/ ۲۷۴)

علامہ بحر العلوم مولانا عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لا يجوز الصلاة خلف منكر الشفاعة لأهل الكبائر ومنكر الرؤية وعذاب القبر ومنكر الكرام الكاتبين لأنه كافر لتوارث هذه الأمور من الشارع. (رسائل الارکان ۹۹) (اہلِ

کبائر کے لیے شفاعت، رویتِ باری تعالیٰ، عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے انکار کرنے والے کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ کافر ہے، اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں)۔

علماءِ امت نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، اردو میں اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب کی کتاب "تسکین الصدور فی تحقیق أحوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور" مفصل ومدلل ہے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہر انسان کے ساتھ جن پیدا ہونے کی حقیقت، ہمزاد، نفس امارہ، نفسِ مطمئنہ

سوال: ایک کتاب جس کے مصنف علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اس کا نام "تاریخِ جنات وشیاطین" ہے۔ اس میں انھوں نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ہر آدمی پیدا ہوتا ہے اس کے ساتھ ایک جن پیدا ہوتا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ آپ کے ساتھ بھی وہ جن پیدا ہوا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، مگر وہ میرا فرماں بردار ہو گیا، تو اس حدیث میں جو جن ہے اس سے کون مراد ہے؟ بہت سارے لوگ اس کو ہمزاد کہتے ہیں، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نفس امارہ ہے اس معاملہ میں صحیح بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

اور اگر یہ ہمزاد ہے تو آدمی کے انتقال کے ساتھ اس کا بھی انتقال ہو جاتا ہے یا یہ

باقی رہتا ہے؟ اور نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کی بھی تشریح فرما دیجیے، برائے کرم تشفی بخش مکمل و مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مامنكم من احد إلا وقد وكل به قرينه من الجن، قالوا: وإياك يارسول الله؟ قال: وإياي، إلا ان الله أعانني عليه فاسلم، فلا يأمرني الا بخير (مسلم شريف ۲/ ۳۷۶) مشکوۃ میں یہ روایت مسلم شریف ہی کے حوالہ سے دی گئی ہے لیکن اس میں "وقرينه من الملائكة" کا اضافہ بھی ہے۔

حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ تم میں سے کوئی نہیں مگر اس کے ساتھ مسلط کیا گیا ہے اس کا ایک ساتھی جنات میں سے، اور ایک ساتھی ملائکہ میں سے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا اور آپ کے ساتھ بھی یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھ بھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی ہے پس میں محفوظ رہتا ہوں پس وہ مجھے بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیطان کے وساوس کی تاثیرات کا حال آفتاب کی شعاعوں کی تاثیرات جیسا ہے، لوہے اور دیگر دھاتوں پر اس کا اثر سب سے زیادہ پڑتا ہے، پھر صیقل شدہ یعنی مانجے ہوئے اجسام پر جو زنگ اور میل سے صاف ہوتے ہیں اول سے کم اثر پڑتا ہے پھر درجہ بدرجہ اجسام ان شعاعوں کے اثرات قبول کرتے ہیں؛ حتی کہ سنگ سفید کی ایک قسم ایسی بھی ہے

جو مطلق ان شعاعوں کے اثر کو قبول نہیں کرتی، وہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں بھی ٹھنڈا محسوس ہوتا ہے یہ نفوس قدسیہ کی مثال ہے۔ (کامل برہان الٰہی ۲/۴۰۷)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں "وقرینه من الجن" کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس کا نام وسواس ہے اور وہ ابلیس کی اولاد میں پیدا ہوتا ہے، جب انسانوں میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ (مرقات ۱/۱۳۷)

رہا اس کو ہمزاد کے نام سے تعبیر کرنا یہ عوام کی اصطلاح ہے جیسا کہ فتاویٰ محمودیہ میں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ مطبوعہ کراچی) جب کہ امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھے گئے اس سوال کے جواب میں کہ ہمزاد کیا چیز ہے وہ قبضہ میں آسکتا ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ یہ لفظ تراشا ہوا ہے؛ البتہ جنات کا کسی عمل سے مسخر ہونا صحیح ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۴/۵۵۹)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن (۸/۶۲۳) میں تحریر فرماتے ہیں: صوفیائے کرام نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ نفس اپنی جبلت اور فطرت کے اعتبار سے امارۃ بالسوء ہوتا ہے، انسانوں کو برے کاموں کی طرف بلانے اور اس میں مبتلا کرنے کا داعی ہوتا ہے، مگر ایمان اور عمل صالح اور ریاضت مجاہدہ سے یہ نفس لوامہ بن جاتا ہے کہ برائی اور کوتاہی پر نادم ہونے لگتا ہے، مگر برائی سے بالکلیہ انقطاع ہو کر آگے عمل صالح میں ترقی اور قرب حق تعالیٰ کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اس کا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت بن جائے اور خلاف شرع کام سے طبعی نفرت بھی ہونے لگے تو اس نفس کا لقب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عقائد شیعہ اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشیں

سوال: امسال ماہِ محرم کے موقعہ پر شیعہ فرقہ کے رہنما، جسے وہ لوگ (وڈا مُلّا) کہتے ہیں، سورت آئے، اور دس دن تک ان کے پروگرام ہوئے، اس موقعہ پر ہمارے بعض اداروں نے اپنے مکان کرایہ پر ان کو دیے، اور بعض مسجدوں کے برتن بھی ان لوگوں کو کرایہ پر دیے گئے، بعض مسلم اخباروں نے ان کی تعریف کی اور مسلمانوں کے کچھ لیڈر استقبال کے لیے ایئرپورٹ گئے، اور ان کے وڈا ملا کا استقبال کیا، شیعوں کے عقائد صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق نہایت گندے اور خراب ہیں، اور ان لوگوں کے پروگراموں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخیاں اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر سب وشتم ہوتا ہے؛ چناں چہ سالِ گذشتہ اسی محرم الحرام کے موقعہ پر بمبئی میں ان کے اسی وڈا ملا نے خلیفۂ اول، افضل امت، سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں سخت گستاخی کی تھی، ایسے لوگوں کو ان کے اپنے مذہبی پروگراموں کے موقعہ پر اپنے مکان اور مسجد کے برتن کرایہ پر دینا، ان کا تعاون شمار ہوگا یا نہیں؟ اور ان کو کرایہ پر دینے میں شرعی قباحت ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

روافض کے جو فرقے اس وقت دنیا میں موجود ہیں، ان میں فرقۂ اثنا عشریہ کو تعداد اور بعض دوسری حیثیتوں سے امتیاز اور اہمیت حاصل ہے، اسی کی ایک شاخ داؤدی بھی ہیں، جن کے مذہبی رہنما ''وڈا ملا'' ہیں، اسلام کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں اور فتنوں میں بعض فتنے انتہائی شدید اور خطرناک تھے؛ مگر ان میں بھی روافض کا فتنہ سب سے زیادہ

خطرناک ثابت ہوا، اس فرقہ کو جب بھی موقعہ ملا اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اس فرقہ کو بعض اوقات اقتدار بھی ملا تو اس نے اس موقعہ پر بھی بھرپور فائدہ اٹھایا، بیت اللہ پر حملہ کیا، حجر اسود کو اٹھا کر لے گئے، مسلمانوں کا قتل عام کیا، علماء کو شہید کیا، اسلام کے ساتھ شیعوں کا رویہ کیا رہا؟ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس کا خلاصہ یہ ہے:

الرافضة يوالون أعداء الدين: الذين يعرف كل أحد معاداتهم من اليهود والنصارى والمشركين: مشركي الترك، ويعادون أولياء الله الذين هم خيار أهل الدين، وسادات المتقين، وهم الذين أقاموه، وبلغوه، ونصروه. ولهذا كان الرافضة من أعظم الأسباب في دخول الترك الكفار إلى بلاد الاسلام. وأما قصة الوزير ابن العلقمي وغيره كالنصير الطوسى مع الكفار ومما لأتهم على المسلمين، فقد عرفها الخاصة والعامة، وكذلك من كان فيهم بالشام ظاهروا المشركين على المسلمين، وعاونوهم معاونة عرفها الناس. وكذلك لما انكسر عسكر المسلمين لما قدم غازان ظاهروا الكفار النصارى وغيرهم من أعداء المسلمين، وباعوهم اولاد المسلمين بيع العبيد، واموالهم، وحاربوا المسلمين محاربة ظاهرة، وحمل بعضهم راية الصليب، وهم كانوا من أعظم الأسباب في استيلاء النصارىٰ قديما على بيت المقدس الخ (منهاج السنة ٤/١٠١)

یعنی روافض ہمیشہ یہود، نصاریٰ، تاتاری، مشرکین وغیرہ؛ دشمنان اسلام کا ساتھ دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ان مخلص بندوں سے بغض وعداوت رکھتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے دین دار اور متقیوں کے سردار تھے، اور دین کی تبلیغ اور نصرت اور اسے قائم کرنے والے

تھے، تاتاری کفار کے اسلامی ملکوں میں راہ پانے میں سب سے زیادہ دخل ان روافض ہی کا تھا، ابن العلقمی اور نصیر طوسی وغیرہ کی دشمن نوازی اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشیں اب ہر خاص و عام کو معلوم ہوچکی ہیں، شام میں جو روافض تھے انھوں نے بھی کھلم کھلا کافروں کا ساتھ دیا تھا، اور غازان کی آمد پر جب لشکرِ اسلام کو شکست ہوئی اس وقت عیسائیوں اور دیگر اسلام دشمن طاقتوں کی انھوں نے پوری مدد کی تھی، یہاں تک کہ مسلمانوں کی املاک اور ان کے بچوں کو ان کے ہاتھوں غلاموں کی طرح فروخت کیا تھا، اور مسلمانوں سے علانیۃً جنگ کی تھی؛ بلکہ ان میں سے بعض نے تو صلیبی جھنڈا بھی بلند کیا تھا، اور گذشتہ دور میں عیسائیوں کے بیت المقدس پر قبضہ میں ان کا بڑا حصہ تھا۔

اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اس طرزِ عمل کے علاوہ شیعوں اور روافض کے عقائد کا ان ہی کی کتابوں سے مطالعہ کیا جائے، تو روزِ روشن کی طرح بات عیاں اور واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں، ان کا دین و مذہب ایک الگ اور خود ساختہ ہے، جو اسلام کے بالکل متوازی اور اسلام سے متصادم ہے؛ مگر آج تک عوام مسلمان اس فرقہ کو اسلام ہی کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں، اور حنفی مالکی شافعی حنبلی کی طرح اسے بھی ایک مسلک سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ اس فرقہ کے عقائد و مسلمات کو پڑھ کر اس خیال کی تردید ہوتی ہے، بات یہ ہے کہ اس فرقہ نے ہر دور میں تقیہ کا سہارا لیا اور ہمیشہ اس کے فتنے ان کا الحاد و زندقہ اور اس کے کفریات تقیہ کی سیاہ چادر میں چھپے رہے۔

تنبیہ: تقیہ ان کے دین کا جزء ہے، تقیہ کا معنی ہے جھوٹ بولنا، نفاق سے کام لینا، کسی کو دھوکہ دینا وغیرہ ان کے مذہب میں تقیہ جائز ہی نہیں؛ بلکہ بہت بڑا ثواب ہے، جو آدمی نفاق سے کام نہیں لیتا وہ بے دین ہے، اصولِ کافی کی روایت ہے: ”لا دین لمن

لا تقية له'' اور ایک روایت میں ہے: ''لا إيمان لمن لا تقية له'' یعنی جو شخص لوگوں کو دھوکہ نہیں دیتا، وہ بے دین اور بے ایمان ہے۔ (از احسن الفتاویٰ ۱/ ۹۵،۹۶) ان کے عقائد کی تفصیل کا اس وقت موقعہ نہیں؛ البتہ ان کے چند اصول حسب ذیل ہیں:

① نظریۂ امامت: شیعہ مذہب کی اصل الاصول بنیاد عقیدۂ امامت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی جانب سے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا تھا، اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اماموں کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جائے گا، وہ شیعہ عقیدہ میں نبی کی طرح ہر غلطی سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں، ان پر وحی نازل ہوتی ہے، ان کی اطاعت ہر بات میں نبی کی طرح فرض ہے، وہ نبی کی طرح احکامِ شریعت نافذ کرتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ قرآن کریم کے جس حکم کو چاہیں منسوخ یا معطل بھی کر سکتے ہیں، گویا اسلامی عقیدہ میں جو مفہوم، جو حیثیت اور جو مرتبہ ایک مستقل ایک صاحبِ شریعت نبی کا ہے، ٹھیک وہی مفہوم، وہی حیثیت اور وہی مرتبہ شیعوں کے نزدیک ''امام معصوم'' کا ہے۔

شیعوں کا یہ ''نظریۂ امامت'' آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت اور اسلام کی ابدیت کے خلاف ایک کھلی سازش ہے، یہی وجہ ہے کہ دورِ قدیم سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک، جن جن لوگوں نے نبوت و رسالت کے جھوٹے دعوی کیے، انھوں نے اپنے دعووں کا مصالحہ شیعوں کے ''نظریۂ امامت'' ہی سے مستعار لیا ہے، شیعہ مذہب کا ''نظریۂ امامت'' فطری طور پر غلط تھا، یہی وجہ ہے کہ شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکا؛ بلکہ اس نے ''اماموں'' کا سلسلہ بارھویں امام پر ختم کر کے اسے (۲۶۰ھ) میں کسی نامعلوم غار (سرّ مَن رائی) میں ہمیشہ کے لیے غائب کر دیا،

آج ان کو ساڑھے گیارہ صدیاں گزرتی ہیں، مگر کسی کو کچھ خبر نہیں کہ بارھویں امام کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں؟...... یہ عقیدہ یہودیوں نے آں حضرت ﷺ کی ختم نبوت پر ضرب لگانے اور امت میں جھوٹے مدعیانِ نبوت اور امامت کا چور دروازہ کھولنے کے لیے گھڑا ہے، غور فرمایئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر آں حضرت ﷺ تک چھ صدیوں کا کامل عرصہ گزرتا ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہادی مبعوث نہیں کیا جاتا، ادھر جب ختم نبوت کا آفتاب (ﷺ) قیامت تک کی ساری دنیا کو منور کرنے کے بعد رخصت ہوتا ہے، تو شیعہ عقیدہ کے مطابق خدا ایک دن کا ایک لمحہ کا وقفہ بھی نہیں کرتا؛ بلکہ فوراً ایک ''امام معصوم'' کو کھڑا کر کے اسے شریعت محمدیہ کے حلال وحرام کو بدلنے اور قرآن کو منسوخ کرنے کے اختیارات دے دیتا ہے، اور پھر ایک نہیں لگاتار بارہ امام اسی شان کے بھیجتا رہتا ہے، اور جب اسلام پر اڑھائی صدیوں کا مایۂ ناز دور گزر جاتا ہے تو خدا تعالیٰ یکایک اماموں کا سلسلہ بند کر دیتا ہے؛ بلکہ بارہواں امام جو بھیجا جا چکا تھا، اسے بھی دو سال ہی کی عمر میں ہمیشہ کے لیے غائب کر دیتا ہے، کیا ایک ایسا شخص جو محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت و نبوت پر ایمان رکھتا ہو، جس کے نزدیک اسلام مٹنے، بدلنے اور مسخ ہونے کے لیے نہیں؛ بلکہ قیامت تک اپنی اصلی حالت میں باقی رہنے اور چمکنے کے لیے آیا ہو، وہ شیعوں کے ''نظریۂ امامت'' کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت کر سکتا ہے؟

(۲) شیعوں کا دوسرا سب سے بڑا اصول صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض وعداوت ہے: شیعوں کے نزدیک آں حضرت ﷺ کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جنھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، وہ نعوذ باللہ اس فعل کی وجہ سے سب کے سب کافر اور مرتد ہو گئے تھے؛ کیوں کہ انھوں نے امام معصوم یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، ان میں بھی

حضرات شیخین (سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کے بارے میں تو ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) نہ صرف یہ کہ کافر و منافق تھے؛ بلکہ اگلی امتوں اور اس امت کے خبیث ترین کافروں فرعون، ہامان، نمرود، ابولہب، ابوجہل؛ سے بھی حتی کہ شیطان مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے، اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب ان ہی دونوں پر ہے، اور یہ کہ ان دونوں کی بیٹیاں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بیویاں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا) بھی العیاذ باللہ منافقہ و کافرہ تھیں، اور اپنے باپ (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے کہنے سے ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دے کر شہید کر دیا، استغفر اللہ، ثم استغفر اللہ، والعیاذ باللہ شیعوں کا یہ عقیدہ جس قدر باطل اور غلط ہے، اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں، اس عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا میں تشریف لانا نعوذ باللہ بالکل لغو بیکار اور بے سود ثابت ہوا، اسلام کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ قیامت تک انسانیت کی رہنمائی کے لیے آیا ہے، مگر شیعہ عقیدہ یہ کہتا ہے کہ بالکل غلط، اسلام تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک دن بھی آگے نہیں چلا؛ بلکہ وہ پوری کی پوری جماعت جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیئیس سال کی مسلسل محنت کے بعد تیار کی تھی، اور جن کو اپنے درمیان اور آنے والی امت کے درمیان واسطہ بنایا تھا، وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے دن ہی نعوذ باللہ مرتد ہو گئی تھی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب اسلام کی نفی کا نام ہے، یعنی اگر شیعہ عقیدہ صحیح ہے، تو اسلام معاذ اللہ غلط ہے، اور اگر اسلام حق ہے، تو شیعہ مذہب کے غلط اور باطل ہونے میں کسی عاقل کو شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

شیعہ مذہب نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشینوں پر حملہ

کر کے خود اسلام اور آں حضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ایک ایسا حملہ کیا ہے، جس کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، تفسیر مظہری میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر یہودیوں سے پوچھو کہ تمھاری امت میں سب سے افضل لوگ کون ہوئے؟ تو وہ فوراً کہیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفقاء اور ان کے صحابی، اور اگر عیسائیوں سے پوچھو کہ تمھاری جماعت میں بزرگ تر کون لوگ ہیں؟ وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری؛ لیکن اگر شیعوں سے پوچھو کہ امت محمدیہ (ﷺ) میں سب سے بدترین مخلوق کون ہے؟ تو ان کا جواب ہوگا محمد کے صحابہ۔ نعوذ باللہ، استغفر اللہ؛ بہر حال شیعوں کا نظریۂ امامت اگر آں حضرت ﷺ کی نبوت کے خلاف ایک بغاوت تھا، تو ان کا نظریۂ تبرّا خود آں حضرت ﷺ کی نبوت کے خلاف ایک کھلی بغاوت ہے، اور کوئی شخص جو آں حضرت ﷺ پر ایمان رکھتا ہو یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ آپ ﷺ کی تیار کی ہوئی پوری جماعت، آپ ﷺ کے آنکھیں بند کرتے ہی نعوذ باللہ گمراہ اور مرتد ہوگئی تھی۔

(۳) شیعوں کا تیسرا عقیدہ اول الذکر دونوں عقیدوں سے بدتر؛ مگر دو اور دو چار کی طرح اول الذکر عقیدوں کا لازمی نتیجہ ہے، اور وہ ہے تحریفِ قرآن، مسلمان تو مسلمان آج تک کسی بد سے بدتر کافر کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے نام سے جو مقدس کتاب محفوظ چلی آتی ہے، اور جس کے ہر زمانہ میں ہزاروں نہیں، لاکھوں حافظ موجود رہے ہیں، وہ ٹھیک وہی کتاب نہیں جو مسلمانوں کو رسول اللہ نے دی تھی، لیکن آفریں ہے شیعہ مذہب کے موجدوں کو، انھوں نے یہ عقیدہ بھی شیعوں سے منوالیا، شیعہ مذہب کہتا ہے کہ قرآن کریم جو موجودہ شکل میں مسلمانوں

کے پاس ہے، یہ وہ اصل قرآن نہیں جو محمد ﷺ کو دیا گیا تھا، بلکہ صحیفۂ عثمانی ہے، ''اصلی تے وڈا قرآن'' (اصلی وہ بڑا قرآن ہے جو) بارہویں امام کے ساتھ کسی نامعلوم غار میں دفن ہے۔ (اختلاف امت اور صراط مستقیم از ۱۸ تا ۲۳ بتغییر یسیر)

شیعوں کے ان عقائد کی وجہ سے تمام علمائے اسلام نے ان کو کافر و مرتد قرار دیا ہے، ماضی قریب میں اس سلسلہ میں ایک تفصیلی فتوی ہندو پاک و بنگلہ دیش کے علماء کے دستخط سے شائع بھی ہو چکا ہے، خود آپ کے استفتاء میں ''وڈا املا'' کا سالِ گزشتہ محرم الحرام کا عمل بھی تحریر ہے، اور یہ ایسی معروف و مشہور بات ہے جس سے تمام اخبار بین حضرات بخوبی واقف ہیں، اب ایسی شخصیت کی آمد پر ان کا استقبال اور اظہار مسرت؛ نیز ان کے مذہبی پروگراموں کے لیے جو ظاہر ہے کہ ان کے انہی باطل عقائد و نظریات کی ترویج واشاعت کے لیے ہوتے ہیں؛ بلکہ امسال ان پروگراموں کا سلسلہ بمبئی سے سورت اسی لیے منتقل کیا گیا ہے کہ گزشتہ سال کے واقعہ سے بمبئی کے مسلمان چونک گئے ہیں، اور امسال کے پروگراموں پر ان کے تعاقب کا قوی خدشہ تھا، اس لیے اس سے بچنے کے لیے بڑی ہوشیاری سے یہ لوگ اس سلسلہ کو سورت میں لے آئے؛ تاکہ ان کی شرارتوں پر پردہ پڑا رہے، ایسے موقعہ پر اسلامی غیرت وحمیت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ سورت کے مسلمان اس سلسلہ کی سورت میں منتقلی پر ہی اپنے غم وغصہ اور ناراضگی کا اظہار کرتے، چہ جائے کہ اپنے اداروں کی عمارتوں کو کرایہ کے لالچ میں ان کے حوالہ کر رہے ہیں، اور لیڈر حضرات ووٹ کے لالچ میں اور اپنی لیڈری چمکانے کے لیے استقبال کر رہے ہیں، فإلی اللہ المشتکی۔

یہ یاد رہے کہ ''وڈا املا'' کی سورت میں آمد کسی سیاسی پروگرام کے ماتحت نہیں تھی؛

بلکہ خالص مذہبی پروگرام کی غرض سے تھی، اس لیے شرعی طور پر ان کے استقبال یا اس پروگرام میں کسی بھی نوع کا تعاون جائز نہیں ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾(المائدہ:۲) یعنی گناہ اور زیادتی (کی باتوں) میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو۔ ”تفسیر روح المعانی“ میں آیت کریمہ: ﴿فلن أکون ظهيرا للمجرمين﴾ کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت کے روز آواز دی جائے گی کہ کہاں ہیں ظالم لوگ اور ان کے مددگار؟ یہاں تک کہ وہ لوگ جنھوں نے ظالموں کے دوات، قلم کو درست کیا ہے، وہ بھی سب ایک لوہے کے تابوت میں جمع کر کے جہنم میں پھینک دیے جائیں گے۔ (معارف القرآن ۳/ ۲۵)

یہ یاد رہے کہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ظلم کا اطلاق تمام گناہوں پر ہوتا ہے، حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: من وقر صاحب بدعة، فقد أعان علی هدم الاسلام. (مشکوٰۃ، ص:۳۱) یعنی جس نے کسی صاحبِ بدعت کی توقیر و تعظیم کی، اس نے (گویا تمام اہل) اسلام کے نیست و نابود کرنے پر تعاون کیا، آج کل استقبال تعظیم وتوقیر کی غرض سے ہی کیا جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں ایران کی شیعی حکومت کے باطل پروپیگنڈہ نے مسلمان نوجوانوں کے دل و دماغ کو متاثر کیا ہے، ایسے وقت ان لوگوں کے ساتھ اس طرح کا تعاون اور رابطہ عوام مسلمین کے دین وایمان کے لیے مہلک ہے، شیعوں کے یہاں محرم الحرام کی مجالس ان کا مذہبی شعار سمجھی جاتی ہیں، جن میں وہ گونا گوں خرافات کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کے اس مذہبی شعار کی ادائیگی کے لیے مکان مہیا کرنا، کس قدر خطرناک ہے؟ اس کا اندازہ ہر باحمیت و باغیرت مسلمان بہ آسانی لگا سکتا ہے، خصوصاً اگر ادارہ کا یہ مکان اگر

مخصوص کام کے لیے وقف ہو تو وقف کرنے والے کے مقرر کردہ شرائط کے خلاف اس کو استعمال کرنا، یعنی کرایہ پر دینا تو عام حالات میں بھی درست اور جائز نہیں ہے۔

آیتِ کریمہ: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُوْنِ اللهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ (ہود:۱۱۳) کی تفسیر میں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ظالموں کی طرف کسی طرح کا بھی میلان نہ رکھو۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے اعمال وافعال کو پسند نہ کرو۔ جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ 'رُکون' (جو آیت میں مذکور ہے) کا مطلب ہے مداہنت برتنا، یعنی ان کے کفریات پر انکار نہ کرنا۔ (تفسیر قرطبی ۹/۱۰۸)

آگے تفسیر فرماتے ہوئے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: وإنها دالة على هجران أهل الكفر والمعاصي من أهل البدع وغيرهم یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کفر اور اہل معصیت اور اہل بدعت کی صحبت سے اجتناب اور پرہیز واجب ہے۔ (بجز اس کے کہ کسی مجبوری سے ان سے ملنا پڑے)۔ (معارف القرآن ۶۷۳)

مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے، ان میں ایک بنو قینقاع تھا، ان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاہدہ تھا کہ ہم آپس میں جنگ نہیں کریں گے، اور ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد بھی نہیں کریں گے، ان لوگوں نے بعد میں اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی، اور اس کو توڑ دیا، اس وقت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے (جن کے ان کے ساتھ تعلقات تھے) ان کی اس شرارت اور غدر کو دیکھ کر ان کے ساتھ جو تعلقات تھے تمام یکسر ختم فرما کر ان سے بیزاری کا اعلان فرمایا۔ (فتح الباری ۷/۲۶۵) اس وقت قرآن پاک کی آیت ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۶/۱۵۷)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ سے استنباط فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایمان کے لیے جیسے اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور عباد مومنین کی محبت ضروری ہے، اسی طرح اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے عداوت ونفرت، بیزاری اور برأت کا اعلان بھی ضروری ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۲/ ۱۷۰)

شیعوں کی مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور عداوت ڈھکی چھپی نہیں ہے، یہ لوگ مسلمانوں کے حقیقی خیر خواہ نہیں ہو سکتے؛ بلکہ ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر نقصان پہنچائیں، اور دینی ودنیوی خرابیوں میں مبتلا کریں، ان کی آرزو یہ ہے کہ مسلمان تکلیف میں رہیں، اور کسی نہ کسی تدبیر سے انہیں دینی یا دنیوی نقصان پہنچے، جو دشمنی یا ضرر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت زیادہ ہے؛ لیکن بسا اوقات عداوت وغیظ وغضب سے مغلوب ہو کر کھلم کھلا بھی ایسی باتیں کر گزرتے ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا پتہ دیتی ہے۔ ارشاد ربانی: ﴿لَا یَأْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ﴾ الخ کے مصداق ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ صفر ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تقدیر پر ایمان لانے کی حقیقت

سوال: ایک مسئلہ میں میری ذہنی پریشانی کو دور کیجئے اور وہ یہ ہے: ویسے بحمد للہ پچیس سال سے دعوت وتبلیغ ہی میں لگا ہوا ہوں؛ عرض یہ ہے کہ قرآن پاک کو حق تعالیٰ نے دنیا بنانے سے ہزاروں سال قبل لکھا تو جو واقعات قرآن میں لکھے ہیں، وہ اسی طرح

ہونے طے تھے۔ جس کے بارے میں کفر طے کر دیا تو قرآن کے لکھے ہوئے کے مطابق اس کو دنیا میں ایسا ہی بنایا، تو پھر انسان اللہ کی ناراضگی میں کیوں؟ بہت سی حدیثوں میں سنا ہے کہ بچہ کی پیدائش کے وقت یا جب وہ پیٹ میں ہوتا ہے لکھ دیا جاتا ہے کہ سعید ہوگا یا بد بخت؛ ایسی باتوں میں دماغ الجھا رہتا ہے۔

اس ضمن میں بہت کچھ کہنا ہے، بس صرف اشارہ کیا ہے، اس لیے آپ میرے بوجھ ذہن کو دور فرمائیں؛ کیوں کہ دین کی محنت کرنا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①: شرعی نظر میں مسئلہ تقدیر کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس نے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی طرح ایمان بالتقدیر کو بھی اسلام کا ایک رکن لازم قرار دیا ہے، گویا جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ اللہ اور اس کے رسول پر بھی ایمان نہیں رکھتا؛ چوں کہ اس مسئلہ کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اور حسیات میں جہاں نظائر نہیں ملتے، عقل اپنا ہی حکم مقدم رکھتی ہے، اسی لیے شریعت نے یہ تعلیم فرمائی ہے کہ جو مجھ کو تسلیم کر چکا ہے اس کو میرا حکم ماننا ہوگا، اور یہی ایمان بالتقدیر ہے، آخر جنت و دوزخ کو کس نے دیکھا؛ بلکہ خدا تعالیٰ کی ذات کو کس نے دیکھا، یہ تمام حقائق غیب ہیں، یہاں جو شخص محض انبیاء علیہم السلام کے بیان پر اعتماد کر کے ان کو تسلیم کر چکا ہے بس وہی مومن ہے، اور جس نے راہِ انحراف اختیار کی وہ دوسری طرف شمار ہوتا ہے۔ (ترجمان السنۃ)

قضاء وقدر میں گفتگو کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: جس شخص نے تقدیر کے مسئلہ میں ذرا بھی زبان ہلائی، قیامت میں اس کی اس سے باز پرس ہوگی، اور

جس نے کوئی گفتگو نہیں کی اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ (ابن ماجہ شریف)

قضاء وقدر میں بحث ومباحثہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے، اس وقت ہم تقدیر کے مسئلہ میں بحث کررہے تھے، اس پر آپ کو اتنا غصہ آیا کہ آپ کا چہرۂ مبارک مارے غصہ کے سرخ ہوگیا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کے رخساروں میں انار کا عرق نچوڑ دیا گیا ہے، فرمایا کیا تم کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے، یا میں اسی کے لیے تمھارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں؟ خوب یاد رکھو! تم سے پہلی امتوں نے جب اس بارے میں جھگڑے نکالے تو وہ برباد کردی گئیں، اس لیے میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم ہرگز اس بارے میں بحث وتمحیص نہ کرنا۔ (ترمذی شریف)

قضاء وقدر کے فیصلے پر رضامندی ضروری ہے اور یہ انسان کی بڑی سعادت کی علامت ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تقدیر کے فیصلے پر راضی ہوجانا آدمی کی سعادت کی دلیل ہے، اور اس کی بدبختی کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ نیکی کی توفیق مانگنا چھوڑ دے، اور تقدیر کے فیصلہ پر ناراض ہونا تو اس کی انتہائی بدبختی کا ثبوت ہے۔ (ترمذی شریف)

اس لیے آپ اللہ تعالیٰ سے نیکی کی توفیق مانگنے کے ساتھ ساتھ جو وساوس آپ کے دل ودماغ میں ابھرتے رہتے ہیں، ان سے حفاظت کی اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے رہیں، اس مسئلہ میں آپ جتنا غور وفکر کریں گے، اسی قدر الجھاؤ بڑھے گا، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں بحث وتمحیص سے منع فرمایا ہے، بقول حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ”یہاں ممانعت اس لیے نہیں کہ درحقیقت یہاں کچھ پانی مرتا ہے؛ بلکہ دریا میں جہاں پانی

زیادہ گہرا اور خطرناک ہوتا ہے، وہاں ہر شفیق ناآموزوں کو تیراکی سے روکا ہی کرتا ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن		کہ جاہا سپر باید انداختن

(ترجمان السنۃ)

مرقات شرحِ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حقیقتِ تقدیر کے متعلق سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اندھیرا راستہ ہے، اس پر قدم نہ رکھو، اس شخص نے پھر پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گہرا سمندر ہے اس میں داخل نہ ہونا، اس نے پھر سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بھید ہے، جو تجھ پر پوشیدہ ہے اس کی تفتیش میں نہ پڑنا۔ آخر میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فوائد قرآن کریم میں آیت کریمہ ﴿ولا یظلم ربك احدا﴾ (الکھف) کی تفسیر فرماتے ہوئے مسئلہ تقدیر کا جو حل تحریر فرمایا ہے، وہ پیش کرتا ہوں ممکن ہے آپ کا بوجھ ہلکا ہو جائے، فرماتے ہیں: ”رب جو کرے وہ ظلم نہیں، سب اسی کا مال ہے، پر ظاہر میں جو ظلم نظر آئے وہ بھی نہیں کرتا، بے گناہ کو دوزخ میں نہیں ڈالتا اور نیکی ضائع نہیں کرتا، اور جو کہے (یعنی اعتراض کرے) گناہ میں ہمارا کیا اختیار ہے؟ سو (یہ) بات نہیں (ہے) اپنے دل سے پوچھ لے، جب گناہ پر دوڑتا ہے اپنے قصد سے دوڑتا ہے، اور جو کہے قصد بھی اسی نے دیا، تو قصد دونوں طرف لگتا ہے، اور جو کوئی کہے اسی نے ایک طرف لگا دیا، سو بندہ کی دریافت سے باہر ہے، بندہ سے معاملہ ہوتا ہے اس کی سمجھ پر، بندہ بھی پکڑے گا اسی کو جو اس سے بدی کرے یہ، نہ کہے گا کہ اس کا کیا قصور؟ اللہ نے کرا دیا“۔

(ماخوذ از ترجمان السنۃ ۲/۱۱۔ ایم ایچ سعید، کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

چندہ کا اعلان "ایاك نستعین" کے منافی نہیں

سوال: آج کل جو مساجد میں چندہ کے لیے باقاعدہ اعلان کیا جاتا ہے، تو اس سے "إیاك نستعین" کی تو مخالفت لازم نہیں آتی یا آتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

چندہ کا اعلان (مدرسہ یا دینی کام یا کسی مصیبت زدہ کی امداد کے لیے) "إیاك نستعین" کے منافی نہیں؛ بلکہ احادیث سے ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نبی کی ہڈی کے ذریعہ بارش برسنے والے واقعہ اور تمام انبیاء قبر میں زندہ ہونے کے عقیدہ میں تضاد

سوال: "البصائر في تذکیر العشائر" مع اردو ترجمہ میں مناقب اہل بیت کا جہاں بیان ہے، اس میں ۵۹۷ میں حیاۃ الحیوان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: قحط پڑا ہوا تھا تو خلیفہ معتصم باللہ نے تین دن تک حکم دیا کہ باہر جا کر دعائے باراں کریں؛ مگر بارش نہ ہوئی، اسی واقعہ میں ہے کہ نصاریٰ میں ایک نصرانی راہب تھا تو وہ ہاتھ اٹھاتا تھا تو فوراً بارش ہوتی تھی، بعد میں حضرت ابو محمد حسن خالص رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا تو انھوں نے دیکھا اور کہا کہ اس کا ہاتھ پکڑلو، دیکھا تو آدمی کی ہڈی تھی، بعد میں بارش نہ ہوئی، حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ کسی نبی کی ہڈی ہے جو اس راہب کو کسی قبر سے ہاتھ لگ گئی ہے، اور نبی کی ہڈی آسمان کے نیچے کھولی جاتی ہے تو بارش ہوتی ہے الخ۔

تو اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ کلام میں نبی کی ہڈی کیسے ہاتھ لگی؟ کیوں کہ یہ تو بدن کے بوسیدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ حالاں کہ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ:

”حرم الله على الارض أن تأكل أجساد الانبياء، أو كما قال عليه السلام“

تو اب دونوں میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے؟ امید ہے کہ خلاصہ فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إن الله عزوجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء

(أبوداود ١/١٥٠، دارمی ١٩٥، نسائی ١/١٥٤، ابن ماجه ٧٧، سنن کبریٰ ٣/٢٤٩) نیز حاکم نے بھی مستدرک (١/ ٥٦٠) میں اس حدیث کو روایت کیا ہے، اور وہاں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے اس کو بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، ابن حبان، دار قطنی اور نووی نے صحیح کہا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ٣/ ٥١٤)(حیات الانبیاء ١٣٠، ١٣١)

کتاب مذکور میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی مذکور ہے، جس کا اقتباس پیش خدمت ہے: جمہورِ امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں؛ بلکہ جسمانی حیات ہے الخ۔ (٥٩)

اس لیے سوال میں مذکورہ واقعہ کی صداقت ہی مخدوش ہو جاتی ہے، تطبیق کی کوئی صورت اس وقت ذہن میں نہیں آرہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بی بی امّاں مرشدہ کا دجل وفریب، علم غیب کا دعویٰ، بھیس بدلنے کا اختیار، زیارت قبور کے لیے جانا، اجنبی کے جھوٹے کا حکم شرعی

سوال: ایک عورت جو اپنے کو مصلحۂ امت اور مربیہ ومرشدہ کہلواتی ہے، لوگوں کی اصلاح کا طریقہ یہ اپنائے ہوئے ہے کہ ایک ہال میں سبھی لوگ جمع رہتے ہیں، کھانے کو صرف ساگ کھائیں، گوشت نہیں کہ اس سے نفس موٹا ہوتا ہے، مہینہ میں ایک مرتبہ کسی درگاہ میں حاضری دینی ہوگی، جانے والے لوگوں کا انتخاب وہ خود کرتی ہے، کہ کوئی اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے کہ حضرت مرشدہ نے اس مرتبہ درگاہ جانے کے لیے فلاں فلاں کا انتخاب کیا ہے، کسی برتن میں دودھ آتا ہے جو ان کا پیا ہوا ہوتا ہے، یعنی ان کا جھوٹا، اس سے مقصد یہ ہے کہ اپنا جھوٹا لوگوں کو پلا کر ان کے قلوب کو عبادت وریاضت اور معرفت الٰہی کے لیے کھولا جائے، اور کہتے ہیں کہ وہ خود لوگوں کے سامنے نہیں آتی، نہ عورتوں کے نہ مردوں کے، دعوی ہے کہ کسی کے بھیس میں وہ محفل میں شریک ہو کر چلی جاتی ہے، اور لوگوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی، اگر ان کے بارے میں کہیں مدح وذم ہو تو اس کا علم ان کو ہو جاتا ہے۔ یہی چند سوالات بذریعۂ کیسیٹ ان سے کیے گئے، کیسیٹ کے سننے سے قبل ہی کسی معتقد نے بتایا کہ ان سوالات کے جوابات املاء کرانے لگ گئی، جس کا فوٹو اسٹیٹ آپ حضرات کو بھی بھیجا جا رہا ہے، قلّت وقت اور عدیم الفرصتی کی بنا پر شاید وقت اجازت نہ دے کہ آپ حضرات ان کے

جوابات پڑھیں؛ لیکن چوں کہ امّت کا ایک بہت بڑا طبقہ اعتقاد میں غلو کر گیا ہے، مزید لوگ بڑی تیزی سے مبتلا ہوتے چلے جارہے ہیں، اور بغیر پڑھے ان کی شخصیت کا صحیح اندازہ شاید نہ لگ سکے۔ مجھے امید ہے کہ بعد مطالعہ کے صحیح نتیجہ میں آپ حضرات بہت جلد پہونچیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے روحانی طاقت بھی علمائے امّت کو بہت دی ہے، ویسے آپ حضرات کی فراست ایمانی اس کی محتاج نہیں، تاہم زیادہ مناسب ہے، اور جواب بہت تفصیل سے لکھیں جو مدلل، مکمل ہو؛ یہاں کے لوگ اس کو شائع کر کے امّت کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں؛ کیوں کہ بڑی تیزی سے یہ ہوا پھیل رہی ہے، جوابات مثبت ہوں یا منفی؛ بہر صورت شائع کریں گے انشاء اللہ۔

ہم لوگوں نے سوالات کیسیٹ میں اس طرح کئے تھے۔

محترمہ بی بی ماں (ان کو لوگ بی بی ماں کہتے ہیں) السلام علیکم! آپ سے بہت ہی مہذب انداز میں چند سولات کے جوابات چاہئے۔

① آپ کے غائبانہ میں اگر کوئی آپ کی برائی یا بھلائی بیان کرے تو اس کا علم آپ کو ہو جاتا ہے، جب کہ یہ علم غیب ہے، جو سوائے خدا کے کسی نبی یا ولی، پیر، پیغمبر کسی کو نہیں؛ کیوں کہ عالم الغیب والشھادۃ کی صفت خدا کے سوا کسی اور کی نہیں، پھر آپ کس طرح دعوی کرتی ہیں کہ اس کا علم آپ کو ہو جاتا ہے؟

② بھیس کے بدلنے کا اختیار جنّات کو ہے، پھر آپ کس طرح جب چاہیں کسی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں؟

③ درگاہوں پر عورتوں کا جانا حرام ہے، جب کوئی عورت درگاہ جانے کی نیت کرتی ہے تو اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں کی لعنت ہوتی ہے؛ جب تک اپنے ارادہ کو

نہ بدلے، پھر آپ کیوں کر درگاہوں پر جاتی ہیں؟ (اس کا جواب انھوں نے بہت ہی مضحکانہ انداز میں دیا ہے)۔

④ کسی غیر محرم عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی غیر محرم مرد کا جھوٹا بلا کسی ضرورت کھائے یا پیئے، اور اس کے برعکس کسی مرد کے لیے صحیح نہیں کہ بلا ضرورت کسی عورت کا جھوٹا پیئے، جھوٹا پینے سے اصلاح نفس ہوتی ہے، اس کی کوئی اصل؟

بہر حال اس قسم کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے انھوں نے علماء کو نام نہاد، ضدی، اور ناسمجھ جیسے قبیح الفاظ سے خطاب کیا ہے؛ لہٰذا اس چیلنج کا نوٹس علمائے کرام لیتے ہوئے قوم وملت کو حقیقت حال سے آگاہ کریں، یہ ہم سب کی درخواست ہے۔

آخر میں پھر گذارش ہے کہ ان کے جواب پڑھ کر ہی اپنی بات پیش کریں تو زیادہ مناسب ہوگا، اور بہت ہی تفصیل سے لکھیں؛ کیوں کہ ہم لوگ ضرور کتابچہ کی شکل میں اس کو آپ حضرات کے حوالہ کیساتھ شائع کریں گے۔

ماضی کی تاریخ میں ایسا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ کوئی عورت خانقاہ چلاتی ہو، اور لاؤڈ اسپیکر پر ذکر کرا رہی ہو، اور کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علم غیب جو باری تعالیٰ کا خاصہ ہے، اس کا معنی ومطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اشکالات اور غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے اس کا مفہوم ومطلب سمجھ لینا ضروری ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ''مفردات القرآن'' میں اس کی تعریف فرماتے ہیں:
ما لا تدركه الحواس ولا يقتضيه بداهة العقل (ص:۳۶۷) (یعنی جو چیز حواس اور

بداہت عقلی سے معلوم نہ ہوسکے)۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ''روح المعانی'' میں ''لم ينصب عليه دليل'' (یعنی اس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو) کی قید کا اضافہ فرمایا ہے۔ (روح المعانی ۱/ ۱۱۴)

یعنی نظر وفکر اور دلیل عقلی سے بھی معلوم نہ ہو، وگرنہ پھر غیب نہیں رہے گا۔

(فضل الباری ۱/ ۵۴۱)

آپ نے سوال میں اس عورت کو سوال لکھا ہے کہ'' آپ کے غائبانہ میں اگر کوئی آپ کی برائی یا بھلائی بیان کرے تو اس کا علم آپ کو ہوجاتا ہے، جب کہ یہ علم غیب ہے، جو سوائے خدا کے کسی نبی یا پیغمبر، ولی یا پیر کسی کو نہیں''۔

سائل کا ان باتوں کو 'علم غیب' سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ علم غیب جو خدا کا خاصہ ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ خدا کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے؛ حالاں کہ اس عورت کی برائی یا بھلائی کی یہ باتیں جہاں بیان ہورہی ہیں، وہاں جو حضرات موجود ہیں، وہ تو اس کو سن رہے ہیں، جان رہے ہیں، وہ جس کو اطلاع دیں گے وہ بھی اس کو جان لیں گے تو پھر یہ خدا کا خاصہ کہاں رہا؟ حالاں کہ علم غیب تو وہ تھا جو خدا کے سوا کسی کو معلوم نہ ہو، دراصل آپ نے اس کو علم غیب سمجھ لیا، وہ آپ کی غلط فہمی ہے۔

اب آپ یہ سوال کرسکتے ہیں کہ جب وہ عورت وہاں موجود نہیں ہوتی پھر بھی اس کے متعلق کی جانے والی باتوں کا اس کو کیسے پتہ چلتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی جن (شیطان) سے اس کی دوستی ہو، اور وہ ایسے مواقع میں، جہاں اس عورت کے متعلق باتیں کی جاتی ہیں، موجود رہتا ہو، اور بعد میں اس کو ان باتوں سے باخبر کرتا ہو۔ ماضی میں بھی ایسا ہوا ہے، اسود عنسی جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں نبوت کا

جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اس کے متعلق شروح حدیث میں موجود ہے کہ اس کے پاس دو شیطان تھے، جو لوگوں میں پیش آنے والے واقعات کی اس کو اطلاع دے دیا کرتے تھے۔ وکان معه شيطانان يقال لاحدهما سحيق ...والآخر شقيق... و كانا يخبرانه بكل شيء يحدث من أمور الناس. (فتح الباری شرح صحیح البخاری ۸/۷۶) اور ان ہی باتوں سے متأثر ہو کر لوگ اس کے اوپر ایمان لے آئے۔

وہ عورت جو یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ میں وہاں بھیس بدل کر موجود رہتی ہوں، اس احتمال سے اس کے اس دعویٰ کی حقیقت بھی کھل جاتی ہے، یعنی وہاں موجود رہنے والی وہ نہ ہو؛ بلکہ اس کا دوست جن ہو۔

آپ نے اس کے جوابات جو کیسیٹ سے اتار کر بھیجے ہیں وہ صاف پڑھے نہیں جاتے ہیں، اکثر کلمات مٹے مٹے سے ہیں؛ البتہ وہ الہام کا دعویٰ کرتی ہے، ان کا یہ دعویٰ کتنا مبنی بر صداقت ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے؛ لیکن اگر اس کو درست مان بھی لیا جائے تب بھی اہل سنّت والجماعت کے نزدیک یہ کسی چیز کی درستگی اور سچائی معلوم کرنے کے اسباب میں سے نہیں ہے، نہ ہی وہ حجت شرعیہ ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے: "والإلهام المفسر بإلقاء المعنى فى القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشيء عند أهل الحق" (۲۲)
(ترجمہ: اور الہام جس کی تفسیر دل میں فیض کے طور پر کسی بات کے ڈالنے سے کی جاتی ہے، اہل حق کے نزدیک شئی کی صحت کے اسباب علم میں سے نہیں ہے)۔

حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الہام انبیاء کو بھی ہوتا ہے؛ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں: اللّٰهم الهمني رشدي۔ اور غیر نبی کو بھی ہوتا ہے: فألهمها فجورها

وتقواھا۔ ہاں! اتنا فرق ہے کہ انبیاء کا الہام قطعی اور معصوم ہے، اور اولیاء کا الہام قطعی نہیں؛ کیوں کہ ان کے الہام میں شیطانی ہونے کا احتمال ہے۔ (فضل الباری ۱/۱۳۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو ولی تسلیم کرلیا جائے اس کے بعد بھی ضروری نہیں کہ اس پر ہونے والا الہام قطعی ہو؛ بلکہ اس میں بھی شیطانی ہونے کا احتمال ہر حالت میں موجود ہے۔

اس جگہ ولی کی حقیقت اور اس کی تعریف بھی معلوم ہونی ضروری ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں ولی کس کو کہتے ہیں؟ عقائد وکلام کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے:

"الولي: هو العارف بالله تعالىٰ وصفاته بحسب ما يمكن، المواظب على الطاعات، المجتنب عن المعاصي، المعرض عن الانهماك فى اللذات والشهوات" (۱۰۵) ترجمہ: ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے بقدر امکان واقف ہو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کے تمام کاموں پر پابندی اور ہمیشگی کرنے والا، نافرمانی اور گناہوں سے دور رہنے والا، یہاں تک کہ مباح لذتوں میں بھی انہماک سے رو گردانی کرنے والا ہو۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہم سے کیا گیا ایک سوال اور اس کا جواب نقل کرتا ہوں:

سوال: اگر کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ مجھے کشف کے ذریعہ خدا نے حکم دیا ہے کہ فلاں شخص کے پاس جاؤ، اور فلاں بات کہو، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب: غیر نبی کو کشف یا الہام ہوسکتا ہے؛ مگر وہ حجت نہیں، نہ اس کے ذریعہ کوئی حکم ثابت ہوسکتا ہے؛ بلکہ اس کو شریعت کی کسوٹی پر جانچ کر دیکھا جائے گا، اگر وہ صحیح ہو تو قبول کیا جائے گا، ورنہ رد کر دیا جائے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ وہ سنت نبوی کا متبع

اور شریعت کا پابند ہو، اگر کوئی شخص سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف چلتا ہو تو اس کا کشف والہام کا دعوی شیطانی مکر ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/ ۳۴،۳۵)

عارف باللہ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر تم کسی کو دیکھو کہ اس کو عجیب وغریب باتیں ملی ہیں، ہوا میں اڑتا ہے، فضا میں چار زانو ہو کر بیٹھتا ہے، پانی پر چلتا ہے تو جب تک وہ شریعت اور طریقہ سنت کا پابند نہ ہو، اسے خیال میں نہ لاؤ۔ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کہ از مشائخ ملقب سلطان العارفین ست؛ نیز فرمودہ: لو نظرتم إلى رجل أعطي أنواعا من الكرامات؛ حتى يتربع فى الهواء، أويمشى على الماء، فلاتعتبروابه؛ حتى تنظروا كيف تجدونه عند الأمر والنهي، وحفظ الحدود وأداء احكام الشريعة (البلاغ المبین فارسی ص:۴۶۔رسالہ قشیریہ ص:۱۵)(منقول از فتاوی رحیمیہ ۴/ ۶)

حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کی شہرت سن کر زیارت کے لیے گئے وہ بزرگ اتفاق سے گھر سے مسجد آرہے تھے، ان کو قبلہ کی جانب تھوکتے ہوئے دیکھا، تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کئے بغیر ہی واپس چلے آئے، اور فرمایا کہ جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب (قبلہ کی حرمت) کا پاس نہیں ہے، تو اس کی بزرگی کا کیا اعتبار۔

(بحوالہ قشیریہ ص:۱۵)(منقول از فتاوی رحیمیہ ۴/ ۷)

جو کوئی پابند شرع اور متبع سنت نہ ہو وہ کبھی خدا کا دوست اور ولی نہیں بن سکتا، اور اس سے کوئی عجیب بات ظاہر ہو تو وہ کرامت نہیں ہو سکتی؛ بلکہ یہ سحر اور استدراج ہے، ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعہ بھی عجیب اور حیرت انگیز باتیں ظاہر ہو سکتی ہیں، اس میں اسلام کی بھی قید نہیں ہے۔ چناں چہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قال ابن حجر: أنه ناظر صوفى برهمنا فطار البرهمي في الجو فارتفعت إليه نعل الشيخ،

والناس ينظرون یعنی ایک صوفی کا ایک جوگی کے ساتھ مناظرہ ہوا، تو جوگی ہوا میں اڑنے لگا، اس کے پیچھے صوفی نے اپنی کھڑاؤں پھینکی، اور عوام اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

(البصائر ص ۴۱۲، بصیرت ۴۷)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ فلاں آدمی ایک ہی شب میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے، آپ نے فرمایا: شیطان پل بھر میں مشرق سے مغرب پہنچتا ہے تو یہ کوئی کمال اور حق ہونے کی دلیل نہیں؛ حالاں کہ وہ خدا کی لعنت میں گرفتار رہتا ہے۔ وقيل له: فلان يمر في ليلة إلى مكة، فقال: الشيطان يمرّ في لحظة من المشرق الى المغرب، وهو في لعنة الله (البصائر ص/ ۴۱۲، بصیرت/ ۴۷، از فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۸)

② انسان کو یہ قدرت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مختلف شکل وصورت میں متشکل کر سکے؛ البتہ جنات کو یہ قدرت عطا کی گئی ہے۔ قاضی بدرالدین شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے "آكام المرجان في احكام الجان" میں ایک مستقل عنوان اس کا قائم فرمایا ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں: لاشك أن الجن يتطورونَ ويتشكلون في صور الإنس والبهائم، فيتصورون في صور الحيات والعقارب، وفي صور الإبل والبقر والغنم والخيل والبغال والحمير وفي صور الطير، وفي صور بني آدم الخ (ص:۱۸)

③ زمانۂ جاہلیت کی قبر پرستی سے نفرت دلانے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدا میں امت کو قبروں پر جانے سے منع فرمادیا تھا، اور جب اس رسم کی بخوبی اصلاح ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیارت قبور کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها؛ فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة (مشکوۃ ص:۱۵۴) میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، اب ممانعت منسوخ کی جاتی ہے، پس

ان کی زیارت کیا کرو؛ کیوں کہ وہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں، اور آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔

اس لیے قبرستان جانے کی اجازت ہے، البتہ دو مسئلوں میں اختلاف ہے، ایک یہ کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں سب کو ہے یا صرف مردوں کو؟ بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کو اجازت نہیں؛ کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورتوں کے بارے میں خصوصیت سے فرمایا ہے: ''لعن الله زوارات القبور'' (مشکوٰۃ، ص:۱۵۴) (یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں) اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد اجازت سے پہلے کا ہے، اور اب مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اجازت ہے، صحیح یہ ہے کہ عورتوں کو ممانعت اس بنا پر کی گئی ہے کہ یہ کم صبری اور کم علمی کی بناء پر وہاں جا کر جزع فزع؛ نیز بدعات اور غیر شرعی حرکات کا ارتکاب کرنے سے باز نہیں رہ سکتیں، چوں کہ ان کے جانے میں فتنے کا احتمال غالب تھا، اس لیے ان کو خصوصیت سے منع کر دیا گیا، تاہم اگر کوئی عورت وہاں جا کر کسی بدعت اور کسی غیر شرعی حرکت کی مرتکبہ نہ ہو، اس کو اجازت ہے؛ مگر بوڑھی عورتیں جا سکتی ہیں، جوان عورتوں کو نہیں جانا چاہیے۔

(فتاویٰ شامی ۲/ ۲۴۲ طبع جدید مصر) (منقول از اختلاف امت اور صراط مستقیم ۱/ ۵۱، ۵۲)

کسی مرد کے لیے اجنبی عورت کا جھوٹا اور کسی عورت کے لیے اجنبی مرد کا جھوٹا مکروہ ہے؛ اس لیے کہ اس صورت میں خطرہ ہے کہ لذت حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

(كما في الدر المختار على هامش الشامي ١/١٦٣)

جس چیز کو مکروہ و ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہو، اس کو معرفت الٰہی کے لیے قلوب کو کھولنے کا ذریعہ قرار دینا، دجل و فریب ہے، عورتوں کو گھر میں جمے رہنے کی شریعت میں تاکید ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وقرن في بيوتكن﴾ (تم اپنے گھروں میں جمی

رہو)۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: لیس للنساء نصیب فی الخروج إلا مضطرة (رواہ الطبرانی) (یعنی عورتوں کو اپنے گھروں سے باہر نکلنے کا حق نہیں؛ لیکن ایسے وقت کہ وہ مجبور و مضطر ہو جائیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے: "المرأة عورة، فاذا خرجت استشرفها الشیطان" (یعنی عورت چھپانے کی چیز ہے؛ کیوں کہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تانک جھانک کرتا ہے)۔

مجالس الابرار میں ہے۔ فالمرأة كلما كانت مخفية من الرجال كان دينها أسلم (یعنی عورت جس قدر مردوں سے پوشیدہ ہوگی اس کا دین زیادہ سالم اور محفوظ رہے گا)۔

"فتاویٰ محمودیہ" میں ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ہاتھ پر کسی نے بیعت نہیں کی، خلفائے راشدین اور بعد کے اکابرین اہل اللہ کے یہاں بھی یہ دستور نہیں ملتا، اس لیے عورت کو پیر بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے۔ (۱۵/۹۷)

ایک دوسرے جواب میں ہے: "اصلاح نفس کی ضرورت مردوں کو بھی ہے، اور عورتوں کو بھی، اس مقصد کے لیے مرید ہونے کی ضرورت ہوتی ہے؛ مگر دوسروں کی اصلاح کرنا اور مرید کر کے ذکر و شغل کی تلقین کرنا یہ کام مردوں کے لیے مخصوص ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا دعاء سے موت ٹل جاتی ہے؟

(سوال): دعاؤں سے موت ٹل جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر تقدیر میں یوں لکھا ہے کہ فلاں اگر دعا کرے گا تو اس کی موت اتنے وقت کے لیے ٹل جائے گی، تو دعا سے موت بھی ٹل سکتی ہے؛ ورنہ نہیں۔ (حاشیۂ مشکوۃ ۱۹۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

جنبی ایمان سے نہیں نکلتا

سوال: ایک میاں بیوی نے صحبت کی، دونوں ناپاک ہو گئے، ناپاکی میں ایمان نکل جاتا ہے، اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوتا جب تک کہ دونوں غسل جنابت نہ ادا کرلیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جنابت کی وجہ سے آدمی ایمان سے نہیں نکلتا، سوال میں لکھا ہوا خیال غلط ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق علماء دیوبند کا مسلک

سوال: جناب محترم گذارش یہ ہے کہ ایک سلسلہ میں جناب سے حق کی جانب راہنمائی کا خواستگار ہوں، ہمارے یہاں پاکستان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات بعد الموت سے متعلق دو آراء پائی جاتی ہیں، اور ہر دو نظریہ کے حامل افراد خود کو حقیقی دیوبندی کہتے ہیں، ایک عقیدہ: حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روضۂ اطہر میں جسد عنصری کے ساتھ

زندہ ہیں، یہ حیات برزخی ہے، مگر حیات دنیوی سے قوی تر ہے۔ دوسرا عقیدہ: 'مماتی عقیدہ' کے نام سے معروف ہے کہ جسد اطہر روضۂ اطہر میں محفوظ ہے، مگر روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے، اور جسد اطہر محفوظ؛ مگر بمثل میت کے روضۂ اطہر میں ہے؛ نیز روح مبارک کے لیے جسم مثالی کی بات کرتے ہیں۔

محترم! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اکابر علماء دیوبند کا حقیقی عقیدہ حیات النبی ﷺ کے حوالہ سے کیا ہے؟ حیاتی یا مماتی؟ اور جو اکابر علمائے دیوبند کے خلاف عقیدہ رکھیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا وہ بدعتی ہیں یا انہیں دیوبندی کہلانے کا حق حاصل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

۱۳۲۵ھ میں حرمین شریفین کے علمائے کرام نے ۲۶/ سوالات قلم بند کر کے علمائے دیوبند کو جواب کے لیے ارسال کئے، اس وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا تھا، مذکورہ سوالات کے جوابات فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے فصیح عربی زبان میں مرتب فرمائے، جس پر اس وقت کے تمام مشاہیرِ دیوبند مثلاً: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اسوۃ الصلحاء حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم ابن حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی، عارف کامل حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم دار العلوم اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصدیقات تحریر فرمائیں، مشاہیر ہند کے علاوہ حجاز، مصر اور شام وغیرہ اسلامی ممالک

کے مقتدر علماء اور مشائخ نے بھی اپنی تصدیقات سے اس کو مزین فرمایا، چناں چہ یہ رسالہ ۱۳۲۵ھ میں تحریر ہوا اور "المهند علی المفند" کے نام سے ملک میں شائع کیا گیا، اسی رسالہ کے صفحہ ۴۳ / ۴۴ سے ایک سوال جواب جو اصل عربی میں ہے، اس کے اردو ترجمہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:

السؤال الخامس: ما قولكم في حياة النبي عليه الصلوة و السلام في قبره الشريف؟ هل ذلك أمر مخصوص به أم مثل سائر المؤمنين رحمة الله عليهم حيٰوته برزخية؟

الجواب: عندنا وعند مشايخنا حضرة الرسالة ﷺ حي في قبره الشريف، وحيـاتُه دنيوية من غير تكليف، وهي مختصة به، وبجميع الأنبياء صلوات الله عليهم والشهداء، لا برزخية كما هي حاصلة لسائر المؤمنين؛ بل لجميع الناس، كما نص عليه العلامة السيوطي في رسالته "أنباء الأذكياء بحيوة الأنبياء" حيث قال: قال الشيخ تقي الدين السبكي: حيٰوة الأنبياء والشهداء في القبر كحيوتهم في الدنيا، ويشهد له صلوة موسى عليه السلام في قبره، فإن الصلوة تستدعى جسدا حيا إلى آخر ما قال: فثبت بهذا أن حيٰوته دنيوية، برزخية لكونها في عالم البرزخ، ولشيخنا شمس الإسلام والدين محمد قاسم العلوم على المستفيدين قدس الله سره العزيز في هذا المبحث رسالة مستقلة دقيقة المأخذ بديعة المسلك لم ير مثلها، قد طبعت وشاعت فى الناس واسمها "آب حيات" أي ماء الحيٰوة. (المهند على المفند ٤٣،٤٤ مكتبة الاتحاد)

ترجمہ: پانچواں سوال: کیا فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر میں حیات کے

متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے، جو حاصل ہے تمام مسلمانوں؛ بلکہ سب آدمیوں کو، چناں چہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”أنباء الاذکیاء بحیوۃ الأنبیاء“ میں بتصریح لکھا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی، اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے؛ کیوں کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات دنیوی ہے، اور اس معنیٰ کر برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے، اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل، جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے، اس کا نام ”آب حیات“ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ”المہند علی المفند“ میں درج شدہ عقائد کے متعلق کئے گئے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اکابر دیوبند کے کئی دور ہوئے ہیں:

پہلا دور: حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصر اکابر کا تھا۔

دوسرا دور: ان اکابر کے شاگردوں کا: جن میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل

احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر شامل ہیں۔

تیسرا دور: ان کے شاگردوں کا: جن میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔

چوتھا دور: ان کے شاگردوں کا: جن میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصر اکابر شامل ہیں۔

اور اب پانچواں دور ان کے شاگردوں کا چل رہا ہے۔

''المهند على المفند'' پر دور ثانی کے تمام اکابر کے دستخط ہیں، یہی عقائد دور اول کے اکابر کے تھے، اور ان ہی پر دور ثالث اور دور رابع کے اکابر متفق چلے آئے ہیں۔

اس لیے ''المہند'' میں درج شدہ عقائد پر تمام اکابر دیوبند کا اجماع ہے، کسی دیوبندی کو ان سے انحراف کی گنجائش نہیں، اور جو ان سے انحراف کرے وہ دیوبندی کہلانے کا مستحق نہیں۔ (فتاویٰ بینات: ۱/۵۲۶، ۵۲۷)

اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جن میں حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر کی کتاب ''تسكين الصدور في تحقيق أحوال الموتى في البرزخ والقبور'' اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب زید مجدہم کی کتاب ''مقام حیات'' اور ''المهند على المفند'' کا تازہ ایڈیشن قابل مطالعہ ہے، اور آخر الذکر دونوں کتابوں میں دیوبندی مکتب فکر کے بعد کے اکابر کی تصریحات بھی منقول ہیں، ان کا مطالعہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　　الجواب صحیح: مفتی عبدالقیوم راجکوٹی

حضرات صحابہ معیارِ حق ہیں

سوال: ایک جید عالم دین نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ معیارِ حق صرف اور صرف اللہ اور رسول ﷺ ہیں، رسول اللہ ﷺ ہی معصوم عن الخطاء ہیں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق نہیں ہیں، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ معیار حق ہیں، تو کیا یہ عقیدہ درست ہے، یا مجھے بھی اللہ اور اس کے رسول کو ہی معیار حق سمجھنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیار حق ہونے کا مطلب بیان فرماتے ہوئے حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں'' اس کا معنی ومطلب یہ ہے کہ ان کے اقوال وافعال حق وباطل کی کسوٹی ہیں، ان حضرات نے جو فرمایا، یا جو دینی کام کیا، وہ ہمارے لیے مشعل راہ، حجت اور ذریعۂ فلاح ہے، اور ان کے معیار حق ہونے کے دلائل بے شمار ہیں۔

قرآن میں ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَه الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِه جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْراً﴾

ترجمہ: اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ امر حق ظاہر ہو چکا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہو لیا، تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معلوم شد کہ ہر کہ خلافِ

راہِ مومناں اختیار نمود مستحق دوزخ شد، ومومنین دروقت نزول ایں آیت نبودند مگر صحابہ رضی اللہ عنہم۔ (تحفۂ اثناعشریہ: ۶۰۰)

یعنی معلوم ہوا کہ جس نے مومنین کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ مستحق دوزخ ہوا اور اس آیت کے نزول کے وقت مومنین، صحابہ رضی اللہ عنہم ہی تھے، اس سے واضح ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ حق اور ہدایت کا طریقہ ہے، اور وہ ہمارے لیے نمونہ ہے؛ لہٰذا جو ان کے طریقے کے خلاف چلے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۷۹، ۸۰)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بہت تفصیل سے دلائل پیش کئے ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ۴/ ۸۰ تا ۹۳ میں اس کا مطالعہ فرمالیں) آپ کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو معیار حق ماننا درست ہے، اور اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے، ان کے معیار حق ہونے کا انکار گمراہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ کو حاضر ناظر کہنے کے دلائل

سوال: اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر کہنے میں کیا قباحت ہے؟ کیا عقائد میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''شاہد وبصیر'' اور حاضر وناظر'' میں کوئی فرق ہے؟ مدلل جواب کی درخواست ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ تعالیٰ کے لیے حاضر وناظر کا اطلاق درست ہے، حدیث پاک میں ''الشہید'' آیا ہے، جس کا ترجمہ مشکوۃ شریف (جلد اول ۱۹۹) کے بین السطور میں ''الحاضر'' کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وما كنا غائبين﴾ اور حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''إنكم لا تدعون أصم ولا غائبا'' (بخاری ومسلم)

جب قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ غائب نہیں ہے اور حضور پاک ﷺ کے صریح ارشاد مبارک کے مطابق غائب نہیں، اب اگر ہم حاضر نہ کہیں تو کیا کہیں؟

حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے لیے ناظر کا اطلاق موجود ہے: "إن الله مستخلفكم فيها فناظر كيف تعملون" (مشكوة ٤٣٧، ترمذی شریف) یہ روایت ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿عَسٰی رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ﴾۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حق سبحانہ وتعالیٰ بر احوال جزئی وکلی او مطلع است وحاضر وناظر، شرم باید کرد۔ (مکتوب ص ۷۸ دفتر اول حصہ دوم)

اور شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وبدانکہ خدا تعالیٰ حاضر است غائب نہ۔ (مکتوبات قدوسیہ ۱۲۹ بحوالہ تبرید النواظر ۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

کیا جانوروں کی روح عزرائیل علیہ السلام نکالتے ہیں؟

سوال: کیا جانوروں کی روح بھی عزرائیل علیہ السلام نکالتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ چیز نظر سے نہیں گذری، ویسے آپ کا یہ سوال بھی عمل یا عقیدہ سے متعلق نہیں ہے، جس کے لیے تلاش کی زحمت اٹھائی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کافر و مشرک کی توبہ

سوال: شرک یا کفر توبہ کرنے سے معاف ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آدمی شرک و کفر سے توبہ کرکے اس کو چھوڑ کر ایمان اختیار کرے، تو شرک و کفر کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ ''الإسلام یهدم ما کان قبله'' (الحدیث) (صحیح مسلم ۱/۷۶)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

''کالی چودس'' کی منحوسیت کا عقیدہ رکھنا

سوال: ہندوؤں کے مشہور تہوار دیوالی کے ایک روز قبل کی رات جس کو ''کالی چودس'' کہتے ہیں، جس کے بارے میں ہنود کا عقیدہ ہے کہ اس رات میں دیوی دیوتاؤں کو خوش رکھنا ضروری ہے، نیز وہ اس رات میں سحر وغیرہ بھی کرتے ہیں یا اس سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، جس کے لیے وہ اپنے قبرستانوں میں جا کر رات کو کچھ عملیات وغیرہ کرتے ہیں؛ نیز سنا ہے کہ وہ لوگ اس رات کو خطرناک سمجھتے ہیں، ادھر ہمارے مسلمان بھائیوں میں بھی یہ بات مشہور ہونے لگی ہے کہ واقعتاً یہ رات بڑی خطرناک ہے، جس میں بلائیں اور مصائب نازل ہوتے ہیں یا خبیث روحیں بھٹکتی ہیں؛ اس لیے وہ اپنے بچوں کو باہر نکلنے سے اس رات میں منع کرتے ہیں؛ نیز عورتیں نکلنے سے پرہیز کرتی ہیں، بعضے لوگ بہ زعمِ خود نازل ہونے والی بلاؤں سے بچنے کے لیے سورۂ بقرہ کا ختم کرکے پانی پر دم کرتے ہیں، خود پیتے ہیں اور مکانوں پر چھڑکتے ہیں، بعضے عورتیں اس رات کی صبح روزہ رکھتی ہے؛ تاکہ مصیبت سے حفاظت ہو اور بعضے پڑھے لکھے لوگ بھی یہ اہتمام

کرتے ہیں، یہ لوگ اس سلسلہ میں حدیث شریف کا حوالہ دیتے ہیں جب کہ حدیث پاک میں بلا تعیین کے صرف ایک رات میں ان بلاؤں کا نزول بیان کیا گیا ہے، مسلم شریف ۲/۱۷۱ پر یہ دو روایتیں ہیں:

(۱) عن جابر بن عبدالله قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: غطوا الإناء وأوكوا السقاء؛ فإن في السنة ليلة ينزل فيها وباء، لا يمر بإناء ليس عليه غطاء، أو سقاء ليس عليه وكاء، إلا نزل فيه من ذلك الوباء.

(۲) وحدثنا نصر بن علي الجهني قال: حدثني أبي قال: نا ليث بن سعد بهذا الإسناد مثله، غير أنه قال: فإن في السنة يوما ينزل فيه وباء، وزاد في اٰخر الحديث: قال الليث: فالأعاجم عندنا يتقون ذلك في كانون الأول.

تو عرض خدمت یہ ہے کہ سال کی اس ایک رات کو جس کا حدیث میں ذکر کر کے ہمیشہ اپنے برتنوں کو ڈھانکنے کا حکم دیا ہے، ہنود کے گمان کے مطابق کالی چودس کو سمجھ لینا، اس کو اپنے لیے خطرناک سمجھنا اور سال کی دیگر راتوں میں اس کا امکان کالعدم سمجھنا شرعاً صحیح ہے؟ کیا یہ عقیدے میں ہنود کے ساتھ موافقت نہیں ہے؟ اس سلسلے میں مفصل جواب عنایت فرمائیں؛ تاکہ اگر یہ گمان غلط ہو تو عوام وخواص کو غلطی سے بچایا جا سکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث پاک میں سال بھر میں کسی ایک دن یا کسی ایک رات کے متعلق بلا تعیین کے اطلاع دی گئی ہے، اور اسی بنیاد پر علی الاطلاق ہمیشہ برتنوں کو ڈھانپنے اور مشکیزوں کا منہ بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز اس دن یا رات میں نازل ہونے والی بلا کا اثر بھی متعین فرما کر اس کے دفعیہ کی تدبیر بھی بتلا دی گئی ہے؛ اس لیے اپنی طرف سے کسی متعین اور

مخصوص رات کے متعلق ایسا سمجھنا، نیز اس کی تاثیر اور بلا کو دیگر امور میں متعدّی سمجھنا اور اس کے دفعیہ کے لیے اپنی طرف سے تدابیر تجویز کرنا، یہ سب باتیں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر ہونے کے علاوہ ایک غیر مدرَک بالقیاس چیز میں قیاس سے حکم ثابت کرنا ہے، یہ تمام امور حدودِ شرع سے تجاوز ہونے کی بنا پر درست نہیں؛ اس لیے اس مخصوص رات میں سوال میں مذکورہ جن امور کا اہتمام کیا جاتا ہے درست نہیں، خصوصاً جب کہ اس کی وجہ سے ہندوانہ نظریات اور ان کی توہم پرستی کی تائید ہوتی ہے۔ اہلِ علم حضرات کو چاہیے کہ اس توہم پرستی سے عوام کو باز رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴؍رجب ۲۲؁ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نکاح کے لیے کسی دن کو منحوس سمجھنا

سوال: نکاح کے دن وتاریخ طے کرنے کے لیے یا مہینوں کے بارے میں منحوس اور سعید سمجھنا کیسا ہے یا تمام دن شرعاً برابر ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ہندوانہ نظریہ ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، شرعاً تمام ایام برابر ہیں؛ البتہ جمعہ کے دن اعلانِ نکاح کا مقصد اچھی طرح حاصل ہوتا ہے؛ اس لیے مندوب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲؍ذو القعدۃ الحرام ۱۵؁ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سنگِ بنیاد کے موقعہ پر جانور ذبح کرنا ہندوانہ رسم ہے

سوال: جب ہمارے کشمیر میں کوئی آدمی کوئی نئی عمارت کی سنگ بنیاد رکھتا ہے تو اس جگہ پر کسی حلال جاندار کو ذبح کرتا ہے، اس نیت سے کہ اس عمارت میں برائی کے بدلہ بھلائی قائم ہو؛ لیکن یہاں کے رہنے والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ذبح کرنے والے جاندار کا خون اس جگہ پر پڑے جہاں وہ عمارت قائم ہونے جارہی ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ بالکل ناجائز اور ہندوانہ طریقہ ہے، اس میں شرک کی بو ہے، اس سے مکمل احتراز کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

فال کھولنا کیسا ہے؟

سوال: کسی آدمی سے فال کھلوا کر پوچھنا کہ پریشانیاں کیوں ہورہی ہیں؟ یہ شرعاً کیسا ہے؟ یہ پوچھنے جانے والے کے لیے کیسا ہے؟ اور جو بتانے والے ہیں ان کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟ برائے کرم اس کا پورا خلاصہ تفصیل کے ساتھ نوٹ فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن وغیرہ سے فال نکالنا جائز نہیں۔ لا يأخذ الفال من المصحف شرح فقه اکبر ص: ۱۸۳ (فتاویٰ محمودیہ: ۶/ ۳۵) سب اپنے اپنے درجہ کے مطابق گنہگار ہیں،

چاہیے کہ توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ تھا

سوال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں تھا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی تصریح شفائے قاضی عیاض، خصائص کبری، فقہ العزیز، مدارج النبوۃ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے۔ ان حضرات نے وہی استدلال کیا ہے جو کہ سائل نے لکھا ہے۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا) مگر کوئی روایت مرفوع پیش نہیں کر سکے۔ جیسا کہ دیگر معجزات کے متعلق مرفوع روایات موجود ہیں۔ البتہ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوپہر کے وقت تشریف لانا اور آپ کا سایۂ مبارک ہونا صاف صاف مذکور ہے، "قالت: فبینما أنا یوما بنصف النھار اذا بظل رسول اللہ ﷺ" (مسند احمد ۵/۲۳۱) نیز حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت حادی الارواح الیٰ بلاد الافراح (۱/۴۲) میں ہے جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایۂ مبارک کو خود ملاحظہ فرمانا منقول ہے۔ "لقد رأیت ظلی" یہ دونوں روایتیں مرفوع ہیں۔ (فتاوی محمودیہ ۱/۱۰۹، ۱۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ صفر ۱۴۰۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں پڑتا تھا؟

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چلتے تھے تو ان کا سایہ نہیں پڑتا تھا اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صحیح روایت واحادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ مبارک تھا۔ (خیر الفتاویٰ ۱/ ۳۳۳) (گلدستۂ سلام ۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

علم غیب عطائی

سوال: بندہ نے بریلوی مکتبۂ فکر کے ایک عالم کی تقریر میں سنا ہے کہ وہ فرما رہے تھے علم غیب ذاتی یہ صرف خدا ہی کو ہے۔ اور ایک ہے علم غیب عطائی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھا تو یہ بات کہاں تک صحیح ہے وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علم غیب کی یہ تقسیم فریب ہے جو عطائی ہو وہ علم غیب نہیں؛ نیز یہ حضرات اپنے دعوی پر یعنی علم غیب کی اس تقسیم پر اور ذاتی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور عطائی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا ہے کیا دلیل پیش کرتے ہیں؟ قل هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب ما یتعلق بالکفر والکفار

گونگے بہرے کا اسلام

سوال: ایک آدمی غیر مسلم چمار (ہریجن) ۷ ر پشتوں سے مسلمان کے گھر رہتا تھا اور تھا وہ بہرہ اور گونگا، نہ سنتا تھا نہ بولتا تھا؛ مگر کبھی کبھی وہ مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں آکر پیچھے کھڑا رہ کر نقل بھی کرتا تھا اور ایک عالم صاحب نے جو پہلے اس جگہ پڑھا رہے تھے انھوں نے اللہ کا اقرار کروایا تھا تو لوگ کہتے ہیں کہ کبھی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتا تھا اور کبھی ہاتھ سے انکار بھی کرتا تھا اور وہ اب مرگیا ہے اور اس کی مسلمانی بھی نہیں کروائی تھی وہ جب مرگیا تو اس کے وارث داروں کو خبر پہنچائی تو انھوں نے کہا کہ تمھارے یہاں جس طرح کرتے ہو اس طرح کرو، پھر ہم نے اس کو نہلایا کفن دیا اور جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو قبرستان کے قریب میں باہر دفن بھی کردیا تو کیا یہ صورت حال صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس نے اپنے اس اشارہ کے ذریعے جس کو لوگ سمجھتے ہیں اسلام اور ایمان کا اظہار کیا تھا تو وہ مسلمان ہے اب اگر موت تک اس کے خلاف کوئی بات نہیں پائی گئی تو مرنے کے بعد اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے گا یعنی غسل کفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا چاہے اس کی ختنہ (مسلمانی) نہ ہوئی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷ ر رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غلطی سے کلمۂ کفر کہنا

(سوال): مالابد منہ ص: ۱۱۹ پر ''بسم اللہ بر حرام کار'' کے مسئلے کو تحریر کیا ہے، تو کیا بے علم وانجان شخص جس کو مسئلہ معلوم نہیں وہ مسلمان چوری کے وقت یا جو مذکور مسئلہ کتاب میں ہے اس پر بسم اللہ پڑھتا ہے، تو کافر ہو جائے گا؟ مسئلہ معلوم ہونے کی صورت میں تو استخفاف دین ہے؛ لیکن علم نہ ہونے کے وقت تو استخفاف نہیں پایا گیا، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اس لیے کہ یہاں بعض لوگ جہل کا اعتبار نہیں کرتے، علی الاطلاق حکم کے قائل ہیں۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالابد منہ میں ہے: مسئلہ: اگر جاہلے کلمۂ کفر گفت ونمی داند کہ ایں کلمۂ کفر است بعضے علما گفتہ اند: کہ کافر نہ شود وجہل عذر است، وبعضے گفتہ: کافر شد وجہل عذر نیست۔ (ص: ۱۳۸)

ثم قال في البحر: والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل، ولا اعتبار باعتقاده كما صرح به فی الخانية، ومن تكلم بها مخطئا أو مكرها لا يكفر عند الكل، ومن تكلم بها عامدا عالما كفر عند الكل، ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف. اھ (شامي ۳/ ۳۱۲)

أن ما يكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح، وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح. اھ (شامي ۳/۳۱٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

معصوم ہونے کے ارادے سے اولاً مرتد ہونا پھر مسلمان بن کر مرنا

سوال: ایک مسلمان مرد فاسق وفاجر کو معلوم ہوا کہ کفر کے بعد ایمان لانے سے گناہ ختم ہوجاتے ہیں، تو کیا وہ مرتد ہوکر پھر مسلمان ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تاکہ اس کے تمام گناہ معاف ہوجاوے، اور اگر نہیں ہوسکتا ہے، اس کے باوجود اس نے یہ فعل انجام دیا (یعنی مرتد ہوکر پھر مسلمان ہوگیا) اس کے بعد فوراً موت واقع ہوگئی، تو اس کو معصوم کہہ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

﴿ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولٰئك حبطت أعمالهم فی الدنیا والآخرة﴾(البقرة) ایسے لوگوں کے اعمال دنیا وآخرت میں سب غارت ہوجائیں گے، دنیا میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے، اگر اس کا کوئی مورث مسلمان مرے، اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا، حالتِ اسلام میں نماز روزہ جو کچھ کیا تھا سب کالعدم ہوجاتا ہے وغیرہ؛ اگر یہ شخص پھر مسلمان ہوجائے تو آخرت میں دوزخ سے بچنے اور دنیا میں آئندہ کے لیے احکام اسلام کا جاری ہونا یقینی ہے؛ لیکن دنیا میں اگر حج کر چکا تو بشرطِ وسعت دوبارہ اس کا فرض ہونا اور آخرت میں پچھلے نماز روزہ پر ثواب ملنے کے قائل نہیں، مرتد کی حالت کافرِ اصلی سے بدتر ہے، اسی واسطے کافرِ اصلی سے جزیہ قبول ہوسکتا ہے، اور مرتد اگر اسلام نہ لاوے اگر مرد ہے تو قتل کردیا جاتا ہے، اور اگر عورت ہے تو دوامِ حبس کی سزاء دی جاتی ہے۔ (از معارف القرآن ملخصاً)

اسلام کے بعد ارتداد کی کسی صورت میں اجازت نہیں، بڑے سے بڑے گناہ کے لیے توبہ علاج ہے، شریعت کے بتلائے ہوئے طریقۂ علاج کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس کے باوجود اگر اس نے ایسا کیا اور دوبارہ مسلمان ہوا تب بھی اس کو معصوم نہیں کہہ سکتے، اس لیے کہ معصوم تو وہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں کی حفاظت کا نظم کیا گیا ہو۔ المعصوم من له العصمة من الذنوب. (قواعد الفقه ٤٩٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر اسلامی نظام حیات کو افضل قرار دینے والے کے متعلق شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مطلقہ عورت کے مسئلہ میں ایک مطلقہ عورت کو شریعت مطہرہ اور جماعت کے قوانین کے مطابق مہر، جہیز کا سامان، زیورات، عدت کا خرچ وغیرہ ادا کر دئے، کچھ عرصہ کے بعد اسی عورت نے نان ونفقہ کی مستقل ادائیگی کے لیے اس کے سابق شوہر پر دفعہ ۱۲۵ کے مطابق عدالت میں مقدمہ دائر کیا ہے۔ مذکورہ معاملہ میں وضاحت طلب بات یہ ہے کہ جو مسلمان کلمۂ شہادت پڑھے اسلام کا دعوی کرے مگر شریعت اسلامیہ کو بہ طور نظام حیات رد کر دے اور اس کی جگہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو لاگو کرنے کا مطالبہ کرے اس کے لیے شریعت اسلامیہ میں کیا حکم ہے؟ یہ بھی فرمائیں اللہ پاک نے جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے اس کو حلال کرنے والا اور اس کام میں تعاون دینے والوں کے لیے شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟ اللہ کے دین کے مقابلہ میں کسی دوسرے نظام حیات کو افضل یا بہتر قرار دے اور

اس طرح شریعت اسلامیہ کی مخالفت کرنے والوں کے لیے قرآن اور حدیث وفقہ کی روشنی میں کیا حکم ہے؟ مسلمان عوام کی دینی ضرورت اور مذہبی رہنمائی مدنظر رکھ کر اس اہم مسئلہ کا تفصیلی جواب جلد از جلد تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿فلا وربّك لا يؤمنون حتّى يحكّموك فيما شجر بينهم ثمّ لا يجدوا في انفسهم حرجا ممّا قضيت ويسلّموا تسليما﴾ (النساء:٦٥)

ترجمہ: پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ (جو صرف زبانی ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں عند اللہ) ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے) فیصلہ کرا دیں۔ پھر (جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تصفیہ کر دیں تو) اس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکار کی) تنگی نہ پائیں اور (اس فیصلہ کو) پورا پورا (ظاہر وباطن سے) تسلیم کریں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مومن یا مسلمان نہیں جب تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو ٹھنڈے دل سے پوری طرح تسلیم نہ کرے۔ اس کے دل میں بھی اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائی جائے۔ حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ارشاد قرآنی پر عمل آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فیصلہ ہے۔ اس لیے یہ حکم قیامت تک جاری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں خود بلا واسطہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجوع کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے جو درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف رجوع ہے۔ (معارف القرآن ٢/ ٤٦٠، ٤٦١ ملخصاً)

اس لیے ایک مومن اور مسلمان کا فریضہ ہے کہ جب اس کو شریعت مطہرہ کے فیصلہ کی طرف دعوت دی جائے تو فوراً سر تسلیم خم کردے، ایک طرف ایمان کا دعوی اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول سے گریز کی قرآن نے سخت مذمت کی ہے۔ ﴿الم تر الی الّذین یزعمون انّھم اٰمنوا بما انزل الیك وما انزل من قبلك یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت و قد امروا ان یکفروا به ویرید الشیطان ان یضلّھم ضلالا بعیدا﴾ (النساء ٦٠) ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اپنا مقدمہ شیطان کے سامنے لے جانا چاہتے ہیں حالاں کہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس کو (شیطان کو) نہ مانیں اور شیطان ان کو بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الکافرون (المائدۃ:٤٤) ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الظالمون (المائدۃ: ٤٥) ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الفاسقون(المائدۃ: ٤٧)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام کے خلاف حکم دینا بعض صورتوں میں کفر ہے جب کہ اعتقاد میں بھی اس کو حق نہ جانتا ہو۔ اور بعض صورتوں میں ظلم اور فسق ہے جب کہ عقیدہ کے رو سے تو ان احکام کو مانتا ہے مگر عملاً اس کے خلاف کرتا ہے۔ (معارف القرآن ٣/١٦٥)

صورت مسؤلہ میں اگر مقدمہ دائر کرنے والے کا مقصد عملاً شریعت محمدیہ کی خلاف ورزی ہے تو وہ یقیناً فاسق ہے اور کفر کا اندیشہ ہے۔ اور عقیدہ کی رو سے احکام شریعت کی

حقانیت کا انکار ہے تو یہ کفر ہے۔ تحلیل حرام سے آپ کی کیا مراد ہے اس کو واضح فرمائیں۔ کوئی آدمی اپنی زبان سے صراحتاً یوں کہہ دے کہ میں اللہ کے دین کے مقابلہ میں دوسرے نظام حیات کو بہتر سمجھتا ہوں تو اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن اگر زبان سے ایسا نہیں کہا ہے تو صرف اس کے سوال میں مذکور عمل کی بنیاد پر اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔

السابعة ما فی البحر من باب المرتد نقلا عن الفتاوی الصغریٰ: الکفر شيء عظیم فلا اجعل المؤمن کافرا متی وجدت روایة أنه لا یکفر انتهی. (شرح عقود رسم المفتی ص۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

''مجھے ہندو سمجھو مسلمان نہ سمجھنا'' کہنا

سوال: ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی پریشان کرتا ہے، اس کو دوسرے مسلمان بھائی سمجھاتے ہیں تو وہ آدمی لوگوں کے سامنے قبول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اب لفڑا نہیں کروں گا، اس کے بعد غیر مسلم لوگوں کو ساتھ میں لے کر پھر لفڑا کرتا ہے تو مسلمان بھائی بولے کہ تم ہندو لوگوں کا ساتھ پکڑتے ہو تو اس نے جواب دیا کہ ''تم مجھے ہندو سمجھو مجھے مسلمان نہ سمجھنا'' کیا ایسا آدمی دین میں شامل ہے یا دین سے خارج ہو جاتا ہے، اس بارے میں ایک مولانا بولے کہ وہ آدمی دین سے خارج ہوا ہے، ایسا ہم کو جواب ملا؛ اس لیے آپ جواب دینا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ کلمہ کفر ہے، اس آدمی پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے۔ ''مالا بدمنہ''

میں ہے ''اگر کسے دیگرے را گفت تو کافر شدی او جواب داد کہ کافر شدہ گیر کافر شد''۔ (ص ۱۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

دین کی بات سنانے پر
''کیا اللہ کے یہاں سے کوئی آیا ہے'' کہنا

سوال: ایک مسلم شخص کے سامنے دین کی بات ہو رہی تھی تو اس نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے یہاں سے کوئی آیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوئی؟ کیا ایسے شخص کے لیے تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دین کی جس بات کا تذکرہ ہو رہا تھا وہ بات اگر ضروریاتِ دین میں سے تھی تو اس آدمی پر ضروری ہے کہ تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ شوال ۱۴۱۷ھ

''میں اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں'' اور ''وحی کا انتظار ہے'' کہنا

سوال: (۱) زید اور ہندہ میاں بیوی ہیں؛ چوں کہ ہندہ زید کے گھرانے میں تکالیف کی وجہ سے دل برداشتہ رہتی ہے، اس لیے زید اس کو سمجھاتا رہتا ہے، ایک دفع زید نے سمجھاتے ہوئے اس کو کہا کہ جو تکلیفیں آرہی ہیں اس کو بشاشت سے برداشت کر لینا چاہیے، اس پر عورت نے جواب دیا کہ: ''میں اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں ہوں''

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس کلمہ سے فسخِ نکاح کا حکم ہوگا، جبکہ عورت کا کہنا ہے کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اس گھرانہ میں جو تکلیفیں ہورہی ہیں اس پر میں راضی نہیں ہوں، اب اگر تجدیدِ نکاح کا احتیاطاً حکم دیتے ہیں تو عورت تیار نہیں ہے؛ بلکہ ان الفاظ کے کہنے ہی کا انکار کرتی ہے اور تجدیدِ نکاح کے لیے کسی حال میں تیار نہیں ہے، اور ازدواجی تعلقات باقی نہ رکھنے پر خودکشی کرنے کا کہہ رہی ہے اور اس کے قوی امکانات ہیں؛ جبکہ شوہر ان کلمات کا سننے والا ہے اور کہتا ہے کہ ۹۹ / فیصد مجھے یاد ہے، اور شوہر کی بہن بھی سننے والی ہے اور وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ کلمات سنے ہیں، ان حالات میں کیا حکم ہوگا؟

نوٹ: عورت ضدی مزاج ہے، اس کو خوب سمجھایا بھی گیا؛ لیکن تجدید کے لیے تیار نہیں ہے۔

(۲) خالد اور فاطمہ دونوں میاں بیوی ہیں، خالد نے فاطمہ سے کہا کہ "چلو تو فاطمہ" اس نے کوئی جواب نہ دیا، اس پر مرد نے عورت کو کہا کہ کیا وحی کا انتظار ہے تو عورت نے مذاق میں جواب دیا کہ ہاں وحی کا انتظار ہے، اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ کیا تجدیدِ نکاح لازم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) عورت کے اس جملہ "میں اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں ہوں" کا مطلب عورت نے خود یہ بتلایا کہ "میں اس گھرانہ میں جو تکلیفیں ہورہی ہیں اس پر راضی نہیں ہوں" تو اس سے کفر لازم نہیں آیا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: "رضا بالقضاء کی دو تفسیریں ہیں، ہر تفسیر پر جدا جواب ہے، ایک تفسیر عرفی یہ کہ رضا بالقضاء سے مراد اس واقعہ پر راضی رہنا ہے جس کے ساتھ قضاء متعلق ہوتی ہے، مثلاً: قرض پر راضی رہنا، فقر پر

راضی رہنا، علی ھذا۔ دوسری تفسیر اصطلاحی یہ ہے کہ جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے واقع کیا ہے اس کے فعل یعنی ایقاع پر راضی رہنا، پس تفسیرِ اول پر تو ہر واقعہ پر رضا کا حکم ہی نہیں، مثلاً: جن امور کو حق تعالیٰ خود ناپسند فرماتے ہیں جیسے کفر و معاصی ان میں بندہ کو بھی یہی حکم ہے کہ ان پر راضی نہ ہو یعنی یہ حکم ہے کہ کفر کو پسند نہ کرے؛ بلکہ ان کے زائل ہونے کی کوشش بھی کرے، دعاء بھی کرے اپنے لیے بھی دوسروں کے لیے بھی الخ۔ (امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۶۷)

البتہ ایسے الفاظ بولنے سے منع کیا جائے گا جن سے کفر کا شبہ بھی ہوتا ہو؛ لہٰذا توبہ واستغفار کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۶۶)

② اس سے بھی کفر لازم نہیں آتا؛ البتہ اس میں دین وشریعت کی پاکیزہ ومحترم اصطلاح کا بے جا استعمال ہے؛ اس لیے استغفار وتوبہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی شان میں کفریہ کلمات بکنا اور تجدیدِ نکاح

سوال: ① ایک مسلم شخص بیماری اور پریشانی میں اللہ کے بارے میں کچھ ایسے جملے کہتا ہے مثلاً: ’’بیماری اور پریشانی میں خدا کو میں ہی ملا تھا، میرے ہی ساتھ میں یہ ہو رہا ہے‘‘ یا ایسے الفاظ استعمال کرے جو شرک سے ملتے ہیں تو کیا ایسا شخص اسلام سے خارج ہو جائے گا؟ اگر اتنا کہنے کے بعد وہ کلمہ پڑھے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہے گی یا پھر اس کو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا؟

مورتی کے گلے میں ہار ڈالنے کا حکم

سوال: (۲) ایک مسلم شخص کسی مورتی کے گلے میں ہار ڈالتا ہے یا غیر اس مسلم شخص کے گلے میں ہار ڈالے تو کیا اس عمل سے وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟ اگر نہیں تو پھر اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہے گی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

(۱) محیط برہانی میں ہے:

وكذا الرجل إذا ابتلي بمصيبات متنوعة، فقال: أخذت مالى وأخذت ولدي وأخذت كذا وكذا فماذا تفعل أيضاً وماذا بقي لم تفعله، أو ما أشبه هذا من الألفاظ فقد كفر، هكذا حكى عبد الكريم بن محمد، فقيل له: أرأيت أن المريض لو قال ذلك المقاله من غير قصد؛ لكن جرى على لسانه لشدة المرض، قال: الحرف الواحد ونحو ذلك فقد يجرى على اللسان من غير قصد، أما مثل هذا الكلام فقل ما يجري على اللسان من غير قصد، إشارة إلى انه يحكم عليه بالكفر ولا يصدق. (المحيط البرهانی۷ /۴۲۳،۴۲۲)

وكذا الرجل إذا ابتلى بمصيبات متنوعة فقال اخذت مالى واخذت ولدى وأخذت كذا وكذا فماذا تفعل ايضا وماذا بقى لم تفعله أو ما اشبهه هذا من الالفاظ فقد كفركذا فى المحيط . (فتاوی عالمگیری۲/ ۲۷۵)

آپ نے سوال میں جو الفاظ نقل کئے ہیں عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ کا کہنا کفر ہے؛ لہٰذا کہنے والے کو تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح فرض ہے، جب تک وہ ایمان اور نکاح کی تجدید نہ کرے اس وقت تک اس کی عورت کو اس سے علاحدہ رہنا ضروری ہے،

اپنے اوپر جماع وغیرہ کے لیے قابو دینا جائز نہیں، تجدیدِ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے، جس چیز سے انکار کی وجہ سے ایمان سے خارج ہوا ہے اس کا اقرار کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ۲/ ۳۲۲)

نکاح کا طریقہ سب کو معلوم ہے۔

② بت کی پوجا کرنے والے جب مورتی کے پاس جاتے ہیں تو اس کے گلے میں ہار ڈالتے ہیں یا پھول چڑھاتے ہیں، پھر اس کو ڈنڈوٹ کرتے ہیں گویا مورتی کو ہار پہنانا مشرکانہ افعال میں سے ہے، اس لیے جس آدمی نے یہ حرکت کی ہو اس کو چاہیے کہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرے؛ البتہ کسی غیر مسلم کے کسی مسلمان کے گلے میں ہار ڈالنے سے کفر لازم نہیں آتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاءہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

جہالت میں کلمۂ کفر بولنا

سوال: بعض جاہل مسلمان کلمۂ کفر بک دیتے ہیں اور انہیں معلوم نہیں رہتا کہ یہ کلمۂ کفر ہے، ایسی حالت میں کیا انہیں تجدیدِ ایمان کے ساتھ تجدیدِ نکاح کی بھی تلقین کرنی چاہیے اور یہ کہ تجدیدِ نکاح ان کو بھی لازم ہوگا، رسم المفتی میں پڑھا تھا کہ جس مسئلہ میں علمائے دین میں سے کسی ایک عالم کا تکفیر کے متعلق اختلاف ہو تو کفر کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔ فقط، انتھی کلامہ

مالا بدمنہ میں لکھا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک جہالت عذر ہے۔ فقط، انتھی کلامہ

کیا اس اصول کے پیش نظر جو مسلم لوگ جہالت کی وجہ سے کلمۂ کفر نکال دیتے ہیں ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اور ان کی تجدید ایمان کا لازمی حکم نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جس آدمی نے مزاح اور ٹھٹھا کی غرض سے کلمۂ کفر اپنی زبان سے نکالا تو وہ بالاتفاق سب کے نزدیک کافر ہے، اور جس آدمی نے خطاءً (بولنا کچھ اور چاہتا تھا اور کلمۂ کفر زبان سے نکل گیا) اور اکراہ (کسی کی دھمکی اور جبر کی وجہ) سے کلمۂ کفر کہا تو بالاتفاق کافر نہیں ہوگا۔ اور جس آدمی نے اس کو کلمۂ کفر جانتے ہوئے عمداً کہا تو سب کے نزدیک کافر ہو جائے گا، اور جس آدمی نے کلمۂ کفر اپنے ارادہ واختیار سے کہا؛ لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ کفریہ کلمہ ہے تو اس کے کافر ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، شامی میں ہے:

ثم قال في البحر: والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل، ولا اعتبار باعتقاده كما صرح به فى الخانية، ومن تكلم بها مخطئا أو مكرها لا يكفر عند الكل، ومن تكلم بها عامدا عالما كفر عند الكل، ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف. اهـ (شامي ۳/ ۳۱۲)

مالابد میں ہے: اگر جاہلے کلمۂ کفر گفت ونمی داند کہ ایں کلمۂ کفر است، بعضے علماء گفتہ اند کہ کافر نہ شود وجہل عذر است۔ وبعضے گفتہ اند کہ کافر شود، جہل عذر نیست۔ (ص ۱۳۸)

شامی میں علامہ حصکفی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو (قول یا فعل) بالاتفاق موجبِ کفر ہو اس سے اس کے تمام اعمال اور نکاح باطل ہو جاتا ہے، اور جس (قول یا فعل) کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو وہاں پر اس کے مرتکب کو توبہ واستغفار اور تجدیدِ نکاح کا

حکم دیا جائے گا، اس پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم احتیاطی ہے۔

(قوله: لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن) ظاهره: أنه لا يفتى به من حيث استحقاقه للقتل ولا من حيث الحكم ببينونة زوجته، وقد يقال: المراد الأول فقط؛لأن تأويل كلامه للتباعد عن قتل المسلم بأن يكون قصد ذلك التأويل، وهذا لا ينافى معاملته بظاهر كلامه فى ماهو حق العبد، وهو طلاق الزوجة وملكها لنفسها، بدليل ماصرحوا به من أنه إذا أراد أن يتكلم بكلمة مباحة فجرى على لسانه كلمة الكفر خطأ بلا قصد لا يصدقه القاضى؛ وإن كان لا يكفر فيما بينه وبين ربه تعالىٰ، فتأمل ذلك وحرره نقلا، فإنى لم أر التصريح به، نعم! سيذكر الشارح أن ما يكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح، وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح اه وظاهره: أنه أمر احتياط، ثم إن مقتضى كلامهم أيضا أنه لا يكفر بشتم دين مسلم، أي لا يحكم بكفره لإمكان التأويل، ثم رأيته فى جامع الفصولين حيث قال بعد كلام: أقول: وعلى هذا ينبغي أن يكفر من شتم دين مسلم؛ ولكن يمكن التأويل بأن مراده أخلاقه الرديئة ومعاملته القبيحة، لا حقيقة دين الإسلام، فينبغي أن لا يكفر حيئنذ، والله تعالىٰ اعلم.

وأقره فى نور العين، ومفهومه: أنه لا يحكم بفسخ النكاح، وفيه البحث الذي قدمناه: وأما أمره بتجديد النكاح فهو لاشك فيه احتياطا، خصوصا فى حق الهمج الأرذال الذين يشتمون بهذه الكلمة، فإنهم لا يخطر على بالهم هذا المعنى أصلا. (شامی ۳/۳۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ　　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

یا علی مشکل کشا کہنے کا حکم

سوال: مشکل کشا جب اللہ پاک ہی ہیں، تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنا روا رہے گا؟ گرچہ عقیدہ مشکل کشا صرف اللہ پاک کے ہونے کا ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت مشکل مقدمات اور معاملات کو آسانی سے حل فرمایا کرتے تھے، اس لیے ان کو "حلّال المعضلات" کہتے تھے، اس کا فارسی میں ترجمہ مشکل کشا ہے؛ لیکن ان کی محبت وعقیدت میں غلو کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہر مشکل کو خواہ کسی زمانے میں پیش آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حل کرتے ہیں، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ پریشانی اور مصیبت کے وقت "یا علی" پکارتے ہیں، حتی کہ اللہ پاک سے بھی وہ بے نیاز ہو گئے، اور جملہ امور میں کارسازِ حقیقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی قرار دے لیے، یہ عقیدہ اور طریقہ، اسلام کے خلاف اور شرک ہے، اس سے بچنا لازم ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

مصلحتاً کفار کو غیر ایمان والا کہنا اور کتابوں میں سے غزوات، جہاد اور مجاہدین کا تذکرہ حذف کرنا کیسا ہے؟

سوال: بعد آداب وتسلیم بصد تعظیم وتکریم معروض ایں کہ بحمد اللہ احقر ایک ایسے دینی ادارے میں برسرِ عمل ہے جو قیام وتنظیمِ مکاتب کے حوالے سے ایک تحریک ہے، اور جسے ملک کے طول وعرض میں ایک مرکزیت حاصل ہے۔

ادارے کی زیرِ نگرانی کئی شعبہ جات قائم ہیں، جن میں ایک شعبۂ تحقیق وترقی بھی ہے، بحمد اللہ اس شعبہ کو ملک کے مشہور ومعروف مدارس کے فضلاء کی خدمات حاصل ہیں، جن کی کاوشوں سے مکاتب کے سولہ سالہ نصاب کے علاوہ عوام کی افادیت کے لیے دینی کی بنیادی باتوں پر مشتمل عام فہم اور سہل کتابیں تیار کی جاتی ہیں۔

ادارے کے سرپرست ایک صاحبِ ثروت اور علم دوست آدمی ہیں، جو مکاتب کی تعمیر وترقی اور بنیادی دینی تعلیم کے تعلق سے ہمہ وقت فکرمند رہتے ہیں، اور اس کے لیے ہر ممکن جتن بھی کرتے ہیں، لیکن روزِ اوّل سے وہ اس بات پر مصر ہیں کہ ادارے سے شائع ہونے والی کسی بھی کتاب میں جہاد، مجاہدین اور اسلامی غزوات کا تذکرہ نہیں ہونا چاہیے؛ کیوں کہ خدشہ ہے کہ ان چیزوں کے تذکرے کا علم حکومتِ ہند کو ہو جائے اور پھر اربابِ حکومت کی طرف سے کوئی دقت وپریشانی آپڑے۔

اس کے علاوہ حالیہ دنوں میں ان کی طرف سے بڑے ہی شَدّ ومَدّ کے ساتھ یہ بات اُٹھائی جارہی ہے کہ ادارہ کی تمام مطبوعات سے کفر وشرک، کافر ومشرک وغیر مسلم اور یہود ونصاریٰ لفظ خارج کر دیا جائے، اور متبادل کے طور پر "غیر ایمان والا" تعبیر اختیار کی جائے، نیز صدر محترم کی جانب سے یہ بات بھی کہی جارہی ہے کہ اگر نہیں بدل سکتے تو وہ مضمون ہی کاٹ دیا جائے۔

سرپرست محترم اپنے اس نظریہ اور فیصلہ کی بنیاد اس امر کو بناتے ہیں کہ ایک صاحبِ ثروت اور بڑی کمپنی کے مالک ہیں، ان کے روابط بڑے وسیع ہیں، اگر یہود ونصاریٰ کا لفظ یا ان سے متعلق باتیں ہماری مطبوعات میں شامل ہوں گی تو بہت ممکن ہے کہ اسلام مخالف دشمن سے ادارے کو کوئی زِک پہنچے، اور خدانخواستہ صد بار خدانخواستہ ادارہ یا ان کی

کمپنی تعطل کا شکار ہو جائے۔ الامان والحفیظ

ایک دوسری وجہ وہ یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ انسانیت کی پیغام رسانی اور دعوتِ دین میں لفظِ کافر و مشرک اور غیر مسلم کہیں رخنہ انداز نہ ہو جائے، اور بجائے اصلاح کے فساد کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔

واضح ہو کہ ادارہ اور شعبے سے منسلک علمائے کرام موصوف محترم کے ذہن سے مذکورہ بالا خدشات کو دفع کرنے کی کوشش کرتے رہے، اور ان کی بات سے صرف نظر کر کے نصابی کُتُب اور غیر نصابی کُتُب میں سیرت کے عنوان کے تحت غزوات و سرایا کو شامل کیا، اور اسی طرح کافر و مشرک اور یہود و نصاریٰ کے لفظ سے اعراض نہیں کیا، اور قرآن و حدیث کی اصطلاحات کو بعینہٖ برقرار رکھا، لیکن اب صورتِ حال بدل رہی ہے، موصوف محترم کی طرف سے افراد پر دباؤ بڑھ رہا ہے، قدیم علما یا تو ذمہ دار سے دور ہو گئے یا مستعفی ہو گئے یا ان کی ذمہ داری موصوف کی بات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے تبدیل کی جا چکی ہے، اب یہ ذمہ دار جدید افراد سے اپنی پُرانی سوچ کے مطابق مذکورۃ الصّدر اُمور کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں، اور تبدیلی کروانا شروع کر دیا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اوّل الذکر صورتِ مسئولہ میں سرپرست محترم کی رائے شرعی نقطۂ نظر سے کہاں تک درست ہے؟ کیا اسلامی غزوات اور جہاد کا تذکرہ بطور تاریخِ اسلامی بیان نہیں کئے جا سکتے جس میں برانگیختہ کرنے والے الفاظ سے گریز کیا گیا ہو؟

اور مؤخر الذکر صورتِ مسئولہ میں قرآن و حدیث میں جہاں جہاں کافر و مشرک اور یہود و نصاریٰ کا لفظ ہے وہاں ''غیر ایمان والا'' کی تعبیر اختیار کی جا سکتی ہے؟ جب کہ یہود و نصاریٰ کا لفظ ایک خاص مفہوم رکھتا ہے، اور ان کے بعض احکام بھی خاص ہیں،

جو دیگر غیر ایمان والے کافر ومشرک کے حوالے سے نہیں ہیں، مبادا یہ اصطلاحِ شرع میں تبدیلی تو نہیں؟

ایک طرف تو دعوتِ دین اور بنیادی دینی تعلیم کو امّت میں عام کرنے کا جذبہ اور دوسری طرف اس طرح کی سوچ وفکر رکھنا کیسا ہے؟ از راہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مع دلائل مرحمت فرمائیں۔ صد نوازِش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل جواب سے پہلے چند امور بطور تمہید ذکر کئے جاتے ہیں، تا کہ جواب کا سمجھنا آسان ہو۔

① دینی کام کرنے والے اور مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہو رہے ہیں ان میں سے ایک عظیم فتنہ ہر دل عزیزی کا فتنہ ہے، یہ فتنہ آج کل خوب برگ وبار لا رہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیشِ نظر یہ خیال رہتا ہے کہ ہم سے کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں، اس فتنہ کی اساس وبنیاد حبِّ جاہ ہے۔ (بصائر وعبر: ۱/ ۱۱۴)

اور جب ہر دل عزیزی اور صلح کل میں حبِّ جاہ کے ساتھ حبِّ مال بھی شامل ہو جائے تو پھر اس کی قباحت ''کریلا اور نیم چڑھا'' کا مصداق ہے۔

② دین کی نشر واشاعت میں ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ اسلام دشمن طاقت خوش رہے اور احکامِ اسلام کی تبلیغ بھی ہوتی رہے یہ ممکن نہیں، دشمنانِ اسلام کی ہر دور میں یہ کوشش رہی ہے کہ جس قدر جس حربہ سے بھی ممکن ہو اسلام اور اہلِ اسلام کو زِک پہنچائے، وہ تو اُسی صورت میں راضی ہوں گے جب اُن کے معتقدات ومذاہب کی پیروی کی جائے اور یہ ناممکن ہے، لہٰذا اُن کو راضی رکھنا بھی ناممکن ہے۔

قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک اُصول مقرر کر دیا ہے:﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾الخ (البقرۃ:۱۲۰) ترجمہ: اور یہود ونصاری تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے۔ (آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۹۲)

ان کے مذہب کی پیروی کرنا محال ہے، پس ان کا راضی ہونا بھی تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے یعنی محال ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۳۰۶)

③ جو شخص دین حق کی حق بات یا امر بالمعروف (جس میں دینی امور کی نشر واشاعت بھی شامل ہے) یا نہی عن المنکر کی آواز بلند کرتا ہے تو اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا ہی جائے گا، اس کو جان ومال میں طرح طرح سے آزمایا جائے گا، اس کا علاج دینی نشر واشاعت سے باز آجانا اور احکام الٰہی میں مداہنت سے کام لینا نہیں؛ بلکہ اس کا واقعی علاج صبر واستقامت پر گامزن رہنا، باری تعالیٰ سے مدد چاہنا اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (آل عمران:۱۸۶) ترجمہ: اور البتہ سنو گے تم اگلی کتابوں والوں سے اور مشرکوں سے بدگوئی بہت، اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔ (ترجمۂ شیخ الہند)

فكان من قام بحق، أو أمر بمعروف، أو نهىٰ عن المنكر، فلا بد أن يؤذىَ، فما له دواء الا الصبر فى الله، والا ستعانة بالله، وا لرجوع الى الله عزوجل. (تفسير ابنِ كثير:۲/۱۸۰ مط: دار الطيبة المملكة السعودية)

④ دین کی تبلیغ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے، چاہے

وہ تبلیغ مکاتبِ دینیہ کے ذریعہ سے ہو یا اسلامی لٹریچر سے ہو یا کسی بھی طرح ہو، بالخصوص ایسے جمہوری ملک میں جہاں کے باشندوں کو اپنے اپنے مذہب کی نشر واشاعت کے مستقل حقوق حاصل ہوں اور آزادی ہو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿الذین یُبَلِّغُون رِسٰلٰتِ اللہ وَیَخْشَوْنَہ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحداً اِلَّا اللہ ﴾(الأحزاب:۳۹) ترجمہ: پیغمبر وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں، اور اُسی سے ڈرتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

(آسان ترجمۂ قرآن ۳/۱۲۹۹)

تشریح: دوسری صفت انبیاء علیہم السلام کی یہ بیان کی گئی کہ "وَیَخْشَوْنَہ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحداً اِلَّا اللہ" یعنی یہ حضرات اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اُس میں یہ بھی داخل ہے کہ بمصالح دینیہ اگر ان کو کسی کام کی عملی تبلیغ پر مامور کیا جاتا ہے وہ اس میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے، اگر کچھ لوگ اس پر طعنہ کریں تو اس سے نہیں ڈرتے۔ (معارف القرآن ۷/۱۵۷)

اس تمہید کے بعد سوال کا جواب ملاحظہ کیجئے!!!

صورتِ مسئولہ میں قرآن وحدیث میں جہاں جہاں کافر ومشرک اور یہود ونصاریٰ کا لفظ آیا ہے وہاں ان کو "غیر ایمان والا" تعبیر کرنا درست نہیں، اسی طرح سرپرست صاحب کا یہ اصرار کہ کسی بھی کتاب میں جہاد، مجاہدین اور اسلامی غزوات کا تذکرہ نہیں ہونا چاہیے یہ بھی اسلامی سوچ نہیں، اس ملک میں مسلمان کو قرآن وحدیث اور اس کی تعلیمات کی نشر واشاعت کی کھلی اجازت ہے۔ ان کا یہ طریقہ اسلامی تشخص مٹانے کے مترادف ہے، ملکی دستور سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ دستورِ ہند

میں مسلمانوں کو جو حقوق دیے گئے ہیں ان میں ایک مذہب کی تبلیغ کی آزادی ہے۔

چناں چہ ''وزارتِ قانون اور انصاف'' حکومت بھارت نے اس موضوع پر ایک کتاب ''بھارت کا آئین'' طبع کی ہے، اس میں عنوان ''مذہب کی آزادی کا حق'' کے ذیل میں دفعہ ۲۵ میں لکھا ہے:

''امنِ عامہ، اخلاقِ عامہ، صحتِ عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیعات کے تابع اشخاص کو آزادیٔ ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے''۔ (بھارت کا آئین: ۵۲، یکم جولائی ۲۰۱۳ تک ترمیم شدہ، مط: قومی کونسل نئی دہلی)

سوال میں ذکر کردہ سوچ کے حامل نے تمام کفار کے لیے غیر ایمان والے کی تعبیر اختیار کر رکھی ہے، اس میں تمام کفار کو ایک لفظ سے تعبیر کرنے میں تحریفِ لفظی کے ساتھ ساتھ تحریفِ معنوی کی خرابی کا احتمال ہے جو کسی حال میں جائز نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نصوص کے الفاظ میں جو جامعیت ہے انسان کے خود ساختہ الفاظ میں وہ بات نہیں، نصوص میں متعدد فرقوں کے لیے ''کافر'' کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد کے خاتمہ نمبر ۴ میں ۲/ ۲۶۸ پر گمراہ فرقوں کی اقسام، تعریفات اور نام بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کوئی کافر اگر زبان سے اسلام کا اظہار کرے اور ہو کافر تو اس کا نام منافق ہے، اور اگر مسلمان ہونے کے بعد کفر اختیار کرے تو اس کا نام مرتد ہے اور اگر چند معبودوں کا قائل ہو تو اس کا نام مشرک ہے اور اگر کسی اور آسمانی مذہب کا پیرو ہو تو اس کا نام کتابی ہے اور حوادثِ عالم کو زمانہ کی جانب منسوب کرے اور اس کو قدیم مانتا ہو (یعنی زمانہ کو ہی خالقِ عالَم اور ازلی ابدی مانتا ہو) تو اس کا نام دہریہ ہے اور اگر خالقِ عالَم کا سرے سے

منکر ہو تو اس کا نام معطل (خدا منکر) ہے اور اگر مسلمان کہلانے کے باوجود ایسے عقیدے رکھتا ہو جو متفقہ طور پر کفر ہیں تو اس کا نام زندیق ہے (بالفاظِ دیگر سات قسم کے کافر ہیں: ا: منافق، ۲: مرتد، ۳: کتابی، ۴: مشرک، ۵: دہریہ، ۶: معطّل، ۷: زندیق اِسی کو باطنی اور ملحد بھی کہتے ہیں)۔

شرحِ مقاصد میں اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

یہ واضح ہو چکا کہ کافر ہر اس شخص کا نام ہے جو مومن نہ ہو، اب اگر وہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا خاص نام ''منافق'' ہے اور اگر پہلے مسلمان تھا اور پھر کافر ہو گیا تو اس کا خاص نام ''مرتد'' ہے، اس لیے کہ وہ اسلام سے پھر گیا (ارتداد کے معنی ہیں لوٹ جانا، پھر جانا)، اور اگر ایک سے زیادہ معبود مانتا ہے تو اس کا خاص نام ہے ''مشرک''، اس لیے کہ وہ خدا کا شریک مانتا ہے (یعنی غیر اللہ کو اللہ کا شریک کہتا ہے)، اور اگر کسی منسوخ آسمانی مذہب اور کتاب کا پیرو ہے تو اس کا خاص نام ''کتابی'' ہے، جیسے یہودی، نصرانی، اور اگر زمانہ کو قدیم (ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا) مانتا ہے اور دنیا کے تمام واقعات و موجودات کو اُسی کی جانب منسوب کرتا ہے (گویا زمانہ کو ہی خالقِ کائنات مانتا ہے) تو اس کا خاص نام ''دہریہ'' ہے (دہر کے معنی ہیں لامحدود زمانہ)، اور اگر خالقِ عالَم کا وجود ہی نہیں مانتا (اور عالم کو باقتضاء مادّہ آپ سے آپ پیدا ہونے والا سمجھتا ہے) تو اس کا خاص نام ''معطل'' ہے، اور اگر نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اقرار اور اسلامی شعائر کا اظہار کرنے کے باوجود ایسے عقیدے رکھتا ہے جو متفقہ طور پر کفر ہیں اس کا خاص نام ''زندیق'' ہے، (زند اصل میں اس کتاب کا نام ہے جسے ''قباد بادشاہِ ایران'' کے عہد میں ''مزدک'' نے پیش کیا تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ مجوسیوں کی اُسی کتاب کی

تفسیر ہے جس کو ''زردشت لے'' کر آیا تھا) مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ ''زردشت'' نبی تھا، اسی زند کی جانب یہ زندیق منسوب ہے، (یعنی زندیق زندیک کا معرّب ہے جس کے معنی ہیں زند کو ماننے والا، اہلِ اسلام نے ہر اس بے دین آدمی کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے جو کفریہ عقائد رکھتا ہے اور اسلام کا دعویٰ کرتا ہے اسی کو عربی میں ''ملحد'' اور ''باطنی'' کہتے ہیں، ''باطنیہ'' انہی زندیقوں اور ملحدوں کے ایک خاص فرقہ کا نام ہے)۔

(اکفار الملحدین: ص/۲۶، ۲۷ مط: ادارۂ مجلسِ علمی، کراچی)

یوں سمجھئے کہ لفظِ ''کافر''، ''مشرک''، ''یہود'' اور ''نصاریٰ'' قرآن وحدیث کی خاص اصطلاح ہے، خود ساختہ لفظ ''غیر ایمان والا'' سے اس اصطلاح کو بدلنا گویا اسلامی اصطلاح میں مداخلت کرنا ہے جو جائز نہیں۔

اعلام الموقعین میں ہے:

ولو أوجب تبديل الأسماء والصور تبدل الأحكام والحقائق لفسدت الديانات وبدلت الشرائع واضمحل الإسلام .

(اعلام الموقعین، المقصد الرابع، اثر القصدوالنیۃ فی العقود والعبادات، الفصل الثالث: ۳/ ۲۱۴)

قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ ان سرپرست صاحب نے سولہ سالہ مکاتب کا نصاب تیار کروایا ہے، مکاتب میں زیرِ تعلیم قوم کے نونہالان کے قلوب میں عقائدِ حقہ اور توحید ورسالت یعنی اسلام کی بنیادی تعلیم ٹھوس اور مضبوط بٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے؛ تاکہ مستقبل میں ان کا ایمان خارجی اثرات وماحولیات سے متأثر نہ ہو، نیز آڑے وقت میں اسلام پر ہونے والے حملہ کے لیے اُنہیں ہر نوع کی قربانی دینے کے لیے تیار کیا جائے، اور اکابر واسلاف کے کارنامے اُنہیں پڑھا کر اسلامی سانچہ میں اُن کی ذہن سازی

وآبیاری کی جائے، جب ان نونہالوں نے اکابر، مجاہدین اور اسلامی غزوات کا تذکرہ اور نام ہی پڑھا نہ ہوگا تو کیوں کر اُن میں دِفاع کا جذبہ پیدا ہوگا اور مستقبل میں اُن سے کیا توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں؟ اس کا فیصلہ خود آپ ہی کرسکتے ہیں۔

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''اکفار المُلحدین'' میں اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب کے ماننے والے کو کافر نہ کہنے پر سخت حکم لگایا ہے، وہاں حاشیہ میں لکھا ہے: اس زمانہ میں جو لوگ کسی بھی غیر مسلم کو کافر کہنے سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کو خلافِ تہذیب سمجھتے ہیں وہ اپنے ایمان کی فکر کریں، کہیں ان کا ایمان اس ''کافرانہ'' وسعتِ نظر، تہذیب پرستی اور احساسِ کمتری پر قربان نہ ہوجائے۔ (حاشیۂ اکفار الملحدین: ۱۲۹)

ادارہ اور شعبے سے منسلک علمائے کرام کو چاہیے کہ اپنے سرپرست صاحب کی اسلامی سوچ وفکر کی تشکیل کریں، نہ یہ کہ چند کوڑیوں کے خاطر ان کی ہاں میں ہاں ملاکر آیتِ کریمہ ﴿ولا تشتروا بأیتی ثمناً قلیلاً﴾ کے مصداق بنیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۲۷/ جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عنہ خانپوری الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایک آدمی کے فعل سے دوسرا کافر نہیں ہوتا

(سوال): کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع دین مندرجۂ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تو یہ کام جو کر رہا ہے مشرکوں جیسا ہے، یا یوں کہا کہ تو مشرک کی طرح کھلی ہوئی باتوں پر ہٹ دھرمی دیے ہوئے ہے، اور تو مجھ سے بلاوجہ جھگڑا کر رہا ہے تو کیا ان دونوں صورتوں میں زید کے کہنے کی وجہ سے عمرو کافر ہوگیا؟

جب کہ زید کی نیت محض تشبیہ تھی۔

نوٹ: اسی مسئلہ پر دو قبیلہ میں زبردست جھگڑا ہو گیا ہے، اور یہ فتویٰ ہم نے ہر جگہ سے طلب کیا ہے، آپ سے جہاں تک ہو سکے جلد جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کے ان کلمات کی وجہ سے عمرو کافر نہیں ہوا، یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی ایک آدمی کے قول یا فعل کی وجہ سے کوئی دوسرا کافر نہیں ٹھہرتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک فلمی گانے کا حکم شرعی

سوال: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ابھی ایک گیت چلا ہے "تجھ میں رب دکھتا ہے یارا میں کیا کروں، سجدے سر جھکتا ہے یارا میں کیا کروں" اس کو گانا اور سننا کیسا ہے؟ کیا اس سے کفر لازم آئے گا؟ اس میں غیر شادی شدہ کا اور شادی شدہ کا کیا حکم ہوگا؟ یا اس کے علاوہ بہت سے گانے جس میں اللہ، خدا اور رب کا نام آتا ہے تو اس کا گانا اور سننا کیسا ہے؟

"ہرے رام، ہرے کرشن، جے شیو شنکر" گانے کا حکم

(۲) اس کے علاوہ غیر اللہ کے نام کے گانے بھی آتے ہیں، جس میں کفریہ جملے ہوتے ہیں، جیسے ہرے رام، ہرے کرشن، جے شیو شنکر جو عام طور پر سبھی گاتے ہیں، اس

کا کیا حکم ہے؟

''نمسکار، باپا سیتا رام'' کہنے کا حکم

۳ آج کل کاروبار میں نمسکار باپا سیتا رام یا اس کے علاوہ بھی دوسرے کفریہ جملے بولتے ہیں، اس کا کیا مسئلہ ہے؟ کیا ان سب کلمات کے بولنے سے نکاح ٹوٹے گا؟ اور ایمان جاتا رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

۱ لفظ ''رب'' کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے تربیت وپرورش کرنے والے کے ہیں، اور تربیت اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کے تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے درجہ بدرجہ آگے بڑھایا جائے؛ یہاں تک کہ وہ حدکمال کو پہنچ جائے، یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے مخصوص ہے، کسی مخلوق کو بدون اضافت کے رب کہنا جائز نہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۸۰)

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے جو اسماءِ حسنیٰ منقول ہیں، ان میں ایک ''رب'' بھی ہے۔ (سنن ابن ماجہ ۲۷۵)

مطلب کہ ''رب'' اللہ کا پاکیزہ نام ہے، آپ کے سوال میں جو دریافت کیا گیا ہے، اس کے مطابق فلمی گانے میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو اس طرح استعمال کیا گیا کہ فلم میں کام کرنے والا ہیرو عاشق کی حیثیت سے اس میں کام کرنے والی ہیروئن کو معشوقہ کی حیثیت سے مخاطب کر کے یہ اشعار بول رہا ہے ''تجھ میں رب دکھتا ہے یارا میں کیا کروں، سجدے سر جھکتا ہے یارا میں کیا کروں''۔

یوں بھی فلم میں گانے کے ضمن میں اللہ کے پاک نام کو استعمال کرنا اور وہ بھی ایسے منظر میں جو عشقیہ تعلقات کو اجاگر کرنے والا اور شہوات سے پُر ہو یہ اللہ کے پاک نام کی اہانت اور استخفاف ہے، جو شرعی اعتبار سے ایمان سوز ہے۔

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

يكفر إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به، أو سخر بإسم من أسماءه أو بأمر من أوامره. (عالمگیری ۲/۲۵۸)

إذا قرأ القرآن على ضرب الدف والقصب فقد كفر. (عالمگیری ۲/ ۲۶۷)

من قال لغيره: قل هو الله أحد راپوست باز كردى، أو قال ألم نشرح را كريبان كرفته، أو قال لمن يقرأ يٰس عند المريض يس دردهان مرده منه، أو قال لغيره اى كوتاه تر از إنا اعطيناك الكوثر، أو قال لمن يقرأ القرآن ولا يتذكر كلمة والتفت الساق بالساق، أو ملأ قدحا و جاء به وقال كأسا دهاقا، أو قال فكانت سرابا بطريق المزاح، أو قال عند الكيل والوزن وإذا كالوهم أو وزنوهم يخسرون بطريق المزاح، أو قال لغيره دستار ألم نشرح بستهٔ يعنى أبديت العلم، أو جمع أهل موضع وقال فجمعنا هم جمعا أو قال وحشرناهم فلم نغادر منهم أحداً، أو قال لغيره كيف تقرأ والنازعات نزعا بنصب العين أو برفعها وأراد به الطنز، أو قال لرجل أقرع أشتمك فإن الله تعالىٰ قال كلا بل ران، أودعى إلى الصلاة بالجماعة فقال أنا أصلى وحدى إن الله تعالىٰ قال إن الصلاة تنهى، أو قال لغيره تفشيله يجوز، فإن التفشيل يذهب بالريح قال الله تعالىٰ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم كفر في هذه الصور كلها. (عالمگیری۲ /۲۶۷)

اب سوال یہ ہے کہ اس طرح گانا گانے سے وہ گانے والا ایمان سے نکل جائے گا

یا نہیں؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر گانے والا یہ جانتا ہے کہ یہ کفریہ عمل ہے، اس کے باوجود اسے گا رہا ہے چاہے لہو ولعب یا مزاح کے طور پر گا رہا ہو یا واقعی طور پر گا رہا ہو دونوں صورتوں میں وہ ایمان سے نکل جاتا ہے، اور اگر جبر و اکراہ کی وجہ سے یا بطور خطاء گا رہا ہے تو ایمان سے نہیں نکلے گا، اور اگر اپنی جہالت کی وجہ سے اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ کفریہ عمل ہے اور اختیاری طور پر گا رہا ہے تو اس کے کافر ہونے میں اختلاف ہے۔

ثم قال في البحر: والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل، ولا اعتبار باعتقاده كما صرح به في الخانية و من تكلم بها مخطئا أو مكرها لا يكفر عند الكل، ومن تكلم بها عامدا عالما كفر عند الكل، ومن تكلم بها اختياراً جاهلاً بأنها كفر ففيه اختلاف. اهـ (شامی۳/۳۱۲)

''مالابد منہ'' میں ہے: اگر جاہلے کلمۂ کفر گفت ونمی داند کہ ایں کلمۂ کفر است بعضے علماء گفتہ اند کہ کافر نہ شود، وجہل عذر است، وبعضے گفتہ کافر شود وجہل عذر نیست۔

(مالابد منہ ۱۵۳، ۱۵۴)

یعنی اگر کوئی جاہل کلمۂ کفر بولے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ کلمۂ کفر ہے تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا، اور جہالت عذر ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ کافر ہوجائے گا جہالت عذر نہیں۔

اس لیے جن صورتوں میں سب کے کہنے کے مطابق کافر ہوجاتا ہے اور اس کے کفر میں اختلاف نہیں ان تمام صورتوں میں اس کے سارے اعمال باطل ہوجاتے ہیں، نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ توبہ کرے، دوبارہ کلمہ پڑھ کر ایمان میں داخل ہو اور نکاح بھی از سر نو پڑھے، اور جن صورتوں میں اس کے کفر میں اختلاف ہے

ان صورتوں میں اس کو چاہیے کہ توبہ واستغفار کر کے تجدید نکاح کرلے۔

أن ما يكون كفر اتفاقا يبطل العمل والنكاح، ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح. (شامی ۳/ ۳۱۶)

② سوال میں مذکور معبودان باطل کا نام لینا گناہ ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

③ یہ غیروں کے یہاں بوقت ملاقات کہے جانے والے کلمات ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے۔ ''مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است''۔ (مالا بدمنہ: ۱۱۴) لیکن اس کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: ایمان سوز گانوں کے سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب کتابچہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے، اس کا مطالعہ کریں۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

''نماز میں رام رام کرنا'' کہنے کا حکم

سوال: ایک مرد نے اپنی عورت کے ساتھ جھگڑا کیا اور کچھ دیر کے بعد اس نے اپنے لڑکے کو مارا اور مارنے کے بعد کہا کہ نماز کے لیے جا، اب لڑکے کی والدہ کو والد پر غصہ آیا اور غصہ میں آکر کہا کہ ''جا نماز میں رام رام کرنا'' تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر اس کہنے والے کا مطلب ''رام رام کرنا'' سے یہ ہو کہ یادِ خدا میں مشغول ہونا تو اس سے کفر لازم نہیں آیا لیکن اس قسم کا توہم والا جملہ استعمال کرنے سے احتیاط

لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ذوی القعدہ ۷؍۱۴۰۰ھ

”منافقانہ حرکتیں“ کہنے سے منافق کہنا لازم نہیں آتا

سوال: ایک اجتماع میں کچھ جماعتیں روانہ ہوئیں، ترتیب دے کر روانہ کرنے والے جو اصل دو ذمہ دار تھے، انھوں نے زید کو (جو اصل میں ذمہ دار نہیں ہے) ساتھ لیا اور ان سے (زید سے) جماعتوں کی ترتیب کا پورا کام کروایا، ۱۰، ۱۱ جماعتیں بنائی تمام جماعتوں کی ترتیب زید نے دی، اصل ذمہ دار متفق، ان تمام جماعت کے ساتھیوں کے علاوہ ایک اور ساتھی کو چلہ (۴۰ / چالیس دن) کے لیے ان جماعتوں کے رخ کے علاوہ رخ پر یعنی دہلی روانہ کیا، روانہ کرنے سے قبل اس ساتھی کے سلسلہ میں اصل ذمہ دار اور ایک دو کام کرنے والے ساتھیوں سے زید نے رائے لی، متفرق رائے آئی، ایک رائے دہلی کے لیے بھی تھی، زید نے اس کے بعد بغیر اور کوئی مذاکرہ کسی سے کئے اخیر دو ساتھی کو دہلی روانہ کر دئے، گویا جیسے تمام جماعتوں کی ترتیب زید نے دی، اس ساتھی کو بھی ترتیب دے دی اور دہلی روانہ کر دیا، اس کے بعد چوں کہ بظاہر کچھ ساتھیوں کو اس ساتھی کا دہلی جانا درست معلوم نہ ہوا ہو؛ چناں چہ انھوں نے اس کے چرچے اور مذاکرے شروع کئے کہ اس ساتھی کا دہلی کے لیے روانہ ہونا مشورہ سے نہیں ہوا ہے، اور جس نے (زید نے) روانہ کیا ہے وہ (زید) اصل ذمہ دار نہیں ہے؛ چناں چہ اس کو حق نہیں تھا، بہر حال ان باتوں اور مذاکروں سے بظاہر ماحول میں غلط اثرات اور غلط فہمی وانتشار؛ نیز ایک دوسرے کی دل شکنی کا باعث ہونے کا خطرہ تھا؛ چناں چہ زید نے ان کی ان حرکتوں پر انہیں متنبہ کرنے ہی کے خیال سے کہا کہ آپ لوگوں کی یہ حرکتیں ہمارے ہی لیے نقصان دہ ہیں،

ہماری اس میں ترقی نہیں، یہ حرکتیں منافقانہ حرکتیں ہیں، یہ جملہ منافقانہ حرکتیں ان کو گراں گزرا، اور زید کو کہا کہ آپ جو چاہو کہو، ہمیں منافق کہہ لو، زید نے اسی وقت کہا کہ میرا منشاء ومقصد آپ کو منافق کہنا قطعی نہیں ہے، اور حقیقتاً خیال تک میں یہ نہیں ہے کہ آپ کو منافق کہوں یا کہا ہو۔

اب جواب طلب بات یہ ہے کہ کیا یہ جملہ ''منافقانہ حرکتیں ہیں یا منافقانہ چال ہے'' یہ جملہ کتنا بھاری ہے، غلط ہے؟ ان جملہ سے سامنے والے کو منافق کہا، یہ معنیٰ اور مطلب ہوسکتا ہے؟ اور یہی معنیٰ اور مطلب ہر حال میں نکلتا ہے تو زید کو کیا سزا ہوسکتی ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں گے، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید کا ان لوگوں کو تنبیہ کے طور پر یہ کہنا کہ تم لوگوں کی یہ حرکتیں (جن کے نتیجہ میں ماحول میں بدگمانیاں پھیلنے اور تبلیغی کار کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا) منافقانہ حرکتیں ہیں، اس سے ہرگز ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ زید نے ان کو منافق کہا، اس کا یہ مطلب نکالنا کہ ہمیں منافق کہا گیا اردو زبان ومحاورہ سے ناواقفیت پر مبنی ہونے کے ساتھ شرعی طور پر بھی درست نہیں ہے۔ حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، واذا وعد أخلف، واذا أؤتمن خان (بخاری شریف) یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب گفتگو کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے پورا نہ کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے۔ اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حدیث شریف میں ان چیزوں کو صرف علامت قرار دیا گیا ہے، علت نہیں فرمایا گیا جس سے معلول کا

تخلف نہیں ہوتا، اس بناپر بعض حضرات کا یہ اشکال کہ ایسے انسان کو منافق کہا جائے درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہاں صرف علامت فرمایا ہے، اور ضروری نہیں کہ جہاں علامت موجود ہو وہاں اصل شئ بھی پائی جائے؛ بلکہ علامتیں مشترک بھی ہوتی ہیں، نبض کی سرعت بخار کی علامت ہے، مگر کبھی قوتِ نفس کی بناء پر بھی ایسا ہوجاتا ہے............ اسی طرح یہاں ان چیزوں کو نفاق کی علامت بتلایا گیا ہے، یعنی ان سے نفاق کا اشتباہ ہوتا ہے، ایک مسلمان کو ان چیزوں سے احتراز لازم ہے الخ۔ (ایضاح البخاری ۴/ ۳۳۲)

حدیث پاک میں اور بھی نمونے موجود ہیں جس کی اس مختصر جواب میں گنجائش نہیں ہے۔ زید کے یہ جملے جو اس نے اپنے رفقاءِ کار سے کہے، مقامِ تنبیہ اور مقامِ محاسبہ پر کہے ہیں، ایک کامل مومن اپنے نفس کا محاسبہ شدت سے شروع کرتا ہے، تو اس کو اپنی ہر حرکت وسکون پر یہ شبہ گزرنے لگتا ہے کہ کہیں اس میں سرّ وعلانیہ کا کوئی ادنیٰ سا اختلاف تو نہیں ہے، اس لیے وہ اپنی ظاہری وباطنی صلاح وفلاح پر کبھی مغرور نہیں ہوتا، وہ ہر ہر عمل میں اپنے نفس کو ہمیشہ متہم کرتا رہتا ہے، آخر اس سعی میں اس کی عمر تمام ہوجاتی ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا: ما مضی مؤمن قط ولا یبقی الا وھو من النفاق غیر آمن، وما مضی منافق قط ولا یبقی الا وھو من النفاق آمن: کوئی مومن جو پہلے گزر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جس کے دل میں اپنے نفس کے متعلق نفاق کا خطرہ نہ گزرتا ہو، اور کوئی منافق جو گزر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جو نفاق سے بے خطر نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو اپنے نفس کے متعلق ہمیشہ نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو یہ خطرہ نفاقِ اصغر سے تھا۔ صحیح بخاری میں

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ تیس صحابہ سے میری ملاقات ہوئی، سب کو اپنے نفس پر نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا، ان میں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ ہمارا ایمان حضرت جبرئیل علیہ السلام ومکائیل علیہ السلام کے ایمانوں کی طرح خطرۂ نفاق سے مامون ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا جس شخص کو اپنے متعلق نفاق کا خطرہ بھی نہ گزرتا ہو اس کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ انھوں نے تعجب سے فرمایا ایسا کون مومن ہوسکتا ہے جس کو اپنے متعلق یہ خطرہ بھی نہ آتا ہو۔ (ترجمان السنۃ ۲/ ۴۶۲ بحذف واختصار ۲/ ۴۱۵، دارالاشاعت کراچی)

اس لیے تمام رفقائے کار بشمولیتِ زید کو چاہیے کہ ہر شخص اپنے اپنے افعال کا محاسبہ کرے، اور ایسی تمام باتیں جو اس کام کو اور اپنی آخرت کو نقصان پہونچانے والی ہوں، ان سے توبہ کرتے ہوئے آئندہ کے لیے مکمل احتراز کریں، اور اس قسم کی شیطانی ریشہ دوانیوں سے اپنے کو بچائیں، اور محبت والفت، عفو ودرگزر سے کام لیتے ہوئے متحد ہو کر کام کو آگے بڑھائیں، بہتر یہ ہے کہ فریقین ایک دوسرے سے حقوق معاف کرا کر نئے عزم وہمت سے کام میں لگ جائیں، اور اپنے قلوب کو اس قسم کی کدورتوں سے پاک صاف فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبر پر سجدہ وبوسہ

سوال: مزاروں پر سجدہ کرنا یا بوسہ لینا کیسا ہے؟ جبکہ مزاروں پر ناک، پیشانی ٹیک لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سجدہ نہیں ہوا، ہم نے سجدہ کے ارکان کو مکمل نہ کیا ہے، اس لیے

سجدہ نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبر پر سجدہ اور اس کا بوسہ بنیتِ عبادت وتعظیم کفر ہے، اور بلا نیتِ عبادت گناہِ کبیرہ ہے۔ شامی میں ہے:

(قوله إن على وجه العبادة أو التعظيم كفر الخ) تلفيق لقولين، قال الزيلعي: وذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود؛ لأنه يريد به التحية، وقال شمس الائمة السرخسي: إن كان لغير الله تعالىٰ على وجه التعظيم كفر اھ قال القهستاني: وفي الظهيرية يكفر بالسجدة مطلقاً وفي الزاهدي: الايماء في السلام إلى قريب الركوع كالسجود الخ (۵/۲۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرے سے مدد لینا شرک نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ اللہ کے ماسوا سے مدد لینا جیسا کہ عراق کے حملہ کا خدشہ سعودی کو، وہ امریکہ سے اپنے دفاع کے لیے مدد لیتا ہے، اور کسی سے خیرات اور بھیک مانگنا وغیرہ وغیرہ: غیر اللہ سے مانگنا ہوا، کیا یہ شرک نہیں ہے؟ کیا اس کے بارے میں پرسش ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مادی اسباب کے ماتحت ہر انسان دوسرے انسان سے جو مدد لیتا ہے، یہ شرک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ اسبابِ مادیہ میں ہر آدمی دوسرے سے

مدد مانگنے پر مجبور ہے، درزی کی مدد کے بغیر آپ اپنا ستر نہیں چھپا سکتے، معمار کی مدد کے بغیر اپنا مکان تیار نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

”اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زنا کروایا“ کہنا کفر ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص (زید) نے یہ کہا کہ ”حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے زنا اور جن صحابی رضی اللہ عنہ سے چوری کا فعل سرزد ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زنا کرنے والے کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، اور چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، یہ کام صحابی رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ نے سرزد کروایا، زید کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے زنا اور چوری کا گناہ سرزد کروایا، اس کلمہ کو سن کر بکر نے کہا کہ یہ الفاظ کفر کے ہیں آپ کلمہ پڑھئے اور استغفار کیجئے، زید نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور فوراً کلمۂ طیبہ پڑھا اور استغفار کیا۔

① کیا ان الفاظ کو کہنے سے زید کافر ہو گیا؟

② کیا زید کے کلمہ طیبہ پڑھ کر استغفار کرنے سے کفر زائل ہو گیا؟

③ اگر زید کے مندرجۂ بالا الفاظ پر کفر ہوتا ہے تو کیا نکاح بھی ٹوٹ گیا؟

④ اگر نکاح ٹوٹ گیا تو یہ طلاق بائن ہے یا طلاق مغلظہ؟

⑤ اگر طلاق بائن ہو تو باہم رضامندی زوجین سے تجدید نکاح کرنا ہوگا یا نہیں؟

⑥ اگر طلاق مغلظہ واقع ہوئی تو کیا حلالہ کرنا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید ان الفاظ کے کہنے سے کافر نہیں ہوا، اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جو

کچھ ہوتا ہے من جانب اللہ ہوتا ہے؛ بلکہ اگر بکر کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو اس کو اپنے ایمان کی خبر لینی چاہیے، عبارات ذیل پر غور کیجئے:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِيْ لأَزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِيْ الأَرْض﴾ (الحجر ٣٩) وفي نسبة الإغواء إليه تعالىٰ بلا انكارٍ منه سبحانه قول بأن الشر كالخير من الله عز وجل (تفسير روح المعاني) واسناد الإضلال إليه تعالىٰ حقيقي وقد تقدم وجهه فلا التفات إلى ما في الكشاف لأنه نزغة اعتزالية.(روح المعاني، البقرة: يضل به كثيراً ويهدى به كثيراً ١/ ٢١٠) وهي أي افعال العباد كلها أي جميعها من خيرها وشرها وإن كانت مكاسبهم بمشيئته أي بإرادته وعلمه أي بتعلق علمه وقضائه وقدره أي على وفق حكمه وطبق قدر تقديره فهو مريد لما يسميه شرا من كفر ومعصية كما هو مريد للخير من إيمان وطاعة والطاعات كلها أي جنسها بجميع افرادها الشامل لواجبها وندبها ماكانت أي قليلة أو كثيرة واجبة، أي ثابتة بأمر الله تعالىٰ أي بإقامتها في الجملة، حيث قال الله تعالىٰ ﴿واطيعوا الله واطيعوا الرسول﴾ وبمحبته أي لقوله تعالىٰ في حق المؤمنين: ﴿رضى الله عنهم ورضوا عنه﴾ وعلمه أي لتعلق علمه سابقا في عالم الشهود وتحققه لاحقاً في عالم الوجود، ومشيئته أي بإرادته وقضائه أي حكمه وتقديره أي بمقدار قدره أولاً، وكتبه في اللوح المحفوظ وحرره ثانياً، وأظهره في عالم الكون وقرره ثالثاً، ثم يجزيه جزاءاً وافياً في عالم العقبىٰ رابعاً، والمعاصي كلها أي صغيرها وكبيرها بعلمه وقضائه وتقديره ومشيئته إذ لو لم يردها لما وقعت، لا بمحبته أي لقوله تعالىٰ ﴿فان الله لا يحب الكافرين﴾ ﴿والله لا يحب الظالمين﴾ ولا برضائه أي لقوله تعالىٰ ولا يرضى لعباده الكفر، ولأن الكفر يوجب

المقت الذي هو اشد الغضب وهوينافي رضی الرب المتعلق بالإيمان وحسن الأدب، ولا بأمره أي لقوله تعالیٰ ﴿ان الله لا يأمر بالفحشاء﴾ وقوله تعالیٰ ﴿إن الله يأمر بالعدل والاحسان وايتاء ذی القربیٰ وينهی عن الفحشاء والمنكر والبغی﴾ والنهي ضد الأمر، فلا يتصور أن يكون الكفر بالأمر. وهذا القول هو المعروف عن السلف وقد اتفقوا علی جواز اسناد الكل إليه سبحانه جملة، فيقال جميع الكائنات مرادة لله تعالیٰ، ومنهم من منع التفصيل فقال: لا يقال إنه يريد الكفر والظلم والفسق لإيهامه الكفر ولرعاية الأدب معه سبحانه كما يقال خلق الاشياء، ولا يقال خالق القاذورات. (شرح فقه اكبر ملا علی قاری ۵۱ مطبوعه مصر)

اگر یکے بجائے کسے بدی کند واو گوید من این بدی از تو دانم نہ از حکم خدائے، کافر گردد۔ (فتاویٰ عالمگیری ۲/ ۲۸۲)

نوٹ: یہ مسئلہ بھی مسئلۂ تقدیر کے مباحث کا ایک حصہ ہے اوراس میں بحث ونزاع سے حدیث پاک میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ "إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الأمر عزمت عليكم عزمت عليكم أن لا تنازعوا فيه" رواه الترمذي (مشکوۃ ۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ جمادی الاخری ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

"خدا گواہ" گانا گانے میں کفر کا شبہ

سوال: ابھی ابھی عام طور پر لوگوں کی زبان پر ایک گانا جاری ہے، جس کا عنوان ہے "خدا گواہ" اس گانے کی شروع کی کڑی اس طرح ہے:

''میں تجھے قبول تو مجھے قبول، اس بات کا خدا گواہ، خدا گواہ،
میں تیرے نام کا کلمہ پڑھوں''

غرض کہ اس گانے میں شاعر نے معشوقہ کے ساتھ اپنے عشق کو والہانہ انداز میں بیان کیا ہے، اور مختلف طریقہ سے اس کا اظہار کیا اور اپنی ہر بات پر خدا کو گواہ بنایا ہے، تو کیا اس طرح ایک گناہ کے کام کو فخریہ انداز میں بیان کرنا اور مزید ظلم یہ کہ اس پر خدا کو گواہ بنانا کیا کفر نہیں ہے؟ اور اگر کفر ہے تو جو لوگ اس گانے کو ارادۃً وشوقاً ورغبۃً سنتے ہیں، اور اتنا ہی نہیں؛ بلکہ بڑے شوق سے اور مزے لے لے کر اسے پڑھتے بھی ہیں تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا ''رضا بالکفر کفر'' کے تحت ان پر بھی کفر کا حکم لگایا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی معاملہ کے وقوع پذیر ہوتے وقت یا دو فریق کے درمیان پیش آنے والے حالات کے وقت جو وہاں موجود ہو، اور اس معاملہ یا حالات کا مشاہدہ کرے اس کو شاہد یا گواہ کہا جاتا ہے، دنیا میں جو کچھ پیش آرہا ہے چاہے وہ اچھا ہو یا برا سب اللہ تعالیٰ کے علم اور مشاہدہ میں ہے۔

لقوله تعالیٰ ﴿ويعلم ما في البر والبحر وما تسقط من ورقة إلا يعلمها ولا حبة في ظلمٰت الأرض ولا رطب ولا يابس إلا في كتاب مبين﴾ (الانعام:۵۹) ﴿الم تر أن الله يعلم ما في السمٰوٰت ومافى الارض ما يكون من نجوى ثلثة إلا هو رابعهم ولا خمسة إلا هو ساد سهم ولا ادنى من ذلك ولا اكثر إلا هو معهم اين ماكانوا ثم ينبئهم بما عملوا يوم القيامة ان الله

بکل شیء علیم﴾ (المجادلة:۷)

دوسری بات یہ یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ معشوقہ کوئی اجنبیہ عورت ہی ہو، آدمی کو اپنی بیوی سے عشقیہ تعلق ہوتا ہے، اس اعتبار سے بیوی بھی اس کی معشوقہ کہی جاسکتی ہے، اسی تناظر میں شاعر کی بات دیکھیں گے تو کفر لازم نہیں آتا، اور جب یہ کفر نہیں ہوا تو رضا بالکفر کی وجہ سے کفر لازم ہونے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا؛ البتہ فلمی گانوں میں ان جملوں کا استعمال سوء ادب اور موجب اثم ہے جس سے احتراز ہر مومن کے لیے لازم اور ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

خطیب کا مندرو چرچ کی حفاظت کی دعا کرنا

سوال: ایک عیدگاہ کے خطیب اور امام نے عید الفطر کے موقع پر نماز سے قبل حالاتِ حاضرہ اور ملک میں درپیش دہشت گردانہ کارروائیوں کے پس منظر میں تفصیلی گفتگو کی، اور اس بات کو واضح کیا کہ بم بلاسٹ کسی بھی مذہبی مقام پر ہوتا ہے تو گرفتاریاں مسلمانوں کی ہی ہوتی ہیں، اور تمام تر الزامات مسلم قوم کے سر تھوپے جاتے ہیں وغیرہ؛ فی الحال خواجہ اجمیری کی درگاہ پر بم بلاسٹ ہوا ہے اس میں بھی گرفتاریاں مسلمانوں کی ہی ہوگی، ان باتوں کا اظہار کیا، بیان کے بعد نماز ہوئی، پھر مسلمانوں کی ابتری اور ملک میں امن وامان قائم ہو اس کے لیے دعا کی گئی، دورانِ دعا امام صاحب کی زبان سے یہ جملے نکلے ”اے اللہ اس ملک کی اور ملک میں رہنے والوں کی مسجدوں کی، مندروں کی، چرچوں کی اور خانقاہوں کی حفاظت فرما“۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا جملہ دوران دعا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟ کیا یہ حکم آمین کہنے والوں پر بھی عائد ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دعا ایک مستقل عبادت ہے، ارشاد نبوی ہے: "الدعاء هو العبادة" (مشکوۃ: ۱۹٤)

بلکہ عبادت کا مغز ہے، ارشاد نبوی ہے: "الدعاء مُخُّ العبادة" (مشکوۃ ۱۹٤)

قرآن وحدیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے، اور دعا مانگنے کا طریقہ اس کے آداب اور اس کے حدود وقیود؛ نیز مقامات اجابت اور اوقات اجابت وغیرہ کی طرف بھی قرآن اور حدیث میں رہنمائی کی گئی ہے۔ قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفية انه لا يحب المعتدين﴾ (الاعراف: ۵۵) حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی توضیح وتشریح فرماتے ہوئے بیان القرآن میں رقم طراز ہیں: "تم لوگ (ہر حالت اور ہر حاجت میں) اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو، تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی (البتہ یہ بات) واقعی (ہے کہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد (ادب) سے نکل جاوے (مثلاً محالات عقلیہ یا محالات شرعیہ یا مستبعدات عادیہ یا معاصی یا بے کار چیزیں مانگنے لگیں الخ)"۔ (بیان القرآن ۴/ ۱۹)

اس لیے ہر دعا مانگنے والے کے لیے ضروری ہے کہ دعا کے لیے شریعت مطہرہ نے جن آداب کا لحاظ کرنے کی تاکید کی ہے یا جن حدود وقیود کی رعایت ضروری قرار دی ہے ان کا لحاظ اور پاس کرے، ورنہ یہ بھی قرآن کی رو سے اعتداء یعنی دعا کے لیے مقرر کی گئی حد سے تجاوز شمار ہوگا۔

توحید اسلام کے بنیادی عقائد اور بنیادی تعلیمات میں سے ہے، اور شرک وبت پرستی

قرآن وحدیث کی رو سے ایسا شدید گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں، ﴿ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء﴾ مندر (بت خانہ) یہ بت پرستی کے لیے بنائی گئی مخصوص جگہ ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کرنے کے بعد خانۂ کعبہ میں جو بت تھے ان کو اپنے دستِ مبارک سے دور اور ختم کیا، اور یہ منادی کرائی کہ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یدع فی بیته صنما (جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت باقی نہ چھوڑے) جب مکہ مکرمہ بتوں سے پاک ہوگیا، تو اس کے اطراف واکناف میں بتوں کو منہدم کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی جماعتیں روانہ فرمائی؛ چناں چہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزّیٰ کے منہدم کرنے کے لیے مقامِ نخلہ کی طرف اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو صواع کے منہدم کرنے کے لیے اور حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو منات کے منہدم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ (ماخوذ از سیرۃ المصطفیٰ)

بخاری شریف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب المغازی" میں "باب غزوة ذی الخلصة" کے تحت حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت تین طریقوں سے پیش فرمائی اور تینوں طرق میں یہ صراحت موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: "ألا تریحنی من ذی الخصلة" اے جریر! کیا آپ مجھے ذی الخلصہ نامی بت خانہ (کو منہدم کر کے اس) سے راحت نہیں پہنچائیں گے؟ (بخاری ۲/۶۲۴) اس جملہ کی شرح میں قسطلانی کے حوالہ سے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ: اللہ کے ساتھ شرک اور غیر اللہ کی عبادت کے وجود سے زیادہ تکلیف دہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کے لیے اور کوئی نہیں تھی، اور اس بت خانہ کے انہدام سے گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قلبی سکون حاصل ہوگا۔ (حاشیۂ بخاری)

ظاہر ہے اس کی حفاظت کے لیے دعا کرنا شرعاً کیسے پسندیدہ اور گوارا ہوگا؟ اس لیے یقیناً دعاء میں کہے گئے الفاظ (جو سوال میں مذکور ہیں) شریعت کی طرف سے دعا کے واسطے مقرر کئے گئے آداب وحدود سے تجاوز کی وجہ سے ﴿انه لا یحب المعتدین﴾ میں داخل ہیں، امام صاحب کو اپنی اس غلطی کا اعتراف کرکے اظہار ندامت کرنا چاہیے، اور آئندہ اس طرح کے موہم الفاظ وکلمات کے استعمال سے احتراز ضروری ہے۔

دعا کے ان الفاظ کی وجہ سے خطیب صاحب نعوذ باللہ کافر نہیں ہوئے، اور آمین کہنے والوں پر بھی کفر کا حکم جاری نہیں ہوگا، علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفة أصحاب الجحیم'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وتارة بأن یسأل علی الوجه الذی لا یحبه الله کما قال سبحانه: ﴿ادعوا ربکم تضرعا وخفیة إنه لا یحب المعتدین﴾(الاعراف:۵۵) فهو سبحانه انه لا یحب المعتدین فی صفة الدعاء، ولا فی المسئول وإن کانت حاجتهم قد تقضی کأقوام ناجوا الله فی دعواتهم بمناجاة فیها جرأة علی الله واعتداء لحدوده واعطوا طلبتهم فتنة ولما یشاء الله سبحانه بل أشد من ذلك کذلك أنواع من الداعین والسائلین قد یدعون دعاء محرما یحمل لهم معه ذلك الغرض ویورثهم ضررا اعظم منه، وقد یکون الدعاء مکروها ویستجاب له ایضا، ثم هذا التحریم والکراهة قد یعلمه الداعی وقد لا یعلمه علی وجه لا یعذر فیه لتقصیره فی طلب العلم أو ترکه للحق، وقد لا یعلمه علی وجه یعذر فیه بأن یکون فیه مجتهدا أو مقلدا کالمقلد أو المجتهد اللذان یعذران فی سائر الاعمال وغیر المعذور قد یتجاوز الله عنه فی ذلك الدعاء لکثرة حسناته من صدق قصده أو لمحض رحمة الله

به أو نحو ذلك من الأسباب.

فالحاصل: أن مايقع من الدعاء المشتمل على كراهة شرعية بمنزلة سائر انواع العبادات، وقد علم أن العبادة المشتملة على وصف مكروه قد تغفر تلك الكراهة لصاحبها لاجتهاده أو تقليده أو حسناته أو غير ذلك(۳۲۰،۳۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

کیا چھ کونے والا اسٹار یہود کا شعار ہے؟

سوال: آج کل مساجد میں عام طور پر چھ کونے والے اسٹار (☆) والی ٹوپیاں نمازیوں کے لیے رکھی رہتی ہیں، اون اور دھاگے سے بنی ہوئی، بعض ٹوپیوں میں بھی ایسا اسٹار ہوتا ہے، کہنے کی ضرورت نہیں کہ چھ کونے والا اسٹار یہود کا شعار ہے، کیا ایسی ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھنے میں یا عام اوقات میں ایسی ٹوپیاں پہننے میں شرعی نقطۂ نظر سے کوئی حرج یا قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس قسم کے مسائل کی بنیاد حدیث تشبہ (من تشبه بقوم فهو منه) ہے، آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے حدیث تشبہ کی تشریح و وضاحت سے متعلق اکابر کا کلام پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں آپ کے سوال کا حل پیش کیا جاسکے، محدث کبیر صاحب اعلاء السنن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حدیث تشبہ کی تشریح فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: تشبہ بالکفار کی چند صورتیں ہیں۔

① فطری امور میں مشابہت: مثلاً کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، سونا، لیٹنا، صفائی رکھنا وغیرہ یہ مشابہت حرام نہیں۔

قال فی الدر: فان التشبه بهم لا یکره فی کل شیء بل فی المذموم وفیمایقصد به التشبه کما فی البحراھ قال الشامی تحت قوله لا یکره فی کل شیء فانانأکل ونشرب کمایفعلون.اھ (۱/۶۵۲)

② عادات میں مشابہت: مثلاً جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں اسی ہیئت سے کھانا یا لباس ان کی وضع پر پہننا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہماری کوئی خاص وضع پہلے سے ہو اور کفار نے بھی اس کو اختیار کرلیا ہو خواہ ہمارا اتباع کر کے یا ویسے ہی، اس صورت میں یہ مشابہت اتفاقیہ ہے اور اگر ہماری وضع پہلے سے جدا ہو اور اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں یہ ناجائز ہے، اگر ان کی مشابہت کا قصد بھی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے، اور اگر مشابہت کا قصد نہیں ہے بلکہ اس لباس اور وضع کو کسی اور مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے، تو اس صورت میں تشبہ کا گناہ نہ ہوگا مگر چوں کہ تشبہ کی صورت ہے؛ اس لیے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

قال هشام: رأیت علی ابی یوسف نعلین مخسوفین بمسامیر، فقلت أتری بهذا الحدید بأسا؟ قال: لا، قلت: فسفیان وثور بن یزید کرها ذلك لان فیه تشبها بالرهبان، فقال: إن رسول الله ﷺ کان یلبس النعال التی لها شعر وأنها من لباس الرهبان فقد أشار إلی أن صورة المشابهة فیما تعلق به صلاح العباد لا یضر، فان الارض مما لا یمکن قطع المسافة البعیدة فیها الا بهذا النوع اھ قلت وفعله علیه السلام محمول علی بیان الجواز اذا کان بدون القصد .

مگر چوں کہ آج کل عوام جواز کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں ان کا قصد تشبہ ہی کا ہوتا ہے؛ اس لیے اکثر احتیاط کے لیے عادات میں بھی تشبہ سے منع کیا جاتا ہے خواہ تشبہ کا قصد ہو یا نہ ہو۔

(۳) ان امور میں تشبہ جو کفار کا مذہبی شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہے۔ جیسے زنّار وغیرہ پہننا، یا مجوس کی خاص ٹوپی جوان کے مذہب کا شعار ہے اس میں تشبہ حرام ہے بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے، عالمگیری وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ (امداد الاحکام ۱/ ۱۹۴)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لباس سے متعلق اصول بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں ''چھٹا اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تشبہ بالکفار نہ ہو۔ تشبہ بالکفار کا مطلب یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کر کے ایسا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ (تقریر ترمذی ۲/۳۳۱)

آگے فرماتے ہیں: جہاں تک کوٹ پتلون پہننے کا تعلق ہے تو چوں کہ اب دنیا بھر میں اس کا رواج اور شیوع اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ اب اس میں تشبہ کی شان مغلوب ہوگئی ہے؛ اس لیے تشبہ کی وجہ سے کوٹ پتلون کو حرام کہنا ممکن نظر نہیں آتا؛ البتہ شریعت نے لباس کے جو اصول بیان فرمائے ہیں ان کا پایا جانا ضروری ہے۔ الخ۔

آگے فرماتے ہیں: ''جہاں تک ٹائی کا تعلق ہے اس کے بارے میں ہمارے طبقے میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ ٹائی درحقیقت صلیب تھی، عیسائی لوگ صلیب لٹکایا کرتے تھے، اب ٹائی کو صلیب کا متبادل بنالیا گیا ہے لیکن مجھے کافی تلاش کے بعد اب تک اس بات کی دلیل اور اس کا کوئی ماخذ نہیں ملا۔ لباس کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ہر لباس کی تاریخ لکھی ہوئی ہے کہ اس لباس کی ابتداء کہاں سے ہوئی، اس میں بھی

ٹائی کے بارے میں کوئی مضمون اب تک نظر نہیں آیا؛ اس لیے جب تک اس کی حقیقت معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کو نصاریٰ کا شعار قرار دیکر حرام قرار دینے سے میں توقف لسانی کرتا ہوں''۔ (تقریر ترمذی ۲/ ۳۳۲)

شمائل ترمذی میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انگوٹھی پہننے کی کیفیت بیان کرنے کے لیے ایک مستقل باب قائم کیا ہے، اس کی تشریح کرتے ہوئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں ''یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ انگوٹھی کون سے ہاتھ میں پہننا افضل ہے، خود علمائے حنفیہ میں بھی اختلاف ہے بعض نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے، اور بعض نے دونوں کو مساوی بتایا ہے، شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی دو قول لکھے ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کا ایک قول دائیں ہاتھ کا افضل ہونے کا لکھا ہے لیکن مذہب کے لحاظ سے راجح وہی قول ہے جو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں میں بلا کراہت جائز ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ مالکیہ نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے؛ الغرض احادیث سے بھی دونوں فعل ثابت ہے۔ اور علماء بھی ترجیح کے اعتبار سے دونوں طرف گئے ہیں، درمختار میں قہستانی سے نقل کیا ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا پہننا روافض کا شعار ہو گیا ہے؛ اس لیے اس سے احتراز واجب ہے، صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اس زمانہ میں روافض کا شعار ہو، اب نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے ''الکوکب الدری'' میں نقل کیا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی چوں کہ روافض کا شعار ہے؛ اس لیے مکروہ ہے، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بذل المجہود میں یہی تحریر فرمایا ہے، اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ روافض کے کفر میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن ان کے فاسق ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور

فساق کے ساتھ تشبہ سے بھی احتراز ضروری ہے۔ (خصائل نبوی:۵۸،۵۹)

فتاوی محمودیہ سے بھی چند سوال وجواب اس غرض سے نقل کیے جارہے ہیں کہ تشبہ کی حقیقت واضح اور صاف ہوجائے:

سوال: کسی ملازمت میں ترقی کا انحصار ٹائی باندھنے پر ہوتو ایسی صورت میں ٹائی باندھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: ٹائی ایک وقت میں نصاری کا شعار تھا اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا، اب غیر نصاری بھی بکثرت اسے استعمال کرتے ہیں، بہت سے صوم وصلوۃ کے پابند مسلمان بھی استعمال کرتے ہیں، اب اس کے حکم میں تخفیف ہے اس کو شرک یا حرام نہیں کہا جائے گا، کراہیت سے اب بھی خالی نہیں، کہیں کراہیت شدید ہوگی کہیں ہلکی۔ جہاں اس کا استعمال عام ہوجائے وہاں اس کے منع پر زور نہیں دیا جائے گا۔ (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۴۰۷،۴۰۸)

سوال: تشبہ لباس وغیرہ کے بارے میں مندرجہ ذیل استفسارات ہیں:

① عورتوں کے لیے پانچادار پائجامہ اور ساڑی جائز ہے یانہیں؟ اور موٹی ساڑی پہن کر نماز ہوجاتی ہے یانہیں؟

③ کوٹ اور پتلون پہننے والوں اور سر پر انگریزی بال رکھنے والوں کے حق میں اب اس حدیث کا اطلاق ہوتا ہے یانہیں؟ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کریگا اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا۔

الجواب: ① جہاں یہ کفار یا فساق کا شعار ہے وہاں ناجائز ہے، جہاں عام ہے ان کا شعار نہیں وہاں جائز ہے، پھر اگر پردہ پورا ہوتو اس سے نماز بھی درست ہے۔

③ اب اس میں اتنا تشدد نہیں، اتنا ضرور ہے کہ ان اطراف میں یہ صلحاء کا لباس

نہیں ہے اس سے بچنا چاہیے کراہت کا درجہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۷/ ۳۴۸،۳۴۹)

سوال: قمیص، پینٹ، کوٹ ان تینوں چیزوں کا پہننا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر ان کو پہن کر نماز ادا کریں تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ ان تینوں کا پہننا مطلقا مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کراہت ہے تو کس درجہ کی؟ مشابہت قوم سے کیا مراد ہے؟ اگر عام طور پر مسلم ہندو قمیص کو پہنتے ہیں، کسی قوم کا شعار باقی نہ رہا، پھر ان سے تو مشابہت باقی نہیں رہتی ہے، جیسے ساڑی صوبہ بہار میں ہندو اور مسلم عورتیں عام طور پر پہنتی ہیں، تو ایسی صورت میں ساڑی کا استعمال درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جہاں جو لباس کفار اور فساق کا شعار نہ ہو؛ بلکہ عام طور پر صلحاء اور فساق سبھی استعمال کرتے ہوں وہاں اس کو ممنوع نہیں کیا جائیگا، ہاں! لباس مسنون کو اس کے مقابلے میں افضل اور احسن کہا جائیگا، اور جہاں جس قدر شعاریت ہوگی اسی قدر کراہت ہوگی، اس کلیہ کے تحت اشیائے مسئولہ اور ان کے علاوہ بہت سی اشیاء کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

(فتاوی محمودیہ ۱۹/ ۴۳۸۔۴۳۹)

اکابر کی مندرجہ ذیل تحریرات کی روشنی میں عرض ہے کہ چھ کونے والا اسٹار یہود کا شعار ہے تو پہلا سوال یہ ہے کہ ان کا مذہبی شعار ہے یا قومی شعار ہے یا سیاسی شعار ہے؟ یہود کے ساتھ اسلام کا پالا پہلے روز سے ہے، اور ان کی بہت سی چیزوں کا تذکرہ احادیث اور بعد کے اکابر کی کتابوں میں ہے، لیکن جس طرح صلیب کے متعلق احادیث اور کتابوں میں تصریح ملتی ہے ایسی کوئی تصریح مذکورہ اسٹار کے متعلق میری نظر سے نہیں گذری، غالباً یہ دور حاضر کے یہود نے اپنی نشاۃ جدیدہ کے بعد اپنے لیے سیاسی نشان کے طور پر مقرر کیا ہے؛ نیز اس کا یہودی شعار ہونا ہماری مسلم بلکہ طبقۂ علماء کی اکثریت کو بھی معلوم نہیں۔

نیز اس کو وہ حضرات اپنے لباسوں میں اس انداز سے جو سوال میں مذکور ہے استعمال نہیں کرتے نیز ہمارے ہندوستان میں یہودیوں کی آبادی بھی کالعدم ہے؛ اس لیے اس طرح کا اسٹار بنی ہوئی ٹوپیاں پہننا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کہا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ سخت حکم لگانے کے لیے کم از کم میری طبیعت آمادہ نہیں دیگر علماء سے بھی آپ تحقیق فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۱۸/ ذی الحجہ ۲۴ ھ۱۴

عبادت، تجارت، معاشرت اور رہن سہن میں غیروں کی مذہبی علامات

(سوال): غیر مسلم قوموں نے اپنے مذہب کی علامات مقرر کرلی ہیں، مثلاً: صلیب اور اس کے ساتھ اور چیزیں، اسی طرح یہودیوں نے چھ کونے والا ستارہ اور اس کے ساتھ چیزیں، اسی طرح ہندوؤں نے بھی کیا ہے، مثلاً ساٹھیہ یا اس کے علاوہ اور وغیرہ وغیرہ، اب حال یہ ہے کہ ان علامات کو دنیا بھر میں ہر ایک چیز میں پھیلا دیا گیا ہے، مثلاً: مکانات کی تعمیرات، دروازے، کھڑکیوں، فرش، چھت، زیب وزینت، پھول بوٹے وغیرہ میں، اسی طرح چھپائی کے کام میں، مثلاً: کتابوں کے اندر کی بارڈر، پھول بوٹے، پیپر، کاغذ وغیرہ میں، اسی طرح پہننے کی ہر چیز میں مثلاً: ٹوپیاں، سوئیٹر، گلابندھ (ٹائی) اور کپڑوں کو کاٹ کر کپڑے کے ان ٹکڑوں سے ایسی ڈیزائین بناتے ہیں، ایسے ہی چمڑے کی چیزوں میں بھی، اسی طرح مصلّٰی، جائے نماز، چٹائیاں، کارپیٹ وغیرہ میں، چیزوں کی کانٹ چھانٹ اور ڈیزائن میں لوہے اور سیمینٹ، لکڑے وغیرہ کی جالیوں میں؛ حتی کہ

کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی ہے جس میں نہ ہوں، اور افسوس اس بات کا ہے کہ علمائے کرام کی طرف سے اس طرف وعظ ونصیحت میں سستی، کاہلی برتی جا رہی ہے، ایسی ڈیزائن کے بغیر کی چیزیں بازار میں دستیاب ہیں، مگر کبھی کبھی وہ مقابلۃً مہنگی ہوتی ہیں، جیسے کہ مذاہب کی پبلسٹی کرنے والے خسارہ برداشت کر کے بھی انہیں سستا بیچتے ہیں، پھر تاجر حضرات گاہکوں کی طرف سے دباؤ مانگ کے پیش نظر اوپر سے مال کا آرڈر منگواتے ہیں یا اسے بنواتے ہیں تو واعظین کی خاموشی پر یہاں بھی خاموشی رہتی ہے اور مسئلہ بڑھتا جاتا ہے۔

① مذکورہ حالات کے پیش نظر سوال یہ ہے کہ ایسی چیزوں کا استعمال کرنا، اس کے ساتھ اور ایسی چیزوں پر نماز پڑھنا اوڑھنا بچھانا، زیب وزینت کرنا کیسا ہے؟

② دوسرا سوال یہ کہ گھروں میں داخلہ کے لیے جو گھنٹی بجانی ہوتی ہے، یا دیوار کی گھڑیاں جس میں گھنٹی بجتی ہے، اسی طرح فون میں جب آپریٹر ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر نکالنے یا انتظار کرانے کے لیے گھنٹی بجاتا رہتا ہے جسے فون کرنے والا سنتا ہے، یہ گھنٹیاں میوزک کی آواز کی طرح ہوتی ہیں جسے نہ صرف عوام؛ بلکہ علمائے کرام حتی کہ ہمارے دینی قلعہ بھی استعمال کرتے ہیں، اور ان کی اس طرف توجہ نہیں، اور بے خیالی میں عوام میں بھی یہ چیزیں عام ہوتی جا رہی ہیں، کیا ایسی گھنٹی والی چیز کا استعمال جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنے سوال میں جو نکتہ اٹھایا ہے وہ یقینا قابل توجہ اور اہم ہے؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان غیر مسلم قوموں کی مقرر کی ہوئی علامتوں میں بعض تو وہ ہیں جن سے عموماً لوگ واقف نہیں، مثلاً: عیسائیوں کی علامت صلیب، اس میں بھی بہت سے لوگ خصوصاً ہندوستان میں دیہاتی علاقوں میں ایسے موجود ہیں جو اس سے واقف نہیں، یہی حال

ہندوستان میں رہتے ہوئے ہندوؤں کی مقرر کردہ علامت (ساتھیا) کا ہے، یہودیوں کی علامت چھ کونوں والا ستارہ اور اس کے ساتھ دیگر اشیاء کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ سنگین ہے، ممکن ہے آپ کے یورپ اور امریکہ کے علاقہ میں واقفیت ہو، باقی یہاں ہندوستان میں عوام تو عوام علماء اور طلبہ کی اکثریت بھی اس سے واقف نہیں، تو پھر وعظ ونصیحت اور دیگر طریقوں سے اس سے باز رکھنے کی مساعی کیسے وجود میں آسکتی ہیں!!!

بہر حال آپ نے سوال اٹھایا ہے اس کا جواب پیش خدمت ہے۔

(۱) بظاہر اس کا حکم بھی تصویر کی طرح ہے، اگر ان کو محلِ اہانت وذلت میں استعمال کیا جائے تو اس کی اجازت ہوگی، اسی طرح اگر وہ اتنی چھوٹی ہیں کہ نیچے رکھے ہوئے ہونے کی حالت میں کھڑے ہوئے آدمی کو صاف نظر نہیں آتیں، تب بھی اجازت ہونی چاہیے، جن چیزوں پر یہ نشانات بنے ہوئے ہیں ان کی بیع وشراء کا بھی وہی حکم ہونا چاہیے جو تصویر والی چیز کا ہوا کرتا ہے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”بیع وشراء میں اگر تصاویر خود مقصودہ نہ ہوں؛ بلکہ دوسری چیزوں کے تابع ہو کر آجائیں، جیسے اکثر کپڑوں میں مورتیں لگی ہوتی ہیں یا برتنوں اور دوسری مصنوعات جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے تو اس میں خرید وفروخت تبعاً جائز ہے۔ (جواہر الفقہ ۳/۲۳۸)

(۲) فقہاء جہاں گانے بجانے کے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں وہاں تحریر فرماتے ہیں: کہ ملاہی (کھیل تماشے) دو قسم کے ہیں:

(ا) حرام: اور وہ ہے گائے بغیر صرف ہیجان ومستی پیدا کرنے والے آلات کی آواز، جیسے بانسری خواہ لکڑی کی ہو یا نرکل کی جیسے شبابہ، یا بانسری کے سوا کوئی اور آلہ ہو، جیسے عود وطنبور، حرمت کی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ”اللہ نے مجھے جہانوں کے

لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے باجے تاشے اور بانسریاں مٹانے کا حکم فرمایا ہے"۔
حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مستی آور اور ذکر الٰہی سے مانع ہیں۔

وفی المعراج: الملاهی نوعان: محرم، وهو آلات المطربة من غير الغناء كالمزمار سواء كان من عود أو قصب كالشبابة، أو غيره كالعود والطنبور؛ لما روى أبو أمامة أنه عليه الصلوة والسلام قال: "إن الله بعثنی رحمة للعالمين، وأمرنی بمحق المعازف والمزامير" ولأنه مطرب يسده عن ذكر الله تعالى. (بحر الرائق ۷/ ۸۸)

میوزک کی جو آواز فون وغیرہ میں بھری ہوتی ہے ظاہر ہے وہ انہیں آلات مطربہ سے تیار کی جاتی ہے جس کا حکم اوپر گذر چکا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تشبہ اور مشابہت میں فرق

سوال: ایک استفتا مع جواب آپ کی خدمت میں ارسال کر رہے ہیں، جس میں یہ بات پیش کی گئی ہے کہ: غیر مسلم قوموں کی اپنی مذہبی علامات، جن کا ایک مسلمان کو غیر شعوری طور پر احساس تک نہیں ہوتا، کہ یہ غیر مذہبی علامات ہیں، اور تمام علامات کے متعلق یہ بات یاد رکھنا کہ یہ غیر مذہبی علامت ہے بہ ظاہر دشوار اور مشکل بات ہے، تو کیا عمومِ بلویٰ اور الأمر إذا ضاق اتسع، الأمور بمقاصدها، الضرر يزال، الضرورة تبيح المحظورات، لاعبرة بالتوهم وغیرہ؛ ان ضوابط کے پیشِ نظر اگر کوئی مسلمان غیر شعوری طور پر ان علامات میں سے کسی علامت کا استعمال کرے، تو کیا عند الشرع

تشبّہ بالغیر کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تشبّہ عربی زبان کا لفظ ہے، باب تفعّل کا مصدر ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کے ساتھ کسی کے جیسی ہیئت اور شکل وصورت یا وضع قطع یا طور وطریق اختیار کرنا، اگر قصد اور ارادہ نہیں ہے تو اس کو تشبّہ نہیں کہتے؛ بلکہ وہ مشابہت کہلاتی ہے، اور اس صورت میں اس کے لیے حدیث میں مذکور وعید نہیں ہے۔ آپ نے جو استفتاء اور جواب ارسال فرمایا ہے اس استفتاء میں جو علامتیں اور نشانیاں غیر قوم کی بتلائی گئی ہیں، ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کے غیر مسلموں کی علامات اور شعار ہونے کا علم بہت سے اہلِ علم تک کو نہیں، تا بہ عوام چہ رسد! اور جب یہ علم ہی نہیں تو تشبہ کا تحقق کیسے ہوگا؟ اسی استفتا کا جو جواب ہمارے یہاں سے دیا گیا تھا اس کی ایک نقل ارسالِ خدمت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رجب ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

باب البدعات والرسوم

سنت وبدعت کے مابین فرق کا جامع ضابطہ

سوال: نکاح کے بعد عام طور پر علماء ومشائخ اردو میں دعا کرواتے ہیں، ایک آدمی یہ کہہ رہا ہے کہ نکاح کے بعد "بارك الله لك وبارك الله عليك وجمع بينكما في خير" یہی دعا مانگ سکتے ہیں اس کے علاوہ بعد میں جو اردو میں دعا کرواتے ہیں وہ سنت سے ثابت نہیں ہے، اور جو چیز سنت سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے اور یہ دعا کروانا

گویا بدعت، گمراہی اور منکر ہے اور یہ علی الاعلان منکر ہو رہا ہے؛ لہٰذا اس منکر کو علی الاعلان روکنا چاہیے۔ رہا علما و مشائخ کا دعا کروانا یہ جواز کے لیے حجت نہیں ہے جبکہ ان کا عمل قرآن وسنت کے خلاف ہو تو ان کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے اور یہ دعا کروانا بدعت، گمراہی اور منکر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقتِ نکاح دعا اور مبارک بادی کا سلسلہ ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں چلا آ رہا ہے؛ البتہ اس کے لیے مختلف کلمات استعمال کیے جاتے تھے، زمانۂ جاہلیت میں عام طور پر نکاح کے وقت دی جانے والی دعاء میں یہ الفاظ "بالرفاء والبنين" استعمال ہوتے تھے جس کا ترجمہ ہوتا ہے کہ اس نکاح میں دونوں میں جوڑ اور محبت ہو اور لڑکے پیدا ہوں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت میں دعاء کے لیے عام طور پر جو الفاظ استعمال ہوتے تھے ان سے ممانعت فرما کر ان کے بجائے "بارك الله لك (كما في البخاري) يا بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير". (كما في السنن) کے الفاظ استعمال فرمائے۔

دعا کے الفاظ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تبدیلی فرمائی اس کی حکمت اور علت پر کلام کرتے ہوئے شراح بخاری نے لکھا ہے کہ چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں استعمال کیے جانے والے الفاظ میں نہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء تھی، اور نہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ تھا؛ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی۔ اور ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی دعا میں صرف لڑکوں کا تذکرہ ہے، جس سے لڑکیوں سے نفرت اور ان کی ناپسندیدگی ظاہر ہوتی ہے، اور اس طرح زمانۂ جاہلیت کے ایک غلط نظریہ کی تائید ہو رہی تھی؛ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ سے ممانعت فرما کر دعاء کے طور پر یہ کلمات مشروع فرمائے۔

بخاری شریف میں کتاب النکاح میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم فرمایا ہے "باب كيف يدعى للمتزوج" اس کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں شارح بخاری علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا ہے:

إنما أراد بهذا الباب -والله أعلم- رد قول العامة عند العرس: "بالرفاء والبنين" فكأنه اشار إلى تضعيفه .

آگے تحریر فرماتے ہیں:

وأقوى من ذلك ما أخرجه أصحاب السنن وصححه الترمذي وابن حبان والحاكم من طريق سهيل ابن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرة قال: كان رسول الله ﷺ إذا رفأ إنساناً قال: بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما فى خير. وقوله (رفأ) بفتح الراء وتشديد الفاء مهموز، معناه: دعا له فى موضع قولهم بالرفاء والبنين، وكانت كلمة تقولها أهل الجاهلية، فورد النهي عنها، كما روى بقى بن مخلد من طريق غالب عن الحسن عن رجل من بني تميم، قال: كنا نقول فى الجاهلية "بالرفاء والبنين" فلما جاء الإسلام علمنا نبينا: قال: قولوا: بارك الله لكم وبارك فيكم وبارك عليكم. وأخرج النسائي والطبراني من طريق أخرى عن الحسن عن عقيل بن أبي طالب أنه قدم البصرة فتزوج امرأة فقالوا له: بالرفاء والبنين، فقال: لاتقولوا هكذا، وقولوا كما قال رسول الله ﷺ: اللهم بارك لهم وبارك عليهم، ورجاله ثقات إلا ان ألحسن لم يسمع من عقيل فيمايقال. ودل حديث أبي هريرة على أن اللفظ كان مشهوراً عندهم غالباً حتى سمى كل دعاء للمتزوج ترفئة، واختلف فى علة النهى عن ذلك، فقيل: لأنه لا حمد فيه ولا ثناء ولا ذكر لله، وقيل: لما فيه من الإشارة إلى بغض البنات،

لتخصيص البنين با لذکر.(فتح الباری ۹/۲۲۲،۲۲۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وهذه اللفظة ترد القول بالرفاء والبنين، لانه من أقوال الجاهلية، والنبی ﷺ كان يكره ذلك لموافقتهم فيه وهذا هو الحكمة فی النهی، وقيل لأنه لا حمد فيه ولا ثناء ولا ذكر لله عز وجل، وقيل لما فيه من الإشارة الى بغض البنات لتخصيص البنين بالذكر.(عمدة القاری شرح بخاری ۲۰/۱۴۶)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

(رفأ) نه: نهی أن يقال "بالرفاء والبنين" كراهية لعادتهم ولذا سن غيره، الرفاء الإلتيام والاتفاق والبركة والنماء، من رفأت الثوب رفاءً ورفوتُه رفواً و منه: كان اذا "رفّأ" قال: بارك الله لك وعليك وجمع بينكما على خيرٍ، ويهمز الفعل ولا يهمز ط:الترفية قوله بالرفاء والبنين وبدله الشارع بما ذكره لأنه لا يفيد ولما فيه من التنفير عن البنات (مجمع بحار الانوار ۲/ ۳۴۸)

منقولہ بالاتمام عبارتوں سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے زمانۂ جاہلیت میں بوقتِ نکاح دی جانے والی دعاء کے مخصوص کلمات سے ممانعت فرما کر اس کی جگہ پر دوسرے کلمات بطورِ دعا استعمال فرما کر ان کلمات سے دعاء دینے کی ترغیب ارشاد فرمائی، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بوقتِ نکاح دی جانے والی دعاء میں جو کلمات تلقین فرمائے، کیا انہی کلمات سے دعا کرنا ضروری ہے؟ یا ان کے علاوہ دیگر کلمات بھی دعاء کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں؟ تو حضرات شراح حدیث نے زمانۂ جاہلیت میں استعمال ہونے والے کلماتِ دعاء کی ممانعت کی جو وجہ تحریر فرمائی ہے اس سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ حدیث پاک میں وارد کلمات دعا پر ہی اکتفاء کرنا

ضروری نہیں بلکہ ان کے ساتھ دیگر ایسے کلمات دعاء کا اضافہ جو موقع اور محل کے مناسب ہوں جائز اور درست ہے۔ چناں چہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بالرفاء والبنین والے کلمات کی وجہ ممانعت پر کلام (جو آگے نقل کیا جاچکا) کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ قلت فعلی هذا اذا قیل بالرفاء والأولاد ینبغي أن لا یکره (عینی شرح بخاری ۲۰/ ۱۴۶) یعنی اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی دعاء دینے والا بالرفاء والاولاد کے الفاظ سے دعا دے تو ممنوع نہیں ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ ان الفاظ سے دعا دینے میں زمانۂ جاہلیت کے نظریہ کی تائید نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ابن المنیّر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں۔ یہ بات صاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ (بالرفاء والبنین) کو ناپسند فرمایا؛ اس لیے کہ اس میں زمانۂ جاہلیت کی موافقت ہے؛ اس لیے کہ وہ لوگ ان کلمات کو بطور تفاؤل کہتے تھے بطور دعاء نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ کلمات بطور دعاء کہے جائیں تو ممنوع نہیں بایں طور کہ مثلاً یوں کہے: ”اللّٰهم ألف بینهما وارزقهما بنین صالحین“ یا ”ألف الله بینکما ورزقکما ولداً ذکراً“ یا اس جیسے الفاظ۔

فتح الباری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

وقال ابن المنیّر: الذی یظهر أنه اکره اللفظ لما فیه من موافقة الجاهلیة لأنهم کانوا یقولونه تفاؤلاً لا دعاءً، فیظهر أنه لو قیل للمتزوج بصورة الدعاء لم یکره، کأن یقول: اللّٰهم الف بینهما وارزقهما بنین صالحین مثلاً، او الّف الله بینکما ورزقکما ولداً ذکراً ونحو ذلك (فتح الباری ۹/ ۲۲۲)

لیجئے علامہ ابن المنیّر رحمۃ اللہ علیہ تو صرف لڑکوں کی دعاء کو بھی جائز بتلا رہے ہیں، بلکہ

بعض ضعیف روایتوں میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بارك الله الخ والے کلمات کے علاوہ دیگر کلمات سے دعاء دینا منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں: کحدیث معاذ بن جبل أنه شهد املاك رجل من الأنصار فخطب رسول الله ﷺ وأنكح الأنصاری و قال علی الألفة وا لخير والبركة وا لطير الميمون والسعة فی الرزق الحديث أخرجه الطبرانی فی الكبير بسند ضعيف (فتح الباری ۹/۲۲۲) یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک انصاری صحابی کے نکاح میں شریک ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور انصاری کا نکاح پڑھایا اور یہ دعاء پڑھی علی الألفة والخير والبركة والطير الميمون والسعة فی الرزق یعنی اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان محبت پیدا فرمائے خیر و برکت عطا فرمائے اور عمدہ نصیبہ سے نوازے اور روزی میں برکت دے۔ اور جمہور علماء (محدثین وفقہاء) کا فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے پر اتفاق ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الاربعین میں فرماتے ہیں: قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحديث الضعيف فی فضائل الاعمال . (الأربعين: ۳۲ منقول ازال تحفة المطلوبه: ٦١)

اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ہی اپنی مشہور کتاب الاذکار میں جواز ہی نہیں بلکہ استحباب کی تصریح فرماتے ہیں: قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل فی الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً (كتاب الأذكار: ۷)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ضعیف پر عمل کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے قول مختار ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں: ثالثها هو الذى عليه الجمهور يعمل به فى الفضائل دون الأحكام الخ (القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع: ٢٤٦)

ان ساری تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بوقت نکاح حدیث پاک میں وارد دعاء کے علاوہ دوسری ایسی دعائیں جو موقع اور محل کے مناسب ہوں بڑھانے میں کوئی حرج نہیں؛ چناں چہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاڈلی صاحبزادی ہیں ان کے نکاح کے موقع پر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کلمات دعاء کے استعمال فرمائے وہ ان مشہور کلمات کے علاوہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عام طور پر نقل کیے جاتے ہیں۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے تفصیل سے نقل فرمایا ہے اور اخیر میں نکاح ہوچکنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسبِ ذیل دعائیہ کلمات نقل فرمائے ہیں: جمع الله شملكما وأسعد جدكما وبارك عليكما وأخرج منكما كثيراً طيباً (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ١١ /٣٥٠) حضرت نواب قطب الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مظاہرِ حق شرح مشکوٰۃ میں یہ روایت نقل فرمائی ہے ملاحظہ ہو: تتمۂ مظاہر حق: ۴ / ۱۲۸۔

چناں چہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ جن کی ساری زندگیاں سنتِ مطہرہ کی ترویج واشاعت اور بدعات اور رسم ورواج کے قلع قمع میں گزریں، ان کا عمل بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے، میں نے خود حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ اور سابق مفتیٔ گجرات

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات اکابر کو حدیث پاک میں وارد الفاظِ دعاء کے ساتھ دیگر دعائیہ کلمات کا اضافہ کرتے ہوئے سنا اور دیکھا ہے؛ حالاں کہ ان میں سے بعض حضرات وہ ہیں جو بدعات اور رسم ورواج کے معاملہ میں بڑے متشدد رہے ہیں ان کا عمل بطورِ نمونہ اس لیے نہیں پیش کیا جا رہا ہے کہ اس کو حجتِ شرعیہ قرار دیا جا رہا ہے؛ اس لیے کہ اہلِ اصول کی تصریح کے مطابق حجج شرعیہ تو چار ہی ہیں البتہ ان حضرات اکابر کا عمل سنت کی تشریح اور توضیح بن سکتا ہے۔

تنبیہ: (۱) کسی موقع پر کوئی حکمِ شرعی عام انداز میں موجود ہو اور کوئی شخص اصولی طور پر اس کو بنیاد بنا کر اس پر عمل کرے بلکہ اس کی سنیت کا قائل ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے، نماز عید یا خطبہ کے بعد دعاء کے سلسلہ میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعا مانگنا بالخصوص منقول تو نہیں دیکھا گیا اور دعوٰی تھم سے استدلال ناتمام ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداع کا بھی مشکل ہے کیوں کہ عموماتِ نصوص سے فضیلتِ دعاء بعد الصلاۃ کی ثابت ہے پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کرے اس پر بھی ملامت نہیں۔

(امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۳، ۶۰۴)

اس کے بعد ایک اور سوال جواب امداد الفتاوی میں حسبِ ذیل ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمالیں:

سوال: بعد نمازِ عیدین کے یا بعد خطبہ کے دعا مانگنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبعِ تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں، اور اگر ان حضرات نے کبھی دعاء مانگی ہوتی تو ضرور

نقل کی جاتی لہٰذا بالغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے۔ انتہی۔ ھکذا فی بہشتی گوہر۔ اور الرشید جمادی الأولیٰ: ۱۳۱۔ ۱۳۳۴ھ تحت فتاوی دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے۔ اور دعا مانگنا بعد نماز عیدین کے مثل تمام نمازوں کے مستحب ہے، لعموم الأدلة انتهی، ما التوفيق فيما بينهما؟

الجواب: اول میں نفی نقل جزئی کی ہے، ثانی میں اثبات کلی سے ہے، فلا تعارض۔ لیکن راجح میرے خیال میں ثانی معلوم ہوتا ہے: وهو المعمول لی وإن كنت نقلت الاول من علم الفقه والا مر واسع و لعل موافقة الجمهور اولی (ترجيح رابع: ۸۱) (امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۴)

دیکھئے نماز عید کے بعد کی دعاء کے سلسلہ میں کوئی صریح نقل نبی کریم ﷺ اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے نہ ہونے کے باوجود ہمارے اکابر اس دعاء کو سنت تحریر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (کفایت المفتی ۳/ ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۳، ۳۰۴۔ امداد الاحکام ۱/ ۶۵۱، ۶۵۴۔ فتاوی دار العلوم ۵/ ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۱۔ فتاوی محمودیہ قدیم ۷/ ۲۱۸، ۲/ ۲۶۱، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۱، ۱۶/ ۵۴۰۔ خیر الفتاوی ۳/ ۱۲۷، ۱۲۸۔ آپ کے مسائل اوران کا حل ۲/ ۴۱۷۔ امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷۔ احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۵۔ فتاوی سنگرہ (گجراتی) ۳/ ۱۰۳، ۱۰۴۔ امداد المفتیین ۴۰۸۔ عزیز الفتاوی ۳۰۱، ۳۰۷۔ فتاوی رحیمیہ ۳/ ۷۵۔ ۸/ ۱۰۵)

نیز فرض نمازوں کے بعد مطلقاً دعاء ثابت ہے؛ اس لیے اس کو تمام ہی حضرات سنت یا مستحب قرار دیتے ہیں، اور اس وقت جن کلمات سے دعاء مانگی جاتی ہے ان میں صرف انہی کلمات کو جو بالخصوص نبی کریم ﷺ سے اس موقع پر منقول ہیں ضروری قرار نہیں دیا جاتا

بلکہ ان کے علاوہ دیگر ماثور دعاؤں کے مانگنے کو بھی سنت ہی سمجھا جاتا ہے، جو صاحب نکاح کے بعد دوسری دعا مانگنے کو بدعت اور گمراہی قرار دے رہے ہیں ان کو چاہیے کہ سنت اور بدعت کے موضوع پر جو کلام ہمارے اکابر نے کیا ہے اس کو بغور پڑھ لیں۔

تنبیہ: (۲) سنت و بدعت کی حقیقت اور اس کی تعریف وغیرہ کے سلسلہ میں جو تفصیلی کلام علمائے کرام نے کیا ہے اس کو بھی اس موقع پر پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں فتاوی محمودیہ کی ایک عبارت اور اس کے بعد براہینِ قاطعہ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

فتاوی محمودیہ میں ہے ''اس باب (بدعت) میں طریقۂ محمدیہ اور اس کی شروح ''الحديقة الندية والدرر البريقة'' اور ''المدخل'' اور ''الإعتصام'' مبسوط کتابیں ہیں جن میں بدعات پر تفصیلی بحث کی ہے اور بدعات پر کافی رد کیا ہے، اور محققانہ دلائل پیش کیے ہیں؛ نیز اردو میں براہینِ قاطعہ لاجواب ہے جس میں بدعات کا قلع قمع کیا ہے اور ایسے زریں اصول وضوابط بیان کیے ہیں کہ جن پر امورِ محدثہ کو بسہولت منطبق کیا جاسکتا ہے کہ یہ بدعات محرمہ ضالہ کی حدود میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو بدعتِ حسنہ وسیئہ کے امتیاز میں بڑی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ (فتاوی محمودیہ کراچی ۳/۳۱)

براہینِ قاطعہ میں ہے ''اقول مؤلف اپنی خوبیٔ فہم سے بلکہ اپنے اسلام ہم مشرب کی تقلید سے معنی موجود ہونے کے قرونِ ثلاثہ میں اور نہ موجود ہونے کے یہ سمجھ رہا ہے کہ اگر قرونِ ثلاثہ میں یہ جزئی خاص حادث ہو کر وجودِ خارجی میں آجاوے، خواہ دلیل اس کے جواز کی ان قرون میں موجود ہو یا نہ ہو، اور خواہ اس پر کسی نے ان قرون میں انکار کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور خواہ وہ امر ان قرون میں شائع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو وہ سنت ہے،

اور اگر اس جزئی خاص نے ان قرون میں وجودِ خارجی نہیں پایا اگرچہ جنس اس کی ان قرون میں موجود غیر منکر ہو یا دلیل جواز کی موجود ہو وہ بدعتِ سیئہ ہے فقط، مگر یہ فہم بالکل غلط فاحش اور محض کورِ علمی ہے، اور مؤلف کی فقط اس ہی کج فہمی پر تمام اس رسالہ کی بنا ہے اور اس ہی کوتاہ فہمی سے تمام مغالطات وقبائح کا مرتکب ہوا ہے مگر ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شئی بوجودِ شرعی قرونِ ثلاثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے، اور جو بوجودِ شرعی نہ موجود ہو وہ بدعت ہے۔ اب سنو کہ وجودِ شرعی اصطلاحِ اصولِ فقہ میں اس کو کہتے ہیں کہ بدونِ شارع کے بتلانے کے اور فرمانے کے معلوم نہ ہو سکے اور حس اور عقل کو اس میں دخل نہ ہو، پس اس شئی کا وجود شارع کے ارشاد پر موقوف ہوا خواہ صراحۃً ارشاد ہو یا اشارۃً و دلالۃ، پس جب کسی نوعِ ارشاد سے حکم جواز کا ہو گیا تو وہ شئی وجودِ شرعی میں آ گئی اگرچہ اس کی جنس بھی خارج میں نہ آئی ہو۔

اور معلوم رہے کہ سب احکامِ شرعیہ موجود بوجودِ شرعیہ ہی ہیں کیوں کہ حکم حلت اور حرمت کا بدونِ شارع کے ارشاد کے معلوم نہیں ہو سکتا پس جس کے جواز کا حکم کلیۃً ہو گیا وہ بجمیع جزئیات شرع میں موجود ہو گیا اور جس کے عدمِ جواز کا حکم ہو گیا تو شرع میں اس کا عدم ثابت ہو گیا اور وجود اس کا مرتفع ہو گیا، پس یہ حاصل ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجودِ خارجی ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے، اور وہ بوجودِ شرعی ان قرون میں موجود ہے۔ اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ ان قرون میں بوجودِ خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعتِ ضلالہ ہے۔

اور یہ بھی سنو کہ اس زمانہ کا شیوع بلا نکیر دلیل جواز کی ہے، اور نکیر ہونا اس پر دلیل

عدمِ جواز کی ہے، علی ہذا اس کی جنس پر نکیر ہونا دلیل اس کے عدمِ جواز کی، اور قبول کرنا جنس کا دلیل اس کے جواز کی ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ حکم کا اثبات قرآن وحدیث سے ہی ہوتا ہے اور قیاس مظہر حکم کا ہے مثبت حکم کا نہیں ہوتا، پس جو قیاس سے ثابت ہوتا ہے وہ بھی کتاب وسنت ہی سے ثابت ہوتا ہے اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا ضرور ہے۔

(براہینِ قاطعہ ۲۸،۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

محرم کی بدعات کے لیے ورگنی (چندہ) دینا

سوال: ہر گاؤں میں مذہب کی ایک جماعت رہتی ہے اور رہنا ضروری ہے، اور ہر کسی کو جماعت کے ساتھ رہنا چاہیے، بات یہ ہے کہ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں محرم نکالنے کے واسطے ہر گھر سے ورگنی یعنی پیسے نکال کر تعزیہ نکالا جاتا ہے اور محرم کھیلا بھی جاتا ہے، اس لیے یہ ورگنی دینا اچھا ہے یا نہیں؟ اور اگر اچھا نہیں ہے تو کیوں؟ دراصل ہم پندرہ سال سے محرم میں شامل نہیں ہے؟ صرف جماعت کو برابر ورگنی دیتے ہیں اور محرم کی مجالس پڑھنے جاتے ہیں، صرف جماعت کے برابر رہنے کے لیے ورگنی دینا پڑ رہا ہے، اس میں کچھ گناہ تو نہیں؟ وہ معلوم کرنا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعزیہ سازی کا ناجائز ہونا، اور اس کا خلافِ دین وایمان ہونا اظہر من الشمس ہے، ادنیٰ درجہ کے مسلمان کے لیے بھی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ﴾ کیا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جس کو خود ہی

نے تراشا اور بنایا ہے؟ ظاہر ہے کہ تعزیہ انسان اپنے ہاتھ سے بانس کو تراش کر بناتا ہے اور پھر منت مانی جاتی ہے اور اس سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، اس کے سامنے اولاد وصحت کی دعائیں کی جاتی ہیں، سجدہ کیا جاتا ہے، اس کی زیارت کو زیارت امام حسین رضی اللہ عنہ سمجھا جاتا ہے، کیا یہ سب باتیں روحِ ایمان اور تعلیمِ اسلام کے خلاف نہیں ہیں؟

علامہ حیات سندھی ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ: رافضیوں کی برائی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی تصویر بناتے ہیں، اور اس کو مزین کر کے گلی کوچوں میں لے کر گشت کرتے ہیں اور یا حسین! یا حسین! پکارتے ہیں اور فضول خرچ کرتے ہیں، یہ تمام باتیں بدعت اور ناجائز ہیں۔ (الرقضه في ظهر الرفضة)

حضرت شاہ سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (از جملہ بدعاتِ رفضہ کہ در دیارِ ہندوستان اشتہار تمام یافتہ، ماتم داری، وتعزیہ سازی ست در ماہِ محرم بزعم محبت حسین رضی اللہ عنہ...... این بدعات چند چیز ست: اول ساختن نقل قبور، ومقبرہ وعلم وسدہ وغیرہا واین معنی بالبداہت از قبیل بت سازی وبت پرستی ست۔ (صراط مستقیم ۵۹) (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۷۵)

یعنی ماہ محرم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی محبت کے گمان میں ماتم اور تعزیہ سازی بھی روافض کی ان بدعات میں سے ہے، جو ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں، ان بدعتوں کی چند قسمیں ہیں: سب سے پہلے قبر ومقبرہ کی نقل، علم وسدہ وغیرہ کہ یہ کھلے طور پر بت سازی اور بت پرستی کی قسم میں سے ہیں۔

حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وإياه! ثم إياه! أن يشتغل ببدع الرافضة ونحوهم: من الندب، والنياحة، والحزن، إذ ليس ذلك من أخلاق المومنين؛ وإلا لكان يوم وفاتها أولى بذلك وأحرىٰ (صواعق محرقه ۱۱۲) یعنی خبردار! خبردار!

یومِ عاشوراء کو روافض کی بدعات میں ہرگز مشغول نہ ہونا، جیسا کہ مرثیہ خوانی، رونا چلانا اور ماتم کرنا یہ سب امور مسلمانوں کے نہیں، اور اگر ان کا کچھ بھی تعلق اسلام سے ہوتا، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا دن اس ماتم سرائی کے لیے زیادہ مستحق تھا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۳۴۲)

جناب مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمایئے: علم تعزیہ، بیرک مہندی جس طرح رائج ہے، بدعت ہے اور بدعت سے شوکتِ اسلام نہیں ہوتی، تعزیہ کو حاجت روا یعنی ذریعۂ حاجت روائی سمجھنا جہالت ہے، اور اس سے منت ماننا اور حماقت! اور نہ کرنے والے کو باعث نقصان خیال کرنا زنانہ وہم، مسلمانوں کو ایسی حرکت سے باز آنا چاہیے۔ (رسالہ محرم وتعزیہ داری ۵۹) (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۳۴۳)

مولوی حکیم محمد حشمت صاحب بریلوی کا فتوی: تعزیہ داری جس طرح رائج ہے، متعدد معاصی (نافرمانی) ومنکرات یعنی خلاف شرع باتوں کا مجموعہ اور گناہ وناجائز وبدعتِ شنیعہ وباعثِ عذابِ الٰہی طریقۂ روافض ہے، اسے جائز نہیں کہے گا مگر بے علم، احکام شرع سے ناواقف۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: كل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار۔ دوسری حدیث میں ہے: شر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة كذا في المشكوٰة پس تعزیہ کا بنانے والا، رکھنے والا، اس میں دامے درمے قدمے مدد کرنے والا، اس پر شیرینی چڑھانے والا، فاتحہ دینے والا، سب گنہ گار، مستحقِ عذابِ نار کے، یہ سب باتیں بدعت واعانت علی المعصیت ہیں اور وہ حرام، سخت عذاب کا باعث اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس بدعتِ شنیعہ سے بموجبِ حدیث "إياكم ومحدثات الأمور" بچیں اور دور رہیں، اور کسی بھی طرح اس میں شرکت نہ کریں۔ (مجمع المسائل ۱/ ۱۹۹)

(منقول از فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۳۴۴، ۳۴۵)

اس لیے آپ کا محرم کی بدعات کے لیے ورگنی یعنی چندہ دینا ناجائز اور حرام ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مروجہ مجالس میلاد

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے روز محفلِ میلاد منانا، اور اسے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام دے کر ایسے اجتماعات پر لوگوں سے چندہ لینا اور لوگوں کو ایسے اجتماعات پر پیسے خرچ کرنے کی ترغیب دینا اسلام میں کیا حکم رکھتا ہے؟

کیا اصحابِ خیر القرون نے کوئی ایسا اجتماع کیا، یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر کوئی فضیلت بیان فرمائی، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم وتبعِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں کسی عالم یا بزرگ کا کوئی قول اس کا شاہد ہے؟ اور کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ: جو کوئی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاطر ایک درہم بھی خرچ کرے گا وہ میرے قریب ہوگا، اس طرح کا کوئی فرمان آپ رضی اللہ عنہ سے وارد ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ مروجہ مجلس میلاد نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ خلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، نہ تابعین رحمۃ اللہ علیہم، نہ محدثین (امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم) سے ثابت ہے، نہ ائمۂ مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرھم رحمۃ اللہ علیہم) سے ثابت ہے، نہ اولیائے کاملین (حضرت عبد القادر جیلانی، خواجہ معین الدین

چشتی اجمیری، خواجہ بہاؤالدین نقشبندی، شیخ عارف شہاب الدین سہروردی وغیرھم رحمۃ اللہ علیہم) سے ثابت ہے۔ چھ صدی اس امت پر اس طرح بیت گئیں کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں تھا، سب سے پہلے بادشاہ اربل نے شاہانہ انتظام سے اس کو منعقد کیا، اور اس پر بہت روپیہ خرچ کیا، پھر اس کی حرص اور اتباع میں وزراء، امراء نے اپنے اپنے انتظام سے مجالس منعقد کیں، تفصیل تاریخِ ابن خلکان میں ہے، اسی وقت سے علمائے حق نے اس کی تردید بھی لکھی ہے؛ چناں چہ "المدخل" میں علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے بتیس صفحات میں اس کے قبائح ومفاسد دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں لکھے ہیں۔ ۷۳۲ھ میں اس کی تصنیف سے فراغت ہوئی، پھر جہاں جہاں یہ مجلس پہنچتی گئی، وہاں کے علماء تردید فرماتے گئے؛ چناں چہ عربی، فارسی، اردو؛ ہر زبان میں اس کی تردید موجود ہے، اور آج تک تردید کی جارہی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۷۹)

ایسی مجلس کے لیے رقم خرچ کرنے کے واسطے لوگوں کو ترغیب دینا ناجائز ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مروجہ مجالسِ میلاد اور نیاز میں چندہ دینے کا حکم

سوال: اسی طرح دونوں عید کے دن نیاز کے لیے پیسے نکالے جاتے ہیں، اور رات میں مولود، یا گیارھویں پڑھی جاتی ہے، اس لیے یہ بھی نیاز کے پیسے دینا گناہ ہے یا نہیں؟ کیوں کہ قرآن شریف کے دوسرے پارے کے اندر ۱۷۳ نمبر کی آیت کی وجہ سے یہ

سب کچھ پوچھنا پڑ رہا ہے، جماعت کے ساتھ گیارھویں اور مولود اور مجالس پڑھنے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ برابر تفصیل سے معلوم کرنا ہے، جس طرح آپ نے عورتوں کی جماعت کے بارے میں تفصیل وار معلومات دیے تھے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مروجہ مجالس میلاد نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ خلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، نہ تابعین رحمۃ اللہ علیہم، نہ محدثین (امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرہ رحمہم اللہ) سے ثابت ہے، نہ ائمۂ مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ) سے ثابت ہے، نہ اولیائے کاملین (حضرت عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ بہاؤالدین نقشبندی، شیخ عارف شہاب الدین سہروردی وغیرہ رحمہم اللہ) سے ثابت ہے۔ چھ صدی اس امت پر اس طرح بیت گئی کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں تھا، سب سے پہلے بادشاہ اربل نے شاہانہ انتظام سے اس کو منعقد کیا اور اس پر بہت روپیہ خرچ کیا، پھر اس کی حرص اور اتباع میں وزراء، امراء نے اپنے اپنے انتظام سے مجالس منعقد کیں، تفصیل تاریخِ ابن خلکان میں ہے، اسی وقت سے علمائے حق نے اس کی تردید بھی لکھی ہے؛ چناں چہ کتاب ''المدخل'' میں علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے بتیس صفحات میں اس کے قبائح ومفاسد دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں لکھے ہیں۔ ۷۳۲ھ میں اس کی تصنیف سے فراغت ہوئی، پھر جہاں جہاں یہ مجلس پہنچتی گئی، وہاں کے علماء تردید فرماتے گئے؛ چناں چہ عربی، فارسی، اردو؛ ہر زبان میں اس کی تردید موجود ہے، اور آج تک تردید کی جارہی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۷۹)

''بخاری شریف'' میں حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ صحابیٔ رسول حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، تو انھوں نے فرمایا کہ میں تم کو ایک ہدیہ پیش نہ کروں، جو میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، تو میں نے عرض کیا، کیوں نہیں؟ ضرور ہدیہ پیش کیجیے، تو انھوں نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ اہلِ بیت پر صلوٰۃ (درود) کا کیا طریقہ ہے؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں بتلادیا ہے، یعنی تشہد میں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہو: اللّٰهم صل علی محمد کما صلیت علی إبراهیم وعلی آل إبراهیم إنك حمید مجید۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سلام علی الرسول کا طریقہ معلوم تھا، یعنی التحیات الخ مگر درود کا طریقہ معلوم نہیں تھا، سو انھوں نے دریافت کیا اور ''قولوا'' (کہو) سے بیان کیا گیا ہے۔

یہ مقام ہے تعلیم کا، پس جس طرح تعلیم دیا گیا اس میں اور مروجہ سلام پڑھنے میں کوئی تعلق نہیں، اگر یہی مروجہ طریقہ سلام وصلوٰۃ کا ہوتا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح پر تعلیم دیتے۔ معلوم ہوا کہ مروجہ طریقہ من گھڑت ہے اور من گھڑت چیزوں کو دین سمجھنا اور ثواب کی امید رکھنا بدعت ہے، اس مروجہ طریقہ کا ثبوت نہ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور نہ تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور نہ بزرگانِ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہ سے پایا جاتا ہے:

مپندار سعدی کہ راہ صفا	تواں یافت جز در پئے مصطفی

مسجد میں جمع ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدعتی قرار دیا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۳)

غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز حرام و ناجائز ہے، اس لیے کہ اس میں مخلوق کے لیے

نذر ماننا ہے؛ حالاں کہ نذر عبادت ہے جو خالق کے ساتھ مخصوص ہے۔

اعلم أن النذر الذي يقع للاموات من أكثر العوام، ومايؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقربًا إليهم فهوبالاجماع باطل وحرام اھ(درمختار) قوله باطل وحرام لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق ولا يجوز، لأنه عبادة، والعبادة لاتكون لمخلوق.(طحطاوي على الدر) (ازفتاویٰ محمودیہ ۱/ ۲۱۴)

نیاز کے نام سے آپ سے جو رقم طلب کی جاتی ہے، وہ آپ نہ دیں اور ان کی بدعات ورسوم میں ہرگز ہرگز کسی بھی طرح کی شرکت نہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ

میلاد النبی کا جلوس

سوال: بارہ ربیع الاول کو سیرت النبی کے سلسلے میں جلوس نکالنا جس میں ہاتھی گھوڑے گاڑیاں اور دوسرے لوازمات ہوتے ہیں نیز نعرۂ تکبیر اور نعت رسول کہتے ہوئے چلنا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ مروجہ جلوس نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے نہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام سے ثابت ہے نہ تابعین وائمہ مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ امام شافعی امام مالک امام احمد وغیرہم) سے ثابت ہے نہ محدثین (امام بخاری امام مسلم امام ترمذی امام ابوداود وغیرہم) سے ثابت ہے نہ اولیائے کاملین (حضرت عبدالقادر جیلانی خواجہ

معین الدین چشتی خواجہ بہاؤالدین شیخ عارف شہاب الدین سہروردی وغیرہم) سے ثابت ہے پونے چودہ سوصدیاں امت پر اس طرح بیت گئیں کہ اس جلوس کا کہیں وجود نہیں تھا پچھلے چند سالوں سے کچھ سیاسی اور نیم سیاسی لوگوں نے یہ سلسلہ شروع کیا اہل حق علماء اس وقت سے اس کو منع فرمارہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بدعت سے بچنے پر مالی جرمانہ

سوال : آپ نے جو محرم کے متعلق فتویٰ دیا تھا، اس کے مطابق ہم چند لوگوں نے یعنی چار گھر کے لوگوں نے قدم اٹھائے ہیں؛ مگر ہمارے گاؤں کی جماعت نے ہمارے چاروں گھر کا بائیکاٹ کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جماعت کے برابر سب کچھ دینا ہوگا، ہم نے کہا کہ محرم کے لیے چندہ اور نیاز کے پیسے نہیں دیں گے، اور گیارھویں، مولود وغیرہ کو نہیں آئیں گے، صرف جماعت کا کچھ فیصلہ ہوگا اس میں آئیں گے، تو وہ لوگ قبول نہیں کرتے ہیں، ہم نے کہا کہ یہ قرآن شریف بتاتا ہے کہ نذر و نیاز اللہ کے سوا غیر اللہ پر حرام ہے، تو کہنے لگے کہ کونسا قرآن؟ کہاں کا قرآن؟ کدھر سے لایا قرآن؟ تو ہم نے جواب دیا کہ مسجد سے کوئی بھی قرآن اٹھالاؤ، اس میں بتاتا ہوں، اور اب وہ لوگ منہ دیکھتے بیٹھ گئے؛ کیوں کہ وہ سب لوگ ایک ہیں، پھر آخرکار یہ معاملہ پولس اسٹیشن پر گیا، وہاں پر یہ ہوا کہ جس کو نذر و نیاز نہیں دینا ہے وہ خوشی سے مسجد کو پندرہ روپئے ہر مہینہ دے دو۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سال میں محرم کا چندہ اور نیاز کے پیسے سب مل کر دس بارہ روپئے ہوں گے؛ مگر یہ مسجد کو ہر مہینہ کے حساب سے ۱۸۰ / روپیہ ہوں گے،

مگر یہ ایک طرح کا سلسلہ ہوگیا، اور جو کوئی غریب شرک و بدعت کے بارے میں قدم اٹھانے والا ہوگا وہ قدم نہیں اٹھائے گا؛ کیوں کہ اس کو ہر مہینہ پندرہ روپے مسجد کے نام سے دینا ہوگا، یہ ایک اس طرح کا قانون بن جائے گا، کہ جس کو نذر و نیاز نہیں دینا ہے اس کو ہر مہینہ پندرہ روپے دینا ہے، یہ ایک میرے خیال سے زبردستی کی بات ہوگئی، اس لیے یہ اس طرح سے مسجد کو پیسے دینے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟ وہ معلوم کرنا ہے۔ دوسری بات اپنے لیے جو کوئی قدم اٹھانے والا ہے وہ قدم نہیں اٹھائے گا، اس کا گناہ شاید مجھے لگتا ہے کہ اپنے سر ہوگا، اس لیے اس کا خلاصہ دیں گے ایسی مجھے امید ہے۔

اس طرح سے پیسے دینے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟ وہ معلوم کرنا۔

قرآن کو ٹھکرانے والا، اور اس کے الفاظ کو سننے والے کے لیے کیا تنبیہ ہے وہ لکھنا۔

یہاں پر نوکری کے لیے آئے ہیں، اور موقع ملا ہے تو حج کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ سر پر دوسرے کا قرض ہے؛ مگر وہ دینے کی امید رکھتے ہیں، اس لیے حج کے لیے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت مطہرہ میں کسی جرم پر مالی تاوان یا مالی سزا مقرر کرنا درست نہیں ہے۔

قوله لا بأخذ مال في المذهب، قال في الفتح: وعن ابي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الائمة لا يجوز، ومثله في المعراج (شامی ۳ /۱۹۵)

یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ کسی نے واقعۃً جرم کیا ہو، اور اگر اس آدمی نے کوئی جرم نہیں کیا؛ بلکہ اپنے آپ کو شرک و بدعت سے بچایا تو اس کا یہ کام تو قابل تعریف ہے،

ضروری ہے کہ آدمی شرک وبدعت سے بچے، بھلا اس پر بھی کوئی سزا یا مالی تاوان مقرر کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں صریح ظلم ہے۔

حدیث پاک میں نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ألا لا تظلموا! ألا لا یحل مال امرئٍ إلا بطیب نفس منه (مشکوٰۃ: ۲۵۵) خبردار! ظلم مت کرو، سنو کسی آدمی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر درست نہیں ہے، جائز اور حلال نہیں ہے۔

اس لیے جو لوگ محرم کی نذر ونیاز میں حصہ نہیں لیتے ان پر ہر مہینہ مسجد میں پندرہ روپیہ دینا ضروری ٹھہرانا وہ جائز نہیں ہے، مسجد میں اپنی رضامندی اور خوشی سے دے گا تو اس کو ثواب ملے گا، اس میں زبردستی کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔ جہالت اور نادانی کی وجہ سے بدعات کرتے ہیں، اور جو لوگ ان بدعات کے خلاف قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرتے ہیں، ان کو یہ کہتے ہیں کہ کہاں کا قرآن؟ وغیرہ یہ بڑی جرأت اور دیدہ دلیری کی بات ہے، اور ایمان کے لیے مہلک اور خطرناک ثابت ہوسکتی ہے، ضروری ہے کہ اپنی ان حرکتوں سے توبہ اور استغفار کریں۔

اگر آپ کو اپنے قرض کے ادا ہونے کا یقین ہے تو اس کی ادائیگی سے پہلے حج کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شادی میں سہرا باندھنا

سوال: شادی کے وقت ایک رسم ہے کہ دولھا کو سہرا باندھا جاتا ہے، یہ سفید کوڑیاں کی الگ الگ تاریں ہوتی ہیں، وہ دولھا اپنے سر پر باندھتا ہے، اور تاریں منہ پر آجاتی ہیں،

ایک طرح کی زینت ہے پھول وغیرہ کی طرح؛ مگر رسماً کیا جاتا ہے، کوئی کرنے اور نہ کرنے سے ثواب یا گناہ نہیں جانتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سہرا چوں کہ کافروں کی رسم ہے، اس لیے خلاف شرع ہے۔ (بہشتی زیور ۶/۲۵)

"من تشبہ بقوم فھو منھم" حدیث میں وارد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرد کے لیے مہندی لگانا

سوال: شادی کے وقت ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرد کے لیے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا جائز نہیں ہے، عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے، اور ایسے مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت اختیار کریں حدیث میں لعنت آئی ہے۔ (مشکوۃ ص: ۳۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دولہا کو اونٹ پر بٹھانے کی رسم

سوال: شادی کے وقت اونٹ دوڑائے جاتے ہیں دولھا کو بیٹھا کر، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی ایک رسم ہے، جس کی کوئی اصل نہیں۔ (کفایت المفتی ۹/۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پیٹھی لگانا

سوال: اور دولھا کو دوست احباب پیٹھی کرتے ہیں، وہ ہمارے راجستھان میں چند چیزیں: تیل اور سفید مٹی اور ہلدی وغیرہ ملا کر دولھا کو بدن پر ملتے ہیں، جس سے میل دور ہو جاتا ہے، اور بعد میں صابن لگا کر نہلاتے ہیں، یہ رسماً کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ بھی رسم ہے۔ (اصلاح الرسوم ص: ۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شادی میں روپیہ لینے دینے کی رسم (نیوتہ)

سوال: شادی میں کھانے کے بعد جو لوگ جو شادی میں آتے ہیں وہ لوگ دولھا کو روپئے دیتے ہیں، اسے باقاعدہ لکھتے ہیں، اور بعد میں جب کبھی روپئے دینے والوں کے یہاں شادی ہوتی ہے تو وہ اپنی چوپڑی میں دیکھ کر جاتا ہے، اور روپئے دے کر آتا ہے، اتنے یا کم وبیش دیتا ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر یہ بطریقِ اعانت کے ہو اور ریاکاری نام وغیرہ کچھ نہ ہو تو شرعاً درست؛ بلکہ مستحسن ہے، مگر طریقۂ مروجہ کی حیثیت بجز رسم ورواج کے کچھ نہیں، اور بسا اوقات برادری کے زور اور رسوائی کے خوف سے دیا جاتا ہے؛ بلکہ اگر پاس نہ ہو تو سودی قرض لے کر دیا جاتا ہے، اس لیے ناجائز ہے، اور بطورِ قرض دیا جاتا ہے جیسا کہ بعض جگہ رواج ہے، تو اس میں اور بھی مفاسد ہیں: لا یحل مال إمرأ مسلم إلا بطیب نفس منه رواه

البيهقي اھ مشکوۃ ۲۵۵ (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۹۲، ۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بارات میں دولہے کے ہاتھ میں کنگنا اور کٹیار دینا

سوال: شادی کی بارات میں دولہے کے ہاتھ میں کنگنا، اور ہاتھ میں کٹیار دینا (یعنی دعوت طعام کے بعد کچھ رقمیں دعوتی شخص کو دینا لازم ہوتی ہیں) کیا یہ تمام جائز ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ سب ہندوانہ رسوم ہیں "من تشبه بقوم فهو منهم" (الحدیث) کی بنا پر ان کا ترک لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

لڑکی کے عوض پیسہ لینا

سوال: اپنی لڑکی کو دوسرے کے وہاں پیسے سے دینا، با قاعدہ باپ اپنی بیٹی کو دس ہزار یا بیس ہزار، مطلب کے قیمت کر کے دیتا ہے ایک طرح کا سودا ہوا کہ اپنی بیٹی کو بیچ کر کھاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ جائز نہیں ہے۔ (شامی ۷/ ۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شادی سے اگلے دن دولہا کے گھر دعوت

سوال: (۱) شادی سے اگلے دن دولہے کے گھر پر بڑی دعوت ہوتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

''مانجھے بٹھانے'' کی رسم

سوال: ② شادی سے آٹھ دس دن پہلے دولہا دولہن کو گھر میں بٹھائے رکھتے ہیں، جس کو ''مانجھے بٹھانا'' کہتے ہیں، اور اس درمیان دولہا دولہن کے رشتہ داران کی دعوتیں کرتے ہیں، ان دعوتوں کا کیا حکم ہے؟ اور ان میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① شادی سے اگلے دن دولہا کے گھر پر دعوت کا مسنون نہ ہونا ظاہر ہے، اب اگر مسئولہ دعوت رسم ورواج کے طور پر ہوتی ہے تو اس کا ناجائز اور بدعت ہونا بھی ظاہر ہے، اور اس میں شرکت کی بھی اجازت نہیں، اور اگر باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کو کھلانے کے لیے نظم کیا گیا ہے، کوئی رسم پیشِ نظر نہیں تو اس کی اجازت ہے۔

② یہ بھی رسم ورواج کے قبیل سے ہے اور ناجائز ہے، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اصلاح الرسوم'' کی چھٹی فصل نمبر دو میں اس کی برائیاں تفصیل سے لکھی گئی ہیں، ملاحظہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شادی کی رسوم، دعوت میں تحائف کا لین دین، ولیمہ، بارات وغیرہ کا شرعی حکم

سوال: ① ہمارے شہر میں مسلمانوں کی اکثر برادریوں میں آج کل یہ رسم عام ہوگئی ہے کہ نکاح کے اگلے روز لڑکے والوں کی طرف سے کم سے کم پانچ سو، سات سو آدمیوں کی دعوت کی جاتی ہے، پھر دوسرے یا تیسرے روز نکاح ہوتا ہے، نکاح کے بعد

بعض دیندار گھروں میں پچاس، سو اشخاص پر مشتمل ولیمہ کا کھانا کھلایا جاتا ہے، ورنہ اکثر جگہوں پر ولیمہ کا کھانا ہوتا ہی نہیں، نکاح کے اگلے روز رکھی گئی اس دعوت میں نقد تحائف بھی بہت وصول ہوتے ہیں، جس کو یہاں کی زبان میں چاندلا اور سوڑا وغیرہ کہتے ہیں۔ مدعو رشتہ دار اور دوست احباب کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے نام سے اپنی مرضی اور دیکھ دکھاؤ کے مطابق بیٹھے ہوئے ایک ذمہ دار کو رقم لکھواتے جاتے ہیں۔ عورتیں اپنی بعض عزیزوں کو ملبوسات کی قسم کے تحائف اور ہدیہ پیش کرتی ہیں، ایسی دعوتوں میں مساجد کے ائمہ حضرات کا اور علمائے شہر کا شریک ہونا کیسا ہے؟ جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر ایسی دعوتوں میں قباحت ہوتی تو علماء حضرات کیوں شرکت فرماتے ہیں؟

(۲) دعوتِ ولیمہ کی شرعی حیثیت، نوعیت ضرورت کی وضاحت فرمادیں، نیز اس دعوت میں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کتنے آدمیوں کو مدعو کیا جائے؛ جبکہ صاحب خانہ امیر ہو یا غریب و نادار؟ اگر داعی امیر ہو اور دعوتِ ولیمہ میں امراء و رؤساء کے ساتھ ساتھ چند فی صد غرباء کو بھی مدعو کرلیا کریں تو کیا شرعاً کافی و معتبر سمجھا جائے گا؟

(۳) ہمارے شہر میں ایک یہ بھی رواج عام ہوگیا ہے کہ بیرونِ شہر و اندرونِ شہر سے پچاس، ساٹھ سو سے لے کر دوسو، ڈھائی سو آدمیوں کی (عورتوں اور مردوں کو شامل کرتے ہوئے) باراتیں آتی جاتی رہتی ہیں، اس کے لیے لگزری بس اور چھوٹی بڑی سواریوں کا انتظام کیا جاتا ہے، کبھی تو ایک ساتھ اور کبھی الگ الگ مردوں و عورتوں کی نشست ہوتی ہے، عورتیں پست آواز میں گیت بھی گایا کرتی ہیں، یہ رواج دیندار طبقہ میں بھی پھیل چکا ہے، جناب والا سے گزارش ہے کہ بارات کی شرعی حیثیت و نوعیت پر روشنی ڈالیں، کم سے کم کتنے باراتیوں کو لے جانے کی شرعاً گنجائش ہوگی؟ دوسری جگہ نکاح پڑھانے کے لیے

شہر میں سے بعض ائمہ حضرات کو یا علمائے کرام کو اگر ان باراتوں میں مدعو کیا جائے تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟ اگر علمائے کرام کے جانے سے محض رسومات وخرافات میں کمی واقع ہو جاتی ہو تو کیا ان کے لیے شرعاً وسعت ہے؟

④ شہر میں ایک رسم یہ بھی رواج پذیر ہوگئی ہے کہ باراتیوں کے ساتھ مقامی و بیرونی رشتہ دار واعزہ کو لڑکی والے کھانا کھلاتے ہیں، پھر وہی نقد رقم یا مختلف قسم کے برتن لڑکی والوں کو بطور ہدیہ پیش کئے جاتے ہیں اب تحائف کو اس طور پر دینے میں لوگوں کا لڑکی کو دینا مقصود ہوتا ہے یا لڑکی کے والیوں کو بخشنا مقصود ہوتا ہے؟ اس بات کی صفائی نہ دینے والوں کی طرف سے ہوتی ہے نہ لینے والے کوئی ضابطہ کا اعلان کرتے ہیں، بس کھانا کھاتے ہیں اور ہدیہ پیش کر کے رخصت ہو جاتے ہیں، گویا کھلانے والے نے اپنا حق ادا کر دیا اور کھانے والے نے اپنے حق کی ادائیگی کر دی، اس طرح کی صورتوں میں شریعت نے جو احکام بتلائے ہیں ان کی نشان دہی فرما دیں؛ نیز اس امر کو بھی واضح فرما دیں کہ ائمہ مساجد وعلمائے کرام کا ایسی دعوتوں میں شریک ہونا شرعاً کیسا ہے؟ اگر کوئی رسم فی نفسہ قبیح نہ ہو تو کیا اس کو انجام دینے میں شرعاً توسع ہے؟

⑤ مذکورہ تمام قسموں کی دعوتوں میں کھلانے کا نظام ذیل میں درج مختلف ٹھکانوں پر کیا جاتا ہے، جناب والا ان کے جواز وعدم جواز کی طرف رہبری فرما کر ہم لوگوں پر احسان فرما دیں:

(۱) شادی بیاہ کے لیے کرایہ پر ملنے والے ہال میں۔ (۲) بڑی بڑی (فائیو اسٹار اور تھری اسٹار) ہوٹلوں کے گراؤنڈ اور گارڈن میں۔ (۳) اپنی اپنی رہائش گاہوں کے قریب کی سرکاری وغیر سرکاری خالی جگہوں اور میدانوں میں۔ (۴) مکاتب ومدارس کی

بعض مخصوص جگہوں میں جو اس کے لیے بنائی جاتی ہیں اور اس کے کرایہ کی آمدنی سے مصارف کا انتظام کیا جاتا ہے۔ (۵) دو دو وقت چلنے والے مکاتب و مدارس کے طلباء، طالبات کو اس روز تعطیل کروا کر یا ان کو مسجد کے صحن میں بٹھا کر مکتب و مدرسوں کی جگہوں میں۔ (۶) مسجد کے بعض خالی پلاٹوں میں بلا کرایہ یا کرایہ (ہدیوں اور بخشش کی صورت میں) وصول کر کے، خصوصاً اجتماعی شادیوں کے موقعوں پر۔ (۷) اپنے پڑوس والوں کو مروتاً مجبور کر کے ان کے مکانوں میں۔

⑥ ہمارے شہر میں کل بارہ مسجدیں ہیں، الحمد للہ دس مسجدوں میں تبلیغ کا کام ہوتا ہے؛ لیکن کام اکثر چوں کہ بے اصولی و بے تربیتی سے ہو رہا ہے اس لیے اس کی خاطر خواہ برکتیں نمایاں نہیں ہوتیں، اور نہ گناہوں کے نقصانات و ظلمات کا استحضار رہتا ہے، ایسی صورت حال میں جناب والا اپنی صواب دید سے ایسے طریقۂ کار کی طرف شہر کے بعض فعال ساتھیوں کی رہنمائی فرمادیں، جس میں انتشار بھی نہ ہو اور مداہنت سے بھی بچا جا سکے، اللہ تعالیٰ جناب والا کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں۔

⑦ شہر میں رسومات و خرافات والی جگہوں پر بعض اہلِ علم حضرات کو نکاح پڑھانے کے لیے بلایا جاتا ہے، اگر یہ لوگ وہاں نہ جائیں تو شہر یا بیرون شہر کے بعض بریلوی و رضاخانی علماء تیار ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں کیا صرف نکاح پڑھا دیا کریں، تو شرعاً گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① جو کام فخر و مباہات یا شہرت، دکھلاوے یا رسم و رواج کی بنیاد پر کیا جاوے وہ شرعاً جائز نہیں، چاہے صورت کے اعتبار سے عبادت ہی کیوں نہ ہو، جو دعوتیں ان بنیادوں

پر کی جاتی ہیں وہ شرعاً درست نہیں، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یأیھا الذین آمنوا لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والأذی کالذی ینفق ماله رئاء الناس﴾ (البقرة) یعنی اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو، جس طرح وہ شخص برباد کرتا ہے جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے۔ (بیان القرآن)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک وعظ میں ہے۔ فرماتے ہیں: فخر و دکھلاوے کے متعلق ایک حدیث یاد آئی: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو شخصوں کی دعوت قبول کرنے سے ممانعت فرمائی ہے جو ایک دوسرے سے بڑھنا چاہیں، اور بخشا بخشی میں کھانا کھلاویں (یعنی موازنہ اور مقابلہ کر کے) یہ مصیبت ہم نے قصبوں میں بہت دیکھی ہے، اور شہروں میں دوسری طرح کی مصیبتیں ہیں، قصبوں میں تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی نے شادی میں دو قسم کا کھانا دیا ہے تو دوسرا شخص اپنے یہاں تین قسم کا کھانا دے گا، تیسرا چار قسم کا، اس کا اتنا اہتمام ہوتا ہے کہ کھانے کے فہرستیں نکال کر دیکھی جاتی ہیں کہ فلاں شخص کی شادی میں کتنے کھانے تھے، اگر چار تھے اور چار ہی ہماری شادی میں ہو تو نام ہی کیا ہوگا، اور اس کا تذکرہ ہی کیا ہوگا، کیوں کہ کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی، چار کی جگہ چھ ہونے چاہیے، ورنہ پانچ تو ضرور ہو، اب بھلا یہ تفاخر نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ اس سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اس سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب: ۵۷۷، اسلامی شادی ۱۵۸)

نیز فرماتے ہیں: بیاہ شادی میں کھلانا، پلانا، دینا، دلانا مجمع کرنا (جیسا کہ آج کل دستور ہے یہ سب چھوڑنے کے قابل) واہیات ہیں، سب ہی میں خرابی ہے، کسی میں تھوڑی، کسی میں بہت، اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اکثر تو یہی ہے کہ کھانا کھلانا، پلانا، مجمع کرنا، دور دراز سے لوگوں کو بلانا، جوڑے لینا، دینا یہ سب صرف نام و نمود، شہرت

کے لیے ہوتا ہے، نہ کسی کے ساتھ ہمدردی مقصود ہے، نہ کچھ، ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب ۵۸۴، اسلامی شادی، ص: ۱۶۰)

نیز فرماتے ہیں: دوسری خرابی جو (بیاہ شادی کے موقع پر) لازم ہے وہ اسراف ہے (جو کہ حرام ہے)۔ اسراف کہتے ہیں معصیت (یعنی گناہ کے کام) میں خرچ کرنے کو، آپ کا خیال ہوگا کہ ہم کونسی معصیت میں خرچ کرتے ہیں؟ ہمارے یہاں ناچ نہیں، گانا نہیں، باجہ نہیں، اے صاحبو! تفاخر یا نام و نمود دکھلاوا بھی تو معصیت ہے، پس فخر کے لیے خرچ کرنا معصیت ہی میں خرچ کرنا ہے؛ اس لیے اسراف میں یقیناً داخل ہے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معصیت ناچ گانے میں منحصر نہیں؛ بلکہ بہت سے گناہ دل سے متعلق بھی ہیں، چناں چہ تفاخر اور ریا ان ہی دل کے گناہوں میں سے ہیں؛ لہذا اس میں خرچ کرنا بھی گناہ ہی میں خرچ کرنا ہے۔ (اسلامی شادی: ص ۱۶۰، ۱۶۱)

شادی میں دیئے جانے والے مروجہ ہدیہ کے متعلق فتاویٰ محمودیہ میں ہے: اگر یہ بطریق اعانت کے ہو اور ریاکاری، نام و نمود وغیرہ کچھ نہ ہو تو شرعاً درست؛ بلکہ مستحسن ہے مگر طریق مروجہ کی حیثیت سے بجز رسم و رواج کے کچھ نہیں ہے، اور بسا اوقات برادری کے زور یا رسوائی کے خوف سے دیا جاتا ہے؛ بلکہ اگر پاس نہ ہو تو بطورِ قرض سود لے کر دیا جاتا ہے اس لیے ناجائز، اور اگر بطورِ قرض دیا جاتا ہے تو اس میں بھی مفاسد ہیں: لا یحل مال إمرء مسلم إلا بطیب نفس منه رواه البیهقی (مشکوۃ: ۲۵۵) (فتاویٰ محمودیہ ۸/ ۲۸۱)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: جب کہ پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں شادی میں ممنوعات موجود ہیں تو اس شرکت سے انکار کر دیا جائے خاص کر مقتداء (عالم، امام وغیرہ) کو شریک نہیں ہونا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۶۰۷)

ولیمہ کی دعوت اجتماع زوجین کے بعد کھلائی جاتی ہے، دولہا، دولہن ملیں اس روز صبح کو یا دوسرے دن شادی کی خوشی میں پڑوسی خویش واقارب، دوست واحباب کو جمع کر کے جن میں فقراء وعلماء بھی ہوں، خلوص نیت کے ساتھ حسبِ حیثیت جانور ذبح کر کے یا کچھ کھانا پکا کر کھلائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۲۵،۱۲۶)

ولیمہ کے فوائد وحدود کو بیان کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں: ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا اظہار شکر وسرور وخوشی کا سبب ہے، اور آدمی کو مال خرچ کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کی پیروی کرنے سے سخاوت کی عادت وخصلت پیدا ہوتی ہے اور بخل کی عادت جاتی رہتی ہے، اس کے علاوہ بہت سے فوائد ہیں، اس سے بیوی اور اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک پایا جاتا ہے؛ کیوں کہ اس کے لیے مال کا خرچ کرنا اور لوگوں کو اس کے لیے جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت ہے، اسی وجہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف رغبت اور حرص دلائی اور خود بھی اس کو عمل میں لائے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولیمہ کی بھی حد مقرر نہیں کی؛ مگر اوسط درجہ کی حد ''بکری'' ہے، اور آپ نے حضرت صفیہ کے ولیمہ میں لوگوں کو ''مالیدہ'' کھلایا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کا ولیمہ دو مد ''جو'' سے بھی کیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو ولیمہ مسنونہ میں بلایا جائے تو چلا جائے۔ (اسلامی شادی: ۲۵۶)

نیز ولیمہ کا مسنون طریقہ تحریر فرماتے ہیں: ولیمہ کا طریقۂ مسنون یہ ہے کہ بلا تکلف وبلا تفاخر (بغیر فخر کے) اختصار کے ساتھ جس قدر میسر ہو جائے اپنے خاص لوگوں کو کھلا دے، مسنون ولیمہ کے حدود وشرائط بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: ولیمہ اسی حد تک مسنون ہے جس کو اسلام نے متعین کیا ہے: (۱) جس میں غرباء بھی ہوں

(۲) اور حسب طاقت اپنی حیثیت کے مطابق ہو (۳) سودی قرض سے نہ کیا گیا ہو۔ (۴) ریا اور سمعہ (ناموری) کا دخل نہ ہو (۵) تکلفات نہ ہوں (۶) خالص لوجہ اللہ ہو، وہ ولیمہ مسنون ہے۔ (اسلامی شادی: ۲۵۶، ۲۵۷)

دعوتِ ولیمہ کے لیے مدعو کئے جانے والے حضرات کی تعداد کے سلسلہ میں کوئی تصریح نہیں، اوپر بیان کردہ شروط وحدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے کم وزیادہ جتنے آدمیوں کو چاہے دعوت دی جاسکتی ہے۔

دعوت ولیمہ میں مدعو کئے جانے والے غرباء وفقراء کی تعداد فیصد کے اعتبار سے کتنی ہو اس کی بھی تعیین شریعت نے نہیں کی، اصل یہ ہے کہ کسی غریب یا فقیر کو اس کے غریب اور فقیر ہونے کی وجہ سے دعوت سے محروم نہ کیا جائے مثلاً: عام طور پر آدمی دعوت میں رشتہ داروں کو مدعو کرتا ہے گویا رشتہ داری مدعو کرنے کی وجہ ہوئی، اب ایک آدمی مالدار رشتہ داروں کو تو دعوت دیتا ہے؛ لیکن غریب رشتہ داروں کو باوجود رشتہ داری کے محض اس لیے کہ وہ غریب ہیں مدعو نہیں کرتا تو یہ طریقہ شریعت کی نگاہوں میں بہت برا ہے۔

③ بارات سے متعلق پوچھے گئے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: نکاح ایک عبادت ہے اس کو سنت طریقہ پر ادا کرنا چاہیے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ چند متعارف ومخصوص لوگوں کو بلا کر ان کے مجمع میں ایجاب وقبول کرادیا جائے، مسجد میں ہو تو اور اچھا ہے، پھر لڑکی کو دولہا کے مکان پر پہنچادیا جائے، اگر دوسری بستی میں پہنچانا ہو تو حفاظت کے خاطر حسبِ موقع دولہا اور دولہن کی طرف سے لوگ بھی ہمراہ ہوں تو مناسب ہے۔

پہلے عامۃً بیل گاڑی کا سفر ہوتا تھا اور سامان جہیز کے متعلق چور، ڈاکوؤں کا خطرہ

ہوتا تھا، اس لیے اس وقت کے مدبرین نے تجویز کیا تھا کہ ہر گھر سے ایک آدمی ساتھ جائے؛ تاکہ کسی کے گھریلو مصالح فوت نہ ہوں اور سامان وغیرہ کی حفاظت بھی ہو جائے اور سہولت سے سفر پورا ہو جائے، اس مجمع کا نام ''بارات'' تھا، جب وہ لڑکی کے مکان پر آتے تھے اور شادی کے مصالح کے لیے آتے تھے تو ان کو کھانا بھی کھلایا جاتا تھا، مستقلاً لڑکی والے کے مکان پر کھانا لازم کرنا جیسا کہ آج کل عام دستور ہو گیا ہے یہ ثابت نہیں کہ جس شان سے لڑکے والے کھانا کھلاتے ہیں اس شان سے لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھایا جائے، اس طریقہ کو ترک کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۱۹۹)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یہ ممکن ہے کہ کسی عمل کو ایک زمانہ میں جائز کیا جائے؛ کیوں کہ اس وقت اس میں کراہت وممانعت کے وجوہ نہیں تھے، اور دوسرے زمانہ میں ناجائز کہہ دیا جائے؛ اس لیے کہ اس وقت کراہت وممانعت کی علت پیدا ہوگئی، یا ایک مقام پر اجازت دی جائے اور دوسرے ملک میں منع کر دیا جائے۔

یا اسی فرق کی وجہ سے ایک مفتی صاحب جائز کہے (کیوں کہ) اس کو اطلاع نہیں کہ عوام نے اس میں اعتقادی یا عملی کیا کیا خرابی پیدا کر دی ہے اور دوسرا مفتی اس کو ناجائز کہے کیوں کہ اس کو اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے عوام کے مبتلا ہونے کا علم ہو گیا ہے، تو حقیقت میں یہ اختلاف ظاہری ہے حقیقی نہیں، اور دونوں کے حکم وفتویٰ میں صورتاً تعارض ہے، معناً نہیں، حدیث وفقہ میں اس کے بے شمار نظائر ہیں، دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو مسجدوں میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی (کیوں کہ) اس وقت فتنہ کا احتمال نہ تھا اور صحابہ نے بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ممانعت فرما دی۔ (اصلاح الرسوم:۱۱۶، اسلامی شادی:۱۴۸، ۱۴۹)

حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک

وقت میں شادی کی یہ شان نہیں تھی جو آج کل رائج ہے، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدعو نہیں کیا؛ بلکہ خبر تک بھی نہیں کی، اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ کا واقعہ کتب حدیث میں مذکور ہے، بارات کا یہ طریقہ بڑے بوڑھوں نے اس لیے رائج کیا تھا کہ لڑکی کو جہیز کثیر مقدار میں دیا جاتا تھا اور ایک ایک چیز کی پوری نمائش کی جاتی تھی، سفر عام طور پر بیل گاڑی کا ہوتا تھا، ڈاکہ کے حادثات پیش آتے تھے؛ اس لیے بڑی بارات جایا کرتی تھی کہ جہیز وغیرہ کی پوری حفاظت ہو سکے۔

اب بارات کی کثرت مستقل فخر شمار ہوتی ہے، شادی والا دوسروں سے بڑھ کر اپنے فخر کے لیے بارات کو کھانا کھلاتا ہے، جگہ جگہ اس کا چرچا کیا جاتا ہے، یہ طریقہ شرعاً درست نہیں، نہ حیثیت سے زیادہ جہیز کی ضرورت ہے، نہ اس کی حفاظت کے لیے بڑی بارات کی ضرورت ہے، جو کھانا فخر کے لیے کھلایا جائے اس کھانے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

اب سواریوں کا انتظام بھی ہو گیا، ریل اور بس وغیرہ کا بہت عام رواج ہو گیا جو کہ پہلے عام نہ تھیں، اس لیے جو بھی لوگ اس رسم کو بند کرنا چاہتے ہیں ان کی رائے بہت قابل قدر ہے، دولہا کے ساتھ اگر ان کے خاص آدمی: باپ، بھائی وغیرہ کچھ آجائیں تو مہمان کی حیثیت سے ان کو کھانا کھلانا احترام کا تقاضہ ہے، بڑی بارات بلا کر قرض لے کر کھلانا جو شاید سودی بھی ہو ہر گز شرعاً پسندیدہ نہیں، سودی قرض لینا شرعاً جائز بھی نہیں، سود کے معاملہ پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، جو لوگ شادی کے غلط طریقہ کی اصلاح کر کے اس کو سنت طریقہ پر جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یقیناً اجر عظیم کے مستحق ہیں، حق تعالیٰ ان کی نصرت فرمائے، اصلاح الرسوم اور بہشتی زیور میں تفصیل مذکور ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۴۲۰، ۴۲۱)

نوٹ: آپ سے بھی گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں بہشتی زیور اور اصلاح الرسوم کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

آج کل عموماً باراتوں میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط، نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو ناجائز تعلقات قائم کرنے کے لیے موقع کی فراہمی اور دیگر کئی منکرات کی وجہ سے بارات کے متعلق عدم جواز ہی راجح ہے، ایسے منکرات سے خالی بارات شاذ و نادر ہی ہوتی ہے، اس لیے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تو اسے منع ہی فرماتے ہیں، پھر بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ سلسلہ جاری ہے، اگر ان منکرات سے رکتے ہوئے کوئی عالم اس میں شرکت کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے استحضار کے ساتھ خود ہی فیصلہ کرلیں۔

④ شادی میں دیئے جانے والے ہدایا کا حکم پہلے سوال کے جواب میں آچکا ہے، رہی یہ بات یہ کہ یہ ہدایا لڑکی کے شمار ہوں گے یا لڑکی کے والیوں کے؟ تو اس سلسلہ میں اگر دینے والے کی طرف سے کوئی صراحت زبانی یا تحریری (جیسا کہ عام طور پر دیئے جانے والے ہدایا پر لکھا ہوا ہوتا ہے) کی گئی ہے تو اس کے مطابق عمل ہوگا، اور اگر ایسی کوئی صراحت نہیں ہے تو عرف کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے گا۔

جو کام رسم کے طور پر انجام دیا جائے چاہے اس میں فی نفسہ کوئی خرابی نہ ہو پھر بھی اس کا رسم ہونا ہی اس کے درست نہ ہونے کے لیے کافی ہے، جیسا کہ شروع جواب میں تصریح کردی گئی ہے، منکرات والی دعوت میں علماء کی شرکت کے متعلق اوپر بتلایا جاچکا ہے۔

⑤ (۱) دعوت کھلانے کے لیے بوقت ضرورت ہال کرایہ پر لیا جاسکتا ہے بشرطیکہ آگے جواب میں کی گئی تصریح کے مطابق حدود وقیود کی رعایت کی جائے۔ (۲) اس کا بھی یہی حکم ہے؛ لیکن یہ اسراف سے خالی نہیں، اور اسراف شرعاً ممنوع ہے۔ (۳) ایضاً؛

البتہ پردہ کی رعایت کرنا ضروری۔(۴) ایضاً۔(۵) اس مقصد کے لیے مکاتب ومدارس کے تعلیمی نظام کو معطل کرنا جائز نہیں۔(٦) اس کی بھی شرائط وقیود کے ساتھ گنجائش ہے۔ (۷) کسی قسم کا بھی جبر ڈال کر کسی کی چیز سے انتفاع درست نہیں۔ لا يحل مال إمرء مسلم إلا بطيب نفس منه، او كما قال عليه السلام

⑥ اس سلسلہ میں تفصیلی ہدایات اور طریقۂ کار کی رہنمائی حضرات اکابر نظام الدین کی طرف سے بار بار دی ہی جاتی ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ''تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات'' کا مطالعہ فرمائیں، انشاء اللہ چشم کشا ثابت ہوگا۔

⑦ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: ''الأمور بمقاصدها'' اگر کوئی عالم آپ کے سوال میں تحریر فرمودہ وجہ کے پیش نظر ان منکرات پر حسبِ توفیق نکیر کرتے ہوئے نکاح پڑھاتا ہے تو گنجائش ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شادی کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا

سوال: شادی کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عبادت اور سنت سمجھ کر کرنا بدعت ہے جیسا کہ اکابر کے فتاویٰ میں ہے۔
(امداد الفتاویٰ ۵/ ۲٦۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

نمازوں کے بعد مصافحہ

سوال: ہر فرض نماز کے بعد سنت ونوافل کے بعد پانچوں اوقات میں دعا وغیرہ ہو جانے کے بعد بہت سارے نمازی امام سے مصافحہ کر کے بازو میں قطار سے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور ہر شخص اس طرح باری باری بعد از امام صاحب ہر کھڑے ہونے والے سے مصافحہ کرتا ہے، یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت میں مصافحہ کا موقع صرف اول ملاقات ہے، نمازوں کے بعد مصافحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم سے ثابت نہیں؛ بلکہ یہ روافض کی ایجاد اور بدعت ہے؛ اس لیے اس سے احتراز واجب ہے؛ بلکہ حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے صراحۃً لکھا ہے کہ: اس بدعت کے مرتکب کو بذریعہ زجر وتوبیخ روکنے کی کوشش کی جائے، اگر پھر بھی باز نہ آئے تو بشرط قدرت اسے سزا دی جائے؛ البتہ جہاں روکنے کی قدرت نہ ہو وہاں روکنا ضروری نہیں۔ تفصیل شامی جلد خامس میں موجود ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۵۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ

نماز کے بعد مصافحہ اور درود شریف

سوال: نماز کے بعد مصافحہ کرتے وقت درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ملاقات کے شروع میں یعنی جیسے ہی ملاقات اور سلام وجواب ہو، اس وقت کے علاوہ

دوسرے وقت جو مصافحے کئے جاتے ہیں، مثلاً: نماز فجر و نماز عصر و نماز جمعہ یا نماز عیدین (یا ہر نماز) وغیرہ کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے، یہ غلط ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت نہیں ہے۔

شامی میں ہے:

ونقل في تبيين المحارم: عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلوٰة لكل حال؛ لأن الصحابة ما صافحوا بعد أداء الصلوٰة، ولأنها من سنن الروافض اھ ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية: أنها بدعة مكروهة، لا اصل لها في الشرع، وأنه ينبه فاعله أولا، ويعزر ثانيا، ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: أنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع أنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا في ادبار الصلوات، فحيث وضعها الشرع يضعها، فينهى عن ذلك ويزجر فاعله لما اتى به من خلاف السنة اھ

(ترجمہ) نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بعد نماز مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے، اور اس لیے بھی مکروہ ہے کہ یہ روافض کا طریقہ ہے، اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قابل کراہیت بدعت ہے، شریعت محمدی میں اس کی کوئی اصلیت نہیں، اس کے کرنے والے کو پہلی دفعہ میں تنبیہ کردی جائے، (نہ مانے تو) دوسری دفعہ میں اس کو سزا دی جائے، اور ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ ''مدخل'' میں تحریر فرماتے ہیں: یہ بھی ایک بدعت ہے، شریعت میں مصافحہ کرنے کا وقت وہ بتلایا گیا ہے، جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے، نمازوں کے بعد نہیں، پس جہاں شریعت نے مصافحہ رکھا ہے، وہیں مصافحہ کرے، اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں (مثلاً: نمازوں کے بعد)

مصافحہ کرنے سے منع کیا جائے اور کرنے والے کو جو سنت کے خلاف عمل کر رہا ہے، سختی سے منع کیا جائے۔ (شامی ۵/۳۳۶، از فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۲۱، ۳۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ، ۲۱/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

عید کی نماز کے بعد مصافحہ بدعت ہے

سوال: شوافع کے یہاں عید کی نماز کے بعد مصافحہ کا اہتمام مسنون ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوافع میں کسی نے عید کی نماز کے بعد مصافحہ کو مسنون بتلایا ہو، یہ میرے علم میں نہیں؛ البتہ شامی میں نماز کے بعد مصافحہ کو ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بدعتِ مکروہہ بتلایا ہے۔ ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة، لا أصل لها في الشرع وانه ينبه فاعلها اولاً ويعزر ثانياً (شامی ۵/۲۷۰) یعنی ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ (نمازوں کے بعد کا مصافحہ) ناپسندیدہ بدعت ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، ایسا کرنے والے کو اولاً تنبیہ کی جائے، اور (پھر بھی کرتا ہے تو) ثانیاً اس کو تعزیر کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اجتماعی ایصالِ ثواب

سوال: مسجد میں ربیع الاول کے مہینے میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر ختم

قرآن رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی بھی میت کو اپنے طور پر صدقاتِ نافلہ یا تلاوت وغیرہ کا ثواب پہنچانا ثابت ہے؛ البتہ ایصال ثواب کے لیے اجتماع کا اہتمام اور اس میں قیود ورسوم بدعت اور ناجائز ہے۔(کفایت المفتی ۹/۱۰۵-۹/۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایصال ثواب اور قرآن خوانی کا جواز وعدم جواز

سوال: اسلام میں اور جمہور علمائے امت کے نزدیک کوئی بھی شخص کہیں سے بھی کسی کے لیے خواہ زندہ ہو یا مردہ ایصال ثواب کر کے بخش سکتا ہے، لیکن علمائے دیوبند اجتماعی قرآن خوانی عرس وغیرہ کو بدعت اور خلاف شرع کہتے ہیں، یہاں گذشتہ دنوں اخبارات میں سالانہ فاتحہ خوانی کے نام سے ایک مراسلہ کے ذریعے خانقاہ رحمانیہ مونگیر میں سالانہ فاتحہ خوانی مولانا محمد علی مونگیری مولانا منت اللہ رحمانی دیگر حضرات کے مریدین متوسلین ومعتقدین کو تاریخ متعین کر کے خانقاہ رحمانی میں آنے کی دعوت دی جاتی ہے تو کیا اس طرح سالانہ فاتحہ خوانی کرنا درست اور صحیح ہے جب کہ علمائے دیوبند کے کسی بھی ادارے میں اس طرح کا معمول اور طریقہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رسم ورواج کی پابندی اور برادری کی مروت اور دباؤ کے بغیر اور مخصوص تاریخ اور دن معین کیے بغیر اور دعوتی اہتمام اور اجتماعی انتظام کے بغیر میت کے متعلقین خیر خواہ اور عزیز واقارب ایصال ثواب کی غرض سے جمع ہو کر قرآن خوانی کریں تو یہ جائز ہے ممنوع

نہیں۔ (عینی شرح ہدایہ ا) (فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۸۹) یہ تو نفس قرآن خوانی کا حکم ہے جس کے ساتھ خلاف سنت اہتمام اور دعوتی التزام برادری رسم ورواج کی پابندی اور بدنامی کا ڈر وغیرہ خرابیاں شامل نہ ہوں ورنہ یہ رسمی قرآن خوانی ثواب کے بدلے عذاب کا سبب بن سکتی ہے جب لوجہ اللہ نہ ہونے کی وجہ سے خود بھی مستحق ثواب نہیں بنتا تو میت کو کیا بخش دے گا۔ مجالس ابرار میں ہے کہ دنیاداروں کی اتباع یا مطلب پورا کرنے یا لعن طعن کے ڈر سے یا رسم ورواج کی پابندی کی خاطر کوئی کام کیا جائے تو ریا ہے اور عبادت میں ریا حرام ہے شامی میں رواجی قرآن خوانی اور رسمی تقریبات کے متعلق معراج الدرایۃ کے مصنف فقیہ علامہ قیام الدین (المتوفی ۷۴۹ھ) کا قول نقل کیا گیا ہے: هذه الأفعال كلها للسمعة والريا فيحترز منها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ (یعنی) یہ سارے افعال محض دکھاوے اور نام ونمود کے لیے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے بچنا چاہیے کیوں کہ ایسے رواجی کاموں میں للّٰہیت نہیں ہوتی۔ (شامی ۱/۸۴۲) حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا ایسا طریقہ بتایا ہے جو آسان ہے اخلاص سے بھرا ہوا شک وشبہ سے محفوظ، فرماتے ہیں جس طریقہ سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے یہ صورت مروجہ تو ٹھیک نہیں، ہاں! احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچا دیں باقی اجتماعی صورت اس میں بھی مناسب نہیں چاہے تین بار قل ہو اللہ ہی پڑھ کر بخش دیں جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کیے جائیں اس میں اکثر اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا خلوص اور نیت دیکھی

جاتی ہے چناں چہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا ایک صحابی ایک مد کھجور خیرات کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا دے تو وہ اس درجے کو نہیں پہنچتا یہ فرق خلوص اور عدمِ خلوص ہی کا ہے کیوں کہ جو خلوص ایک صحابی کا ہوگا وہ غیر صحابی کا نہیں ہوسکتا۔

(انفاس عیسیٰ ۱/ ۲۱۵)۔(فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/ ۳۹۱-۳۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد خانپوری، ۱۸/ شوال ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اجتماعی ایصالِ ثواب سے بچنے کا طریقہ

سوال: ہم گجراتی، جن کے باپ دادا یہ کام کرتے آتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے، تو تیسرے، چوتھے روز لوگوں کو جمع کرکے قرآن پاک کی تلاوت فرما کر مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اگرچہ اس عمل کو معین دن اور وقت اور اہتمام کی بناء پر علمائے دیوبند منع فرماتے ہیں؛ لیکن یہی گجراتی حضرات ہندوستان چھوڑ کر یہاں انگلینڈ پہنچے اور ساتھ ساتھ وہ طور وطریق جو وطن میں کرتے تھے، وہ ساتھ لائے؛ لیکن یہاں اس میں تھوڑی سی اصلاح ہوئی، اور وہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی کے یہاں پر انتقال ہوتا ہے، یا ہندوستان میں اپنے کسی عزیز اور رشتہ داروں کی انتقال کی خبر آتی ہے، تو خاص کر جمعہ کے دن اور گاہے گاہے کسی دوسرے دن مسجد کے امام صاحب اعلان فرماتے ہیں کہ مرحوموں کے ایصالِ ثواب کے لیے یٰسین شریف کا ختم ہوگا، اس اعلان کے بعد جن صاحبان کے پاس فرصت اور وقت ہو، وہ مسجد میں نماز کے بعد بیٹھ جاتے ہیں اور وہ بھی سو میں سے

پانچ فی صد بیٹھتے ہیں اور پانچ دس منٹ بیٹھ کر یٰسین پاک پڑھتے ہیں اور دعا فرما کر مجلس برخواست ہو جاتی ہے اور اس کے بعد کوئی شیرینی وغیرہ کی تقسیم نہیں ہوتی، اور مرحوموں کے گھر جا کر کھانا وغیرہ کا اہتمام نہیں ہوتا، اور تیسرے چوتھے روز گھر پر جمع ہو کر جو اہتمام وطن میں کرتے تھے، وہ ختم ہو گیا اور لوگ اطمینان کر لیتے ہیں کہ ہم نے ہمارے مرحوموں کے لیے ایصال ثواب کر لیا، مزید اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔

نوٹ: یہ اعلان بعض مرتبہ مسلسل کئی جمعہ تک چلتا ہے؛ کیوں کہ یہاں پر علاقہ میں بہت سارے دیہاتوں کے لوگ رہتے ہیں اور کسی نہ کسی کے انتقال کی خبر آتی رہتی ہے، اس لیے مسلسل چلتا ہے، اس کے باوجود کوئی جمعہ خالی بھی ہو جاتا ہے، اور جمعہ ہی کو یہ اعلان ہو، یہ ضروری نہیں ہے، دوسرے دنوں میں بھی چل سکتا ہے؛ لیکن جمعہ کو زیادہ تر اعلان اس لیے ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن لوگ زیادہ جمع ہوتے ہیں، ورنہ دوسرے دنوں میں بھی اعلان ہو سکتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا ہوتا بھی ہے، اب اس معاملہ میں ہمارے یہاں ایک نوجوان عالم دین جو جلال آباد سے فارغ ہو کر تشریف لائے ہیں، اور ہمارے یہاں دین کی خدمت ادا کرتے ہیں، انھوں نے اعلان کیا کہ ہمارے یہاں یہ طریقہ جو اعلان کر کے جمع ہو کر یٰسین شریف پڑھتے ہیں، یہ بدعت ہے، اس کو بند کرو، تو اس طرح اعلان کر کے جمع ہو کر پڑھنا بند کر دیا۔ لیکن لوگوں کو ان کے اس اعلان پر اطمینان نہیں؛ کیوں کہ جب دوسرے علمائے کرام جو یہاں پر ہیں، اور وہ علمائے کرام جو ہند و پاک سے تشریف لاتے ہیں، ان میں سے بعض اور وہ بھی جید اور سالہا سال سے بڑی بڑی درسگاہوں میں خدمت پر مامور ہیں، ان سے اس بارے میں سوال کرتے ہیں، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ پڑھ سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور ساتھ ساتھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر یٰسین شریف اس طرح پڑھنا بدعت ہے، تو یٰسین شریف پڑھنے کا اہتمام دار العلوموں اور خانقاہوں اور مرکزوں میں ہوتا ہے اور پڑھتے ہیں تو اگر یہ بدعت ہو تو پھر یہ دار العلوموں میں اور خانقاہوں میں اور مرکزوں میں کیوں پڑھتے ہیں؟ ان وجہوں کی بناء پر لوگوں کو اطمینان نہیں ہے! ہاں بعض ایسے بھی ہیں، جو ہمارے اسی عالم دین کے ہم خیال ہیں، ساتھ جن لوگوں کو اطمینان نہیں ہے وہ، اور وہ لوگ جو اپنے مرحوم کے ایصال ثواب خود نہیں کرسکتے، انھوں نے وہی اہتمام جو وطن میں کرتے تھے، اس کو پھر اپنے گھروں میں شروع کردیا، یعنی تیسرے چوتھے روز لوگوں کو گھروں میں جمع کرتے ہیں اور قرآن خوانی کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ دودھ اور کھانا پینا شروع ہوگیا ہے اور بعض بعض جگہ پر بدعتی مسجد کے امام اور بچوں نے ہمارے صحیح العقائد کے گھروں میں آکر ختم پڑھنا اور دعا کرنا شروع کردیا ہے، کیوں کہ وہ تو کام اور اہتمام کے عادی ہیں اور ہمارے بچے اور علماء کسی کے گھر پر جاتے نہیں ہیں، یٰسین شریف اسی طرح پڑھنا بدعت ہے، تو اس سے بڑی بڑی بدعتیں جو ہمارے یہاں ہمارے گھروں میں یہاں پر پہلے نہیں تھی، وہ شروع ہوگئی، تو دو بڑی مصیبتیں ہو، تو چھوٹی اور آسان کو اختیار کرلو، تو اگر یہ دونوں بدعتوں میں ہو تو چھوٹی اور آسان بدعت کر لینے سے بڑی بڑی بدعتوں سے بچ جانا اچھا ہے، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی زید مجدھم کے فتاویٰ محمودیہ ۶ / ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷ کے سوال و جواب سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رسم ورواج کی پابندی اور برادری مروت اور دباؤ کے بغیر اور کوئی مخصوص تاریخ

اور دن معین کئے بغیر اور دعوتی اہتمام اور اجتماعی التزام کے بغیر، میت کے متعلقین، خیر خواہ اور عزیز واقرباء ایصالِ ثواب کی غرض سے جمع ہو کر قرآن خوانی کریں، تو یہ جائز ہے، ممنوع نہیں۔ (عینی شرح ہدایہ اول منقول از فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۳۸۹)

یہ تو نفس قرآن خوانی کا حکم ہے، جس کے ساتھ خلاف سنت اہتمام اور دعوتی التزام، برادری رسم ورواج کی پابندی اور بدنامی کا ڈر وغیرہ خرابیاں شامل نہ ہوں، ورنہ یہ رسمی قرآن خوانی ثواب کے بدلہ عذاب کا سبب بن سکتی ہے۔ (ایضاً ۱/ ۳۹۱)

آپ کے ہاں جو قرآن خوانی ہوتی ہے وہ رسمی ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ وہاں کے مقامی متدین، ماہرِ شریعت اور عوامی نفسیات سے واقف اہلِ حق علماء کر سکتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کا ایسا طریقہ بتایا ہے جو آسان ہے، اخلاص سے بھرا ہوا، شک وشبہ سے محفوظ۔ فرماتے ہیں: جس طریقہ سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے، یہ صورت مروجہ تو ٹھیک نہیں، ہاں! احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچا دیں، باقی اجتماعی صورت اس میں بھی مناسب نہیں، چاہے تین بار قل ھو اللہ ہی پڑھ کر بخش دیں، جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا، یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کئے جائیں، اس میں اکثر اہلِ میت کو جتلانا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا، خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے؛ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: میرا ایک صحابی ایک مد کھجور خیرات کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا تو وہ اس درجہ کو نہیں پہنچ پاتا، یہ فرق خلوص وعدمِ خلوص ہی کا تو ہے، کیوں کہ جو خلوص ایک صحابی کا ہوگا، وہ غیر صحابی کا نہیں ہو سکتا۔

(انفاسِ عیسیٰ ۱/ ۲۱۵، منقول از فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/ ۳۹۱، ۳۹۲)

کسی بدعت سے بچنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ دوسری بدعت کی اجازت دے دی جائے؛ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ حضراتِ علماء، جو وہاں مقامی دینی کام کے ذمہ دار ہیں، وہ جد و جہد کر کے لوگوں کے دلوں میں بدعت کی قباحت و نحوست جمائیں اور اتباعِ سنت کی ترغیب و ترویج کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

رسمی قرآن خوانی

سوال: جب کسی کا انتقال ہوتا ہے، اس کے بعد مسجدوں اور گھروں میں مجموعی طور پر مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لیے یٰسین شریف کے ختم کے لیے اور قرآن خوانی کے لیے باضابطہ اعلان کیا جاتا ہے اور لوگ اس کو سن کر پابندی کے ساتھ تلاوت کرتے ہوئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں کھانے پینے کی کوئی چیز تقسیم بھی نہیں کرتے، جس کو بعض لوگ بدعتوں میں شمار کرتے ہیں، لہٰذا اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

رسم و رواج کی پابندی اور برادری مروت اور دباؤ کے بغیر اور کوئی مخصوص تاریخ اور دن معین کئے بغیر، اور دعوتی اہتمام اور اجتماعی التزام کئے بغیر، میت کے متعلقین، خیر خواہ اور عزیز و اقرباء ایصالِ ثواب کی غرض سے جمع ہو کر قرآن خوانی کریں، تو یہ جائز ہے، ممنوع نہیں۔ (عینی شرح ہدایہ منقول فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/ ۳۸۹)

یہ تو نفس قرآن خوانی کا حکم ہے، جس کے ساتھ خلاف سنت اہتمام اور دعوتی التزام، برادری رسم ورواج کی پابندی اور بدنامی کا ڈر وغیرہ خرابیاں شامل نہ ہوں، ورنہ یہ رسمی قرآن خوانی ثواب کے بدلے عذاب کا سبب بن سکتی ہے۔ (ایضاً ۱/۳۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ربیع الاول ۱۱ ۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

رقم لے کر قرآن خوانی کرنا

سوال: رقم روپیہ پیسہ لے کر قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن خوانی پر پیسہ لینا حرام ہے، اس طرح پڑھنے پر کوئی ثواب خود پڑھنے والے کو نہیں ملتا تو میت تک کیا پہنچے گا؟ کما فصله العلامة الشامی فی حاشیته علی الدر المختار المسماة برد المحتار ۵/ ۳۸،۳۹۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/رجب ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرآن خوانی میں ہدیہ لینا

سوال: قرآن خوانی میں مروجہ رسم کے مطابق کھانا، ہدیہ وغیرہ لینا کیسا ہے جب کہ وہ ہدیہ دوسروں کو دے دیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر خالصاً لوجہ اللہ قرآن شریف پڑھا اور اس کا ثواب پہنچایا، پڑھنے والے کے

ذہن میں اس کا خیال نہیں تھا کہ یہاں سے کچھ ملے گا، نہ پڑھانے والے کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ اس پڑھنے والے کو کچھ دینا ہوگا، نہ اس کا رواج ہے کہ پڑھنے والے کو کچھ دیا جاتا ہو؛ بلکہ بعد میں کچھ احسان پڑھنے والے کے ساتھ کر دیا، اگر یہ پیسہ نہ دیا جاتا تو پڑھنے والے کو کسی قسم کی گرانی نہ ہوتی، تو وہ پیسہ لینا جائز ہے؛ ورنہ ناجائز ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۱۴۷)

آج کل عموماً یہ تمام شرائط پائے نہیں جاتے اس لیے جائز نہیں ہے، کسی کو دینے کی نیت سے لینے سے ناجائز کام، جائز نہیں ہو جاتا، کیا کسی کو دینے کی نیت سے چوری اور ڈکیتی جائز ہو جاتی ہے؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ شوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مروجہ فاتحہ، قرآنی آیات دم کر کے اجرت لینا

سوال: مروجہ فاتحہ خوانی جائز ہے یا ناجائز؟ نیز فاتحہ خواں جو رقم یا اشیاء لیتے ہیں جس کو چراغاں اور تبرک سے موسوم کرتے ہیں نیز میلاد النبی ﷺ کے نام سے تقریر کرنا قیام کرنا اور فیس مقرر کرنا کیسا ہے؟ نیز پانی پر قرآنی آیتیں دم کرنا یا جسم پر، پھر اس کا نذرانہ لینا کیسا ہے؟ قرآن مجید پڑھ کر یا پڑھوا کر دعوت کرنا یا کھانا یا کھلانا کیسا ہے؟ کیا ان چیزوں میں جواز کی صورت ہے یا نکل سکتی ہے یا نکالی جا سکتی ہے؟ مدلل جواب سے انکشاف فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ بغیر اس کے ثواب نہیں پہنچتا یہ غلط ہے۔ کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ اس سے پرہیز ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۲۲۹)

فاتحہ خواں کا چراغاں کے نام سے رقم یا اشیاء لینا درست نہیں ہے۔ مروجہ مجلس میلاد نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ خلفائے راشدین ودیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، نہ تابعین وائمۂ مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرھم رحمہم اللہ) سے ثابت ہے، نہ محدثین (امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرھم رحمہم اللہ) سے ثابت ہے نہ اولیاء کاملین (حضرت عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ بہاء الدین نقشبندی، شیخ عارف شہاب الدین سہروردی وغیرھم رحمہم اللہ) سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۷۹)

قرآنی آیات پڑھ کر جسم پر دم کرنا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے؛ لیکن پہلے سے اجرت متعین کر لینا ہوگا تاکہ جہالت اجرت کی بناء پر اجارہ فاسد نہ ہو۔ اور اگر کچھ متعین نہیں کیا اور مانگا بھی نہیں لیکن مریض نے خود پیش کیا تو اس کو قبول کرنے کی اجازت ہے۔ آخری سوال میں قرآن مجید کس نیت سے پڑھا یا پڑھوایا جاتا ہے اس کی تصریح فرمائی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اشیاء سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کا ثبوت نہیں

سوال: ہمارے اس گاؤں میں اور اکثر بڑے بڑے شہروں میں بھی یہ طریقہ رائج ہے کہ جب فاتحہ دی جاتی ہے، تو اس وقت اشیاء کو سامنے رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے،

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بھائی! اشیاء سامنے نہیں رکھنا چاہیے، تو وہ ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ فاتحہ کے وقت اشیاء کو سامنے رکھنا مستحب ہے، حدیث یوں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوا، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو چکا ہے، کیا میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کر سکتا ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ضرور، آپ ایک کنواں کھودو، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھودا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر کہا کہ کنواں کھود دیا گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں کے پاس گئے اور کنویں کے پاس کھڑے ہو کر دعاء کی، اس حدیث کی روشنی میں ہم لوگ تو فاتحہ کے وقت اشیاء کو سامنے رکھنا مستحب سمجھتے ہیں، تو میں نے ان سے کہا کہ ہم ابھی فتویٰ منگا رہے ہیں، میں یہاں پر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ مستحب ہے یا بدعت ہے؟ یعنی فاتحہ کے وقت اشیاء کو سامنے رکھنا بدعت ہے یا مستحب ہے؟ مذکورہ حدیث کا کیا مطلب ہے؟ مزید یہ بھی بتائیے کہ فاتحہ کا کھانا، امیر لوگ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بلا التزامِ تاریخ ومہینہ وغیرہ کے نفسِ ثواب پہنچانا: قرآن کریم پڑھ کر، نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر، غرباء ومساکین کو کھانا کھلا کر، کپڑا وغیرہ دے کر بلاشبہ بہتر ومستحسن ہے؛ لیکن فاتحہ مروجہ یعنی کھانا سامنے رکھ کر قرآن شریف کی کچھ آیتیں یا سورتیں پڑھ کر، اس کھانے اور قرآن کا ثواب میت کو پہنچانا بے اصل ہے، اور بدعت وممنوع ہے، نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طریقہ تھا، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا، نہ تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کا، نہ تبعِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا، نہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا، نہ ان کی کسی کتاب میں منقول ہے، جو شخص مدعی ہے، اس سے پوچھنا

چاہیے کہ کس کتاب میں لکھا ہے؟ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۱۸۷)

آپ کو جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے، اس میں صرف اتنا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، (ان کے ایصالِ ثواب کے لیے) کونسا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پانی سب سے افضل ہے، اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے ثواب کے لیے ایک کنواں کھدوایا۔ (مشکوٰۃ شریف ۱۶۹ بحوالہ ابوداؤد ونسائی)

اس روایت میں یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنویں کے پاس جا کر دعا مانگی، یہ زیادتی من گھڑت ہے، جس نے یہ بات کہی اس سے آپ کتاب کا حوالہ طلب کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اہلِ میت کی دعوت کھانا ناجائز ہے

سوال: فاتحہ کا کھانا، یا ایصال ثواب کا کھانا، مالداروں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ جب ان حضرات سے کہا جاتا ہے کہ فاتحہ یا ایصالِ ثواب کا کھانا مالداروں کے لیے جائز نہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب کنواں کھودا، تو اس کنویں سے نہ صرف غریب؛ بلکہ امیر لوگ بھی پانی پیا کرتے تھے، لہٰذا اس سے یہی ثبوت ملتا ہے کہ فاتحہ کا کھانا یا ایصالِ ثواب کا کھانا، امیر لوگ بھی کھا سکتے ہیں، میں مفتی صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ فاتحہ کا کھانا یا ایصالِ ثواب کا کھانا امیر کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور جو حضرات کنویں کی

مثال دیتے ہیں، یہ بات کہاں تک درست ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اہلِ میت کی طرف سے کی جانے والی یہ دعوتِ مروجہ ناجائز ہے۔ بچند وجوہ: (۱) یہ حقیقت میں ہنود کی رسم ہے، پس اس میں تشبہ بالہنود ہے۔ (۲) شریعت میں غمی کے موقعہ پر دعوت مشروع نہیں۔ (۳) اس دعوت کو لازم سمجھا جاتا ہے، اور التزام مالا یلزم ناجائز ہے۔ (۴) دعوت میں جو رقم صَرف ہوتی ہے، اس میں عموماً نابالغ یتامی کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ (۵) اس دعوت سے مطلوب ریاونمود ہوتی ہے، یا لوگوں کے طعن وتشنیع کے ڈر سے دعوت کی جاتی ہے۔

اگر ایصالِ ثواب کی نیت ہوتی تو فقراء ومساکین کو مقدم سمجھا جاتا؛ حالاں کہ ہوتا یہ ہے کہ اقرباء واحباب کا اجتماع ہوتا ہے، یا پھر صاحبِ اقتدار سرمایہ دار لوگوں کی دعوت ہوتی ہے، فقراء تو صرف برائے نام ہوتے ہیں۔ (از احسن الفتاوی ملخصاً ۱/۳۵۶)

کنواں صدقۂ جاریہ ہے جیسا کہ مسجد ومدرسہ بنانا، اس پر دعوت کا قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

گیارہویں، بائیسویں، رجب، محرم اور شبِ برائت کے ساتھ چند ناجائز کام ورسومات

سوال: گیارہویں، بائیسویں، رجبہ، محرم کا کھچڑا، عرفے، عیدین، امام جعفر صادق کے کونڈے، شبِ براءت کا حلوہ اور آخری بدھ ان کی اصل حقیقت کیا ہے؟

کیا یہ سب رسوم جائز ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گیارہویں منانا بدعت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۸۷) تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ فرمالیں۔

بائیسویں رجب کو کونڈا کرنے کا جو رواج ہے یہ رسم مذہبِ اہل سنت میں محض بے اصل خلافِ شرع اور بدعت ممنوعہ ہے؛ کیوں کہ بائیسویں نہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی تاریخِ پیدائش ہے، اور نہ تاریخ وفات الخ۔ فتاویٰ محمودیہ (۱/۲۲۰، ۲۲۱) اور احسن الفتاویٰ (۱/۳۶۷) تفصیل دونوں جگہ موجود ہے۔

رجب سے مراد اگر یہی ہے تو اس کا حکم ظاہر ہے، اور کچھ ہے تو اس کی تفصیل لکھ کر حکم معلوم کرلیں، بعد میں فتاویٰ رشیدیہ میں اس کے متعلق نادرست اور بدعت کا حکم دیکھا۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۱۴۹)

محرم میں کھچڑا کی رسم کرنا ممنوع وناجائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم (عزیز الفتاویٰ) مطبوعہ کراچی ۱/۱۲۷)

شبِ براءت میں حلوہ پکانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں؛ لہٰذا ناجائز اور بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۸۵) اصلاح الرسوم ۱۳۲ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کے متعلق احسن الفتاویٰ میں ہے کہ یہ غلط اور من گھڑت عقیدہ ہے، اس لیے ناجائز اور گناہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۶۰)

عرفہ کے نام سے ۸/ ذوالحجہ کو عمدہ کھانے پکانے کو ضروری سمجھنا اور کرنا، اور عیدوں کے نام سے ۹/ ذوالحجہ کو یہی عمل کرنا، اس کی کوئی اصل نہیں، یہ رسم محض اور ناجائز ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعزیت کے اجتماع میں علماء اور عورتوں کی شرکت

سوال: ہمارے ضلع کھیڑا میں چند سالوں سے یہ رسم چلی آرہی ہے کہ آدمی کے انتقال کے بعد دو سے چار بجے کے درمیان ایک دن مقرر کر کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو خط لکھ کر بلایا جاتا ہے، جس میں عورتیں شرکت کرتی ہیں، کچھ مرد بھی ساتھ میں۔

یہ بات یاد رہے کہ جس کو خط پہنچتا ہے اس کو سماج کی رسم کے مطابق جانا ضروری ہوتا ہے، اور نہ آنے پر داعی برا مانتا ہے، پھر اس میں ہر قسم کے رسم و رواج کئے جاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ:

(الف) اس قسم کی دعوت تعزیت پر میت کے گھر جا کر مقرر دن میں اکٹھا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) چوں کہ ایسے وقت پر دینی بات سنانا کبھی مؤثر بھی ہوتا ہے، اس لیے ایسے موقعہ پر اکثر جلسۂ وعظ مقرر کیا جاتا ہے، اور مردوں اور عورتوں کو دینی وعظ سنانے کے لیے علماء یا دینی آدمی کو بلایا جاتا ہے، اب ایسی مجلس کا انعقاد شرعی ہے یا غیر شرعی ہے؟

(ت) جس مجلس کا انعقاد غیر شرعی ہے ایسی مجلس میں وعظ کہنے کے لیے جانا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں ایک عالم ایسی مجلسوں میں وعظ کہنے سے انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو جانے سے منع کرتے ہیں، آیا ان کا یہ فعل محمود ہے یا مذموم ہے؟

(ث) جو شخص اس میں شرکت کرتا ہے اور رواج دینے میں مدد کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور وہ آدمی کیسا ہے؟

(ج) ایسی چیزوں کو بند کرنے میں کون سا طریقہ موجب اجر و ثواب ہوگا؟۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(الف) اہل میت کی تعزیت یعنی ان کی تسلی اور دل جوئی کرنا، صبر کی تلقین و ترغیب دینا، اس کے اور میت کے حق میں دعا کے الفاظ کہنا مسنون ہے، اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حدیث میں ہے "من عزی مصابا فله مثل أجره" یعنی جو کوئی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے، خدائے پاک اس کو اس قدر ثواب دے گا جس طرح مصیبت زدہ کو (اس کے صبر پر)۔ (ترمذی شریف ۱/۱۲۷)

دوسری حدیث میں ہے کہ جو کوئی اپنے دینی بھائی کی مصیبت میں تعزیت کرے، تو قیامت کے روز خدائے پاک اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔ (ابن ماجہ شریف ۱۱۶)

تعزیت تین دن تک کرنی چاہیے، اس کے بعد مکروہ ہے، ہاں جس کو اطلاع نہ ہو یا تعزیت کرنے والا یا اہل میت حاضر نہ ہوں تو تین دن کے بعد بھی کر سکتے ہیں۔

(فتاوی عالمگیری ۱/۱۶۷)

مجبوری یا دوری کی بناء پر حاضر نہ ہو سکے تو بذریعۂ خط تعزیت کی جا سکتی ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تعزیت بذریعۂ خط فرمائی جب کہ ان کے لڑکے کی وفات ہوئی۔ (حصن حصین ۱۸۰)

الفاظِ تعزیت اور مضمون متعین نہیں، جدا جدا ہیں، صبر و تسلی کے لیے جو الفاظ زیادہ مؤثر ہوں ان کو استعمال کرے، بہتر یہ ہے کہ یہ الفاظ کہے جائیں: "إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَه مَا أَعْطىٰ وَكُلٌّ عِنْدَه بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ" یعنی جو لیا وہ بھی خدا کا ہے، اور جو کچھ دیا وہ بھی اسی کی ملکیت ہے، ہر چیز کا اس کے پاس ایک وقت مقرر ہے، (یعنی میت کی زندگی اتنی مقدر تھی) پس صبر اختیار کرو، اور ثواب کی امید رکھو۔ (مشکوٰۃ شریف ۱۵۰)

رسولِ خدا علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث اور فقہاء کے فرامین کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ تعزیت محض رواج دنیوی نہیں ہے کہ مرضی کے مطابق کمی بیشی کرتے رہو؛ بلکہ خاص اسلامی تعلیم اور فضیلت وثواب کا امر ہے، اس کو خصوصی ثواب اور عبادات کے امور کی طرح اسلامی تعلیم اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کے مطابق عمل میں لانا ضروری ہے، ورنہ بجائے مقبولیت کے مردودیت، اور بجائے ثواب کے عتاب وگمراہی کا کام ہو جائے گا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: تم کوئی کام بدونِ حکمِ شارع علیہ السلام کے کرو اگر چہ وہ بشکل عبادت ہی ہو، وہ عبادت نہیں؛ بلکہ گناہ ہے۔ (مکتوب ۷)

حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے: کوئی قول عمل کے بغیر قبول نہیں، اور کوئی عمل قبول نہیں جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع نہ ہو۔ (الفتح الربانی ۱۴)

تعزیت کا سنت طریقہ یہ ہے کہ میت کے گھر والوں کے ہاں دعوت اجتماع اور دیگر پابندی رسوم کے بغیر تنہا جائے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہ کا یہی طریقہ تھا، لہٰذا جو صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے کہ خاص وقت مقرر کر کے اجتماع کیا جائے، اور اس کے لیے بلایا جائے یہ بدعت ہے اور مکروہ ہے۔

زاد المعاد میں ہے: ولم یکن من هدیه أن یجتمع للعزاء، ویقرأ له القرآن لا عند قبره ولا غیره، وکل هذه بدعة حادثة مکروهة۔ یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ تعزیت کے لیے جمع ہوں اور قرآن خوانی ہو، نہ قبر کے پاس، نہ کسی اور جگہ، یہ سب باتیں بدعت ہیں، ایجاد کردہ ہیں، مکروہ ہیں۔ (زاد المعاد ۱/ ۱۵۰)

"فتاوی جامع الرموز" میں ہے: ویکره اجتماعهم عنده للتعزیة۔

یعنی تعزیت کے لیے اہل میت کے ہاں اجتماع کرنا مکروہ ہے۔ (۱/ ۱۲۸، مراقي الفلاح ۱۲۰، طحطاوی علی الدر ۱ /۶۱۲، شامی ۱ /۹۴۲)

''شرح سفر السعادۃ'' میں ہے: وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند، وقرآن خوانند وختمات خوانند، نہ بر سر گور، ونہ غیر آں، وایں مجموع بدعت است ومکروہ۔ (شرح سفر السعادۃ ۲۷۳) یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وغیرہ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لیے سوائے صلوۃ جنازہ دوسرے کسی موقعہ پر جمع ہوتے ہوں اور قرآن پڑھتے ہوں، نہ قبر پر، اور نہ دیگر کسی مقام پر، یہ تمام رواج ورسوم بدعت اور مکروہ ہیں۔

بہت سے مقامات پر گھر کے سامنے شارعِ عام پر فرش یا کرسیاں بچھا کر تعزیت کرنے والوں کے لیے نشست کا انتظام کیا جاتا ہے، اس رسم کی فقہاء نے سخت الفاظ میں تردید فرمائی ہے۔ (فتاوی عالمگیری وغیرہ)

اجتماع کی قید کے بغیر اتفاقاً لوگ کسی وقت جمع ہو گئے، اس میں کسی بزرگ نے حاضرین کے ساتھ مل کر دعا کرلی، یہ مذکورہ رواجوں میں شامل نہیں ہے۔ ریاکاری سے ثواب برباد ہو جاتا ہے۔

مجالس الابرار میں ہے: أما موافقة أهل الدنيا لحاجته عندهم، أو خوف اللوم، أو اتباع العادة، أو نحو ذلك وفساد الكل ظاهر، لأن كل ذلك رياء، والرياء بالعبادة حرام یعنی دنیاداروں کی اتباع اور پیروی، اور رسم ورواج کے خاطر یا لوگوں کی ملامت سے بچنے کے لیے کوئی کام کیا جائے تو وہ ریاء ہے، اور ریاء عبادت میں حرام ہے۔ (ص ۱۹-۱۴۱)

شامی میں ''معراج الدراية شرح هداية'' کے مصنف علامہ قیام الدین رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۷۴۹ھ) کا قول منقول ہے: وأطال ذلك في المعراج وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها، لأنهم لا يريدون بها وجه الله
یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں، ان میں للّٰہیت نہیں ہوتی، ان سے احتراز کیا جائے۔

(۱/ ۸۴۲، از فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۳۳۰ تا ۳۳۴ مختصراً)

نیز عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالسِ وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالسِ وعظ اور جماعت نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے، تو مجالس تعزیت میں سفر کر کے جانے کی اجازت کیوں کر ہوگی؟ باوجودیکہ نمازِ پنج گانہ اور عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عورتیں جاتی اور شریک ہوتی تھیں، اور یہ جماعتیں فرائض کی جماعتیں ہیں، اور شعائرِ اسلام میں سے ہیں؛ مگر اختلافِ زمانہ اور تغیر حالات کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ عظام رحمۃ اللہ علیہم نے عورتوں کو ان جماعتوں سے روک دیا، اور ائمۂ حنفیہ نے بالاتفاق عورتوں کے جماعت میں جانے کو مکروہ فرما دیا۔ (کفایت المفتی ۵/ ۳۹۴) تو ہر سمجھ دار شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب فرائض کی جماعتوں کا یہ حکم ہے تو تعزیت کی مجلسوں میں جانا عورتوں کو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

(ب) جب یہ اجتماع جائز و درست نہیں تو اس کو بنیاد بنا کر وعظ کی مجلس قائم کرنے کی اجازت بھی نہیں؛ بلکہ جلسۂ وعظ کے نام سے ان اجتماعات کی ترویج لازم آتی ہے جس کی قباحت ظاہر ہے۔

(ت) اس اجتماع کو منعقد کرنے والوں کی طرف سے قائم کی جانے والی مجلسِ وعظ میں ان کی دعوت پر وعظ کہنے کے لیے نہ جائے؛ البتہ اگر کوئی عالم اپنے طور پر امر بالمعروف

ونہی عن المنکر کے ارادے سے وہاں پہنچ کر اس اجتماع کی خرابیوں کو بیان کردے تو محمود ہے؛ لیکن اجتماع بلانے والوں کی دعوت پر جانا یا اس اجتماع کی خرابیوں کو بیان کرنے کے بجائے دیگر امور کو بیان کرنا تو ان کے تعاون کے مترادف ہے۔

(ث) جو اس میں شرکت کرتا ہے وہ گناہ میں بھی شریک ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم، ﴿لا تركنوا إلى الذين ظلموا﴾ ﴿فلا تقعد بعد الذكرىٰ مع القوم الظلمين﴾

(ج) لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام وفرامین سے واقف کیا جائے، اتباعِ سنت کی اہمیت وضرورت پر زور دے کر رسم ورواج اور بدعت کی قباحت وبرائی سے ان کو آگاہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیجہ کے روز رشتہ داروں کا دعوت پر جمع ہونا

(سوال): ہمارے یہاں کاٹھیاواڑ میں میت کے انتقال کے تیسرے یا پانچویں دن ایک تاریخ مقرر کر کے میت کے ورثاء باہر کے رشتہ داروں کو خط کے ذریعہ بلاتے ہیں، اور یہ تاریخ اس لیے طے کی جاتی ہے کہ آج کل مصروفیت کے دور میں ایک وقت میں اکثر رشتہ دار جمع ہو کر تعزیت کرتے ہیں، اس کے بعد میت والے کے گھر کھانا کھاتے ہیں تو باہر سے آنے والے مہمان اس طرح کا کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز میت کے ورثاء ان مہمانوں کی میزبانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعزیت کرنے کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

عن النبی ﷺ أنه قال: "ما من مؤمن یعزی أخاه بمصیبة إلا کساه اللہ سبحانه من حلل الکرامة یوم القیامة"۔ یعنی جو شخص مصیبت و پریشانی کے وقت اپنے بھائی کو تسلی دے اور اس کی تعزیت کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔ (ابن ماجہ شریف ۱۱۶)

نیز حدیث میں ہے: "من عزی مصابا فله مثل أجره" یعنی جو شخص مصیبت زدہ کی تعزیت کرے، خدا تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دے گا جتنا مصیبت زدہ کو (اس کے صبر کرنے پر)۔ (ترمذی شریف ۲/۱۲۷)

نیز حدیث میں ہے: قال رسول اللہ ﷺ: "من عزّیٰ ثکلی کُسِیَ بُرْدا فی الجنة"۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسی عورت کی تعزیت کرے جس کا بچہ مر گیا ہو تو اس کو جنت میں چادر اڑھائی جائے گی۔ (ترمذی شریف ۲/۱۲۷)

مجبوری یا دوری کی بناء پر بذاتِ خود حاضر نہ ہو سکے تو بذریعۂ خط بھی تعزیت کرے کہ یہ بھی سنت ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ کی وفات پر تعزیتی خط لکھا تھا، آپ ﷺ کا وہ خط حصن حصین میں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۴۲)

لیکن تعزیت کے لیے شریعت مطہرہ نے کوئی دن متعین نہیں فرمایا ہے، اس لیے اس کے لیے دن کی تعیین اور اس موقعہ پر دعوت کا انتظام حکم شریعت میں زیادتی ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔

میت کے گھر والوں کی طرف سے کی جانے والی اس دعوت کو فقہاء نے بدعت و ممنوع لکھا ہے، صحابیٔ رسول ﷺ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ - یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم - میت کے اہل خانہ کے پاس جمع ہونے اور ان کی طرف سے کھانے وغیرہ

کے انتظام کو نیاحت (یعنی نوحہ خوانی جس کی صاف ممانعت حدیث میں آئی ہے وہ) سمجھتے تھے۔

شامی میں ہے: ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، وهی بدعة مستقبحة، روی الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحیح عن جریر بن عبدالله قال: کنا نعدّ الاجتماع إلی أهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة، وفی البزازیة: ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع الخ (شامی ۱/ ۶۰۳)

مصروفیت کا عذر لچر اور بودہ ہے، آپ کے بقول اس طرح کرنے سے میت کے اہل خانہ کو سہولت ہوتی ہے تو دوسری طرف جب اطلاع دی جاتی ہے تو رشتہ دار اور متعلقین وہاں جانا ضروری سمجھتے ہیں کہ نہ جانے کی صورت میں میت کے اہل خانہ کی ناراضگی کا ڈر لگا رہتا ہے، اور ان کو اپنے ضروری کام اور بنے بنائے پروگرام کو ترک کر کے وہاں جانا پڑتا ہے اور وہ زحمت ومشقت میں پڑتے ہیں۔ وغیر ذلك من الخرافات۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

چالیسواں کرنا

سوال: ہمارے علاقے میں کسی کے انتقال کے بعد چالیس دن بعد چالیسواں کے نام سے کھانا کھلایا جاتا ہے، پوچھنے پر کہتے ہیں کہ مرحوم صاحب کے ثواب کے لیے ہے، اس میں شریک ہونا اور اسی طرح چالیس دن بعد ہی کرنا کہاں تک درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ادلۂ شرعیہ سے ثابت نہیں، فقہا نے اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے، اس لیے اس کو ترک کیا جائے، اپنی طرف سے تخصیصات وتقییدات نہ کی جائیں۔

(فتاویٰ محمودیہ:۱/۲۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

تیجہ اور چالیسویں کا کھانا کھانا

سوال: اگر کسی کا ختم پڑھا جائے ایک ہفتہ کے بعد یا چالیسویں دن، اگر ختم کے بعد کچھ تقسیم کرے اس کا کھانا کیسا ہے اور پینا کیسا ہے؟ یا جس دن انتقال ہو گیا ہو اس دن ختم کے بعد کھانا پینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایصال ثواب کے لیے کسی تاریخ یا دن کی تعیین بدعت ہے، اسی طرح ایصال ثواب کے لیے قرآن پاک ختم کرا کے بطور معاوضہ کھانا کھلانا درست نہیں، اس سے ثواب نہیں ہوتا؛ بلکہ گناہ ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انتقال کے بعد کھانا کھلانے کی شرعی حیثیت

سوال: میت کے انتقال کے کچھ ایام بعد محلہ یا بستی کے معصوم بچوں کو عام طور پر کھانا کھلایا جاتا ہے تو کیا اس طرح کھانا کھلانے میں کوئی شرعی قباحت ہے، یہ یاد رہے کہ اس کھلانے کو لازم نہیں سمجھا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کھانا کھلانا اگر خلوص کے ساتھ ہو تو اجر و ثواب کا کام ہے چاہے بچوں کو کھلایا جائے

یا بڑوں کو۔اس لیے اس کو لازم سمجھے بغیر یا کسی دن یا تاریخ کی تخصیص کے بغیر کھانا کھلانا درست ہے اور اس کا ثواب بھی میت کو پہنچایا جا سکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اجتماعی ختمات کو ضروری سمجھنا

سوال: ہمارے مدرسہ میں گورکھپور سے ایک عالم دین آئے، انہوں نے کہا کہ ان کے زیرِ اہتمام مدرسہ میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ بعد مغرب سورۂ واقعہ اور بعد فجر سورۂ یٰس خصوصاً طلباء و مدرسین اجتماعی طور پر پڑھ کر اجتماعی دعاء مانگتے ہیں؛ تا کہ مدرسہ کی ضروریات پوری ہو سکیں، اور مدرسہ ترقی کرے، پھر ان کے اس تذکرہ پر ہمارے مدرسہ میں بھی یہ اہتمام شروع ہوا کہ بعد فجر طلباء و مدرسین اور بعض مصلیان اجتماعی طور پر بیٹھ کر ایک بار سورۂ یٰس پڑھ کر اجتماعی دعا مانگنے لگے، جس میں شروع میں تو مدرسین بھی شریک ہوتے تھے؛ لیکن اب مدرسین شریک نہیں ہوتے تو خصوصاً مدرسین پر شریک ہونے کے لیے وہ مصلیان جو شریک ہوتے ہیں اصرار کرتے ہیں، اور نہ شریک ہونے پر ناگواری کا اظہار کرتے ہیں۔لہٰذا مندرجۂ بالا عمل کی شرعی حیثیت مدلل واضح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سوال میں مذکور عمل میں شرکت کے لیے حضراتِ مدرسین پر بعض مصلیان کی طرف سے اصرار اور عدم شرکت کی وجہ سے ناگواری کا اظہار اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضرات

اس عمل کو ضروری سمجھ رہے ہیں؛ حالاں کہ اس اجتماعی شکل میں نہ وہ ضروری ہے، نہ ہی سنت یا مستحب؛ بلکہ ایک مباح کا درجہ رکھتا ہے؛ لیکن ان مصلیان کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے اس کی اباحت کی حیثیت بھی ختم ہو کر بدعت کے درجہ میں داخل ہو گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

ختم خواجگاں بدعت نہیں

سوال : فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/ ۳۵۶ پر لکھا ہے: مجالس الابرار میں ہے کہ ایک جماعت مغرب کے بعد بیٹھا کرتی تھی اور ان میں سے ایک شخص کہتا کہ اتنی بار اللہ اکبر کہو اور اتنی بار سبحان اللہ کہو اور اتنی بار الحمد للہ کہو اور لوگ اس کے موافق پڑھتے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور وہ جس انداز میں پڑھتے تھے آپ رضی اللہ عنہ نے سن لیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں عبد اللہ بن مسعود ہوں۔ "قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بے شک یا تو تم نہایت تاریک بدعت میں مبتلا ہو گئے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے بھی علم میں بڑھ گئے یعنی جو تم کرتے ہو یا تو تاریک بدعت ہے یا تم نے وہ بات پائی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی ہاتھ نہ آئی تھی خواہ بے خبری سے یا سستی سے، پس تم طریق عبادت کے علم میں ان سے بھی غالب نکلے، دوسری صورت ناممکن ہے، پس پہلی صورت یعنی اس کا بدعتِ سیئہ ہونا ہی متعین ہے۔

(مجالس الابرار ۱۲۵ مجلس ۱۸/ فی احکام البدعۃ)

غور کیجیے: تسبیحات پڑھنے میں کس کو اعتراض ہو سکتا ہے؛ مگر چوں کہ پڑھنے کا طریقہ اور اس کا التزام موافقِ سنت نہیں تھا، اس وجہ سے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔(فتاوی رحیمیہ کی عبارت پوری ہوئی)۔

اسی طرح کی ایک مثال ہمارے مدرسہ میں ہے کہ فجر کی نماز کے بعد ایک کلاس میں بچوں کو جمع ہونے کو کہا گیا اور ایک آدمی کہتا ہے کہ دس مرتبہ درود شریف پڑھو، پھر سب اس کے موافق پڑھتے ہیں اور کہتا ہے کہ سورۂ الم نشرح دس مرتبہ پڑھو یا ہاتھ میں جتنے کنکر ہیں اتنی مرتبہ پڑھو، اسی طرح اور آگے الفاظ ہیں، یہ ختمِ خواجگان ہے جو کہ آپ سے پوشیدہ نہیں، اور اس سے بڑی پریشانیاں دور ہوتی ہیں اور مالی حالت ٹھیک ہوتی ہے، اور علمائے صوفیاء اس پر مداومت کرتے ہیں، بندہ اس کو مانتا ہے؛ لیکن یہ صورت تو بدعت ہی کی ہوگی جیسے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے ثابت ہے، اور دوسرا یہ کہ ختمِ خواجگان میں لزوم اور اصرار نہ ہونا چاہیے، اور اس مدرسے میں لزوم اور اصرار پایا جاتا ہے؛ اس لیے کہ بچوں کو بیٹھنے اور نہ بیٹھنے کا اختیار نہیں، اگر اختیار ہو بیٹھنے اور نہ بیٹھنے کا تو لزوم اور اصرار نہ پایا جائے گا جیسے کہ گنگوہ کے مدرسہ میں ہے، اور اس مدرسے والوں کا لزوم اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی بچہ نہ بیٹھا تو ان کی پکڑ کی گئی کہ آپ کیوں نہ بیٹھے؟ یہ سوال کرنا کہ (کیوں نہ بیٹھے) لزوم و اصرار کو ثابت کرتا ہے، براہِ کرام جواب عنایت فرمائیں بندہ شکر گذار ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی امر کے بدعت اور ممنوع بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا شرعاً ثبوت بھی نہ ہو اور اسے دینی حکم بنالیا جاوے، ختمِ خواجگان اوراد و وظائف کے قبیل سے ہے، یہ کوئی خلافِ شریعت کلمات پر مشتمل نہیں ہے، پس اس کے پڑھنے سے کوئی نقصان وحرج نہیں؛ البتہ اسے شرعی حکم کی حیثیت نہ دی جاوے۔(خیر الفتاوی ۱/۳۳۹)

بعض مدارسِ عربیہ میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے، مناسب تو یہی ہے کہ اس کے لیے جبر نہ کیا جائے؛ لیکن اگر بغرضِ تربیت پکڑ کی جاتی ہے تو یہ دلیلِ لزوم نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ معاملہ صرف طلبہ کے ساتھ ہوتا ہے، اگر اس وقت وہاں دوسرے لوگ موجود ہوتے ہیں تو نہ ان کی پکڑ کی جاتی ہے، نہ ان پر نکیر کی جاتی ہے، اور نہ ہی ان کے وہاں سے چلے جانے کو برا سمجھا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ طلبہ کی پکڑ لزوم واصرار کی وجہ سے نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ زیر تربیت افراد کو مستحبات (ادعیہ وآداب) کی ادائیگی کا بھی پابند کیا جاتا ہے؛ حالاں کہ یہ مسلم اصول فقہی ہے کہ مستحبات کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کرنا اس کو بدعت بنا لینا ہے؛ لیکن چوں کہ ان کی تربیت مقصود ہے؛ اس لیے ان پر پابندی لگائی گئی ہے، چناں چہ جو لوگ زیرِ تربیت نہیں ہوتے ان سے بالکل تعرض نہیں کیا جاتا۔ فافهم وتدبر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ صفر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عرس کی شرعی حیثیت

سوال: (۱) صندل وعرس کی ابتدا کب، کیسے ہوئی؟ شرعی جواز وحکم؟ اگر ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام یا حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا یا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صندل وعرس کیوں نہ کیا؟

بعد نماز روضۂ مبارکہ کی تصویر کی طرف رخ کرنا

سوال: (۲) بعض مساجد میں روضۂ مبارکہ کی تصویر لگا کر پابندی سے تصویر کی طرف رخ کر کے درود پڑھا جاتا ہے، کیا خلفائے راشدین سے یہ عمل ثابت ہے؟ اگر

نہیں تو کیا بدعت نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) زیارتِ قبور مسنون ہے، مزارات پر عبرت حاصل کرنے، دعائے مغفرت کرنے، فاتحہ خوانی، تلاوتِ قرآن وغیرہ کے لیے جانا اور بخشنا اور خیرات کرنا یہ سب جائز ہے منع نہیں ہے؛ لیکن رسمی عرس جو یومِ وفات متعین کر کے اور اس کو شرعی حکم اور ضروری سمجھ کر ہر سال اجتماعی صورت میں کیا جاتا ہے یہ ناجائز ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ اہل کتاب کا رواج ہے، اگر اسلامی رواج ہوتا تو سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عرس مناتے پھر دیگر انبیاء اور خلفاءِ راشدین کا ہوتا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لا تجعلوا قبری عیدا" میری قبر کو عید (تہوار) نہ بنائیں۔ (مشکوۃ ۸۶)

یعنی جس طرح تہوار میں لوگ ایک ہی تاریخ کو جمع ہوتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں، اس طرح میری قبر پر جمع مت ہونا، عید (تہوار) میں یہ تین چیزیں خاص کر ہوتی ہیں: (۱) تاریخ کو متعین کرنا۔ (۲) اجتماع۔ (۳) خوشیاں منانا؛ لہٰذا از روئے حدیث مزاروں پر ایک متعین تاریخ کو اجتماع کرنے کی اور رواجی خوشیاں منانے کی ممانعت ثابت ہوئی، اس لیے حدیث مذکور کی تشریح میں علامہ محمد طاہر فرماتے ہیں: لا تجتمعوا لزیارته اجتماعکم للعید؛ فإنه یوم لهو وسرور، وحال الزیارة بخلافه، وکان دأب أهل الکتاب فأورثهم القسوة (مجمع البحار ۲/ ٤٤٥)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی زیارت کے لیے مثل عید کے جمع نہ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یومِ عید تو کھیل اور خوشی کا ہے، اور زیارتِ قبر کی شان تو اس سے علیحدہ ہے، قبر پر

عرس منانے کا رواج اہلِ کتاب کا ہے، جس کی وجہ سے ان کے قلوب بھی سخت ہو گئے (زیارتِ قبور کا مقصد عبرت حاصل کرنا تھا وہ فوت ہو گیا)۔

اس لیے آں حضرت ﷺ کی قبرِ مبارک کی زیارت کا دن اور تاریخ متعین نہیں ہے، سال کے درمیان کتنے ہی مشتاق کسی بھی تاریخ کو آتے رہتے ہیں، جب آں حضرت ﷺ کے روضۂ اطہر پر عرس واجتماع نہیں ہوتا تو دیگر بزرگانِ دین کے مزاروں پر کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟

اسی لیے بزرگانِ دین، محدثین، فقہاء کرام نے صریح الفاظ میں ''رواجی عرس'' کو ناجائز بتلایا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد رشید اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے خاص خلیفہ بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ نقشبندی پانی پتی تفسیرِ مظہری میں فرماتے ہیں:

لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السروج إليها ومن اجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونها عرساً۔ یعنی جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں سے جو برتاؤ کرتے ہیں یعنی قبروں کو سجدہ کرنا اور اس کا طواف کرنا، اس پر چراغاں کرنا اور ہر سال عید کی طرح وہاں پر جمع ہو جانا جسے عرس کا نام دیتے ہیں یہ سب امور ناجائز ہیں۔

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''مقرر ساختنِ روزِ عرس جائز نیست''۔ عرس کا دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ (مسائل اربعین ۴۲)

اور مجالس الابرار میں ہے: اور قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا، اور حال یہ ہے کہ وہ مخالفت کرتے اور میلے مناتے ہیں اور اس پر ایسے جمع ہوتے ہیں جیسے عید کے لیے؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (۱۷، ۱۸)

ان تمام کتابوں کو بریلوی علماء قابلِ اعتماد اوران کے مصنفین کو مذہبی پیشوا مانتے ہیں، اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ اعتقادی خرابی کے علاوہ رواجی عرس کی عملی خرابی بھی اس حدتک پہنچ چکی ہے کہ بریلوی علماء بھی عرس میں نہ جانے کا فتویٰ دینے کے لیے مجبور ہو گئے ہیں، دیکھئے: مولوی حکیم محمد حشمت علی صاحب عرس کی بابت ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''مگر بہتر یہ ہے کہ زیارتِ پیرانِ کلیر واجمیر وغیرہ کو بعد میلوں کے جانا چاہیے کہ میلوں میں بدعات وامورِ نامشروعہ اکثر ہوتے ہیں، اور عام لوگ اپنے نفس پر ان سے بچنے کا قابو نہیں رکھتے، اور اولیائے کرام کے دربار میں گناہ کا ارتکاب اور زیادہ سخت۔

(مجمع المسائل ۱/۱۱۰)(فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۱۹-۳۱۸)

(۲) کسی نماز کے بعد (روضۂ مبارک کی تصویر لگا کر پابندی سے تصویر کی طرف رخ کرکے) اجتماع والتزام کے ساتھ بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابہ وتابعین سے، اور نہ ائمۂ مجتہدین اور علماء سلف میں کسی سے، اگر یہ عمل اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک محمود ومستحسن ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور ائمۂ دین اس کو پوری پابندی کے ساتھ کرتے، حالاں کہ ان کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا، اس سے معلوم ہوا کہ درود وسلام کے لیے اجتماع اور التزام کو یہ حضرات بدعت وناجائز سمجھتے تھے جس کے متعلق رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد صحیح بخاری ومسلم میں بروایتِ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا منقول ہے: ''من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد''۔ یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں داخل نہ تھی تو وہ مردود ہے۔

اور صحیح مسلم میں بروایتِ حضرت جابر رضی اللہ عنہ وارد ہے: ''وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة'' یعنی بدترین عمل وہ نئی چیزیں ہیں جو خود

ایجاد کی جائیں، اور ہر نو ایجاد عبادت گمراہی ہے۔ عبادت کے نام پر دین میں کسی نئی چیز کا اضافہ تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناقص قرار دینے کا مرادف ہے، اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: تحریفِ دین کا راستہ ہے؛ اسی لیے حضراتِ صحابہ وتابعین نے اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کل عباد لم یتعبدها أصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها (إلی) وخذوا بطریق من کان قبلکم"۔ یعنی جس طرح کی عبادت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کی تم بھی اس کو عبادت نہ سمجھو؛ بلکہ اپنے اسلاف صحابہ کا طریق اختیار کرو۔ (کتاب الاعتصام للشاطبی ۷/۳۱۱)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفتیم"۔ یعنی تم لوگ ہمارے (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے) آثار کا اتباع کرو اور نئی عبادتیں نہ گھڑو؛ کیوں کہ تم سے پہلے عبادت کا تعین ہو چکا ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۲۱۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اذان کے وقت انگوٹھے چومنا

سوال: "أشهد أن محمدا رسول الله" کے وقت شہادت کی انگلی کو آنکھوں سے چومنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اذان واقامت میں "أشهد أن محمدا رسول الله" کہے جانے پر سنت اور عبادت

سمجھ کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے، نہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم سے انگوٹھا چومنا ثابت ہے، اور اس سلسلہ میں جتنی روایتیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی جاتیں ہیں، وہ سب بے اصل اور بے بنیاد ہیں۔

شامی میں ہے۔ وذكر ذلك الجراحي، وأطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء (١/ ٢٦٧) یعنی علامہ جراحی رحمۃ اللہ علیہ نے اس (انگوٹھے چومنے کی) روایت کو ذکر کیا ہے، اور اس پر طویل گفتگو کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی روایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

شیخ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سلسلہ کی تمام روایتوں کو نقل کرنے کے بعد آخر میں فرمایا ہے کہ: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. (كشف الخفاء ٢ /٢٧١)

''امداد الفتاویٰ'' میں ہے: ''اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، اور جو کچھ بعضے لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے، وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں؛ مگر اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں، پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت چومنے سے بھی زیادہ بدعت اور بے اصل ہے''۔ (۵/ ۲۵۹) (از آداب اذان واقامت ۱۴۰، ۱۴۱) اس سلسلہ میں ایک تفصیلی فتویٰ ''فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم از ۳۰۳ تا ۳۰۷'' موجود ہے، اس کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

اذان واقامت میں کلمۂ شہادت پر انگلی اٹھانا

سوال: ہمارے یہاں مسجد میں بعض لوگ اذان واقامت کے الفاظ أشهد أن لا اله الا الله پر کلمۂ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ ویسے

میں نے کتابوں میں تو صرف التحیات میں لا إله إلا الله پر انگلی سے اشارہ کرنا پڑھا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس کا ثبوت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبر پر اذان دینا

سوال: قبروں پر اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مردے کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا بدعت ہے، اس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ شامی میں ہے: لا يسن الأذان عند ادخال الميت في قبره، كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة (۱/ ٦٦٠) یعنی میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اذان دینا مسنون نہیں ہے، جیسا کہ اس کا رواج ہے، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہونا

سوال: جمعہ کے روز امام صاحب منبر سے خطبہ دے کر اتر کر سیدھے مصلے پر بیٹھ جاتے ہیں، اور اقامت کے وقت حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ثابت نہیں ہے، بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱؍رجب ۱۴۱۵ھ

ستائیسویں رمضان کو ستائیس اذانیں دینا

سوال: رمضان شریف کی ۲۷؍تاریخ کو یہاں کی جامعہ مسجد میں عشاء کے وقت ۲۷؍اذانیں دی جاتی ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ ایسا کر سکتے ہیں اور باعثِ برکت وثواب سمجھتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا بھی ثبوت نہیں ہے، بدعت شنیعہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱؍رجب ۱۴۱۵ھ

ستائیسویں رمضان میں سات اذانیں بدعت ہے

سوال: ہمارے گاؤں میں سالہا سال سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب (لیلۃ القدر) کو عشاء کی نماز سے پہلے سات اذانیں دی جاتی ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ درست ہے؟ جب کہ پنج وقتی ہر نماز سے پہلے صرف ایک ہی اذان ہوتی ہے۔ پھر یہ سات اذانیں کیسی ہیں؟ جب اس بارے میں کہا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہمارے باپ دادا پاگل تھے اب تم آئے ہو شرع بتلانے اور اب تک یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔

میں عالم یا مفتی نہیں جو ہمارے بھائیوں کو سمجھا سکوں اس لیے پوری تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔ اور خلاصہ کریں تا کہ ہمارے بھائیوں کی سمجھ میں آسکے۔ سات اذانیں دینے کا یہ دستور کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ سوائے دوایک گاؤں کے پانچ وقت کی فرض نماز کے علاوہ اور نمازوں کے لیے اذانیں نہیں ہوتیں۔ آپ کے جواب کا شدید انتظار ہے۔ کیوں کہ اب ستائیسویں شب رمضان آرہی ہے اور ہمیں آپ کا صحیح جواب لیلۃ القدر سے پہلے ہی مل جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں نماز عشاء کے لیے سات اذانیں دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے۔ اس لیے یہ طریقہ بدعت ہونے کی وجہ سے واجب الترک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

میت کے سینے پر کلمۂ شہادت لکھنا

سوال: میت کو کفناتے وقت کفن پر کلمہ طیبہ لکھا جاتا ہے، یعنی کفنی پر سینے کے حصہ پر چاک یا پین سے یا مٹی کے کھڈو سے لکھا جاتا ہے، یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز نہیں؛ اس لیے کہ میت کے پھٹنے کی وجہ سے بے حرمتی ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۵۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ / رجب ۱۴۱۵ھ

دودھ بخشوانا، بچوں کو ایصال ثواب کرنا

سوال: (۱) حالتِ شیر خوارگی میں جو بچہ مرجاتا ہے دیہاتی عورتیں قریب جا کر دودھ بخشتی ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟

(۲) نیز نابالغین کے لیے ایصال ثواب کرنا کیسا ہے؟ جبکہ وہ غیر مکلف اور معصوم ہوتے ہیں۔

(۳) شیر خوارگی ہی کے زعم میں برائے ایصالِ ثواب فقراء ومساکین کے لیے دودھ کو ہی اختیار کرتی ہیں، از روئے شرع ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) دودھ بخشنا یا بخشوانا لغو حرکت ہے۔ (ماخوذ از اصلاح انقلاب امت حصہ دوم ۱۵۸)

(۲) بچے معصوم ہیں، گناہوں کے بخشوانے کے لیے ان کے حق میں ایصال ثواب کی ضرورت نہیں۔ ہاں! تحصیلِ انعامات کے لیے دعا کی جائے تو ٹھیک ہے جیسے صلوۃِ جنازہ میں کی جاتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲ / ۳۳)

(۳) بچوں کے ایصال ثواب کے لیے دودھ کو ہی اختیار کرنا التزام مالا یلزم اور تخصیص ہے، جو جائز نہیں ہے، بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / رجب ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

متبرک راتوں میں نفلی عبادت کے لیے اجتماع اور کھانے وغیرہ کا اہتمام

سوال: ایک مسجد میں ۲۷ رمضان کو وعظ ہوا، جس میں وعظ کے بعد حسب استطاعت لوگوں نے نفلی عبادت بھی کی، کہ کچھ نوجوانوں نے کھانا پکا کر عبادت کرنے والوں کی دعوت بھی کی، جس میں محلہ کے کچھ دوسرے مسلمان بھی جنہوں نے شب بیداری نہیں کی تھی شریک ہوئے، اب یہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بدعت تھا، تو اس بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

متبرک راتوں میں نفلی عبادت اپنے اپنے مکان پر انفرادی طور پر کی جائے، اس کے لیے مساجد میں اجتماع اور پھر ان کے لیے کھانے کا انتظام واہتمام درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۹ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا عاشورہ کا روزہ بدعت ہے؟

سوال: (۱) ایک صاحب عاشورہ کے روزہ کو بدعت قرار دیتے ہیں، اس لیے اس کی مشروعیت پر مدلل جواب تحریر فرمائیں، ایسے ہی ان صاحب کا کہنا ہے کہ جو کوئی

شخص اس کے بدعت ہونے کا قائل نہ ہو وہ ضلالت وگمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

روح قبض ہونے کے بعد اگربتی جلانا

(۲) حالتِ نزع میں روح کے قبض ہونے سے پہلے اور بعد اگربتی اور لوبان کا جلانا کیسا ہے؟ مشروع یا بدعت، مستحب یا مستحسن؟ مدلل جواب دیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) یوم عاشوراء کا روزہ نویں کے ساتھ مسنون ہے۔

وأما القسم الثالث وهو المسنون فهو صوم عاشوراء فانه يكفر السنة الماضية مع صوم التاسع لصومه ﷺ العاشر وقال لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع. (مراق الفلاح على هامش الطحطاوی: ۳۵۰)

(۲) روح قبض ہونے کے بعد اس کے پاس خوشبو جلا کر رکھنا مستحب ہے: ويحضر عنده من الطيب. (فتاوی عالمگیری: ۱/۱۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳۰ / محرم الحرام

الجواب صحیح: عباس بسم اللہ عفی عنہ

صلوۃ وسلام کے مسائل

کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کا شرعی حکم

نوٹ: حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا یہ جواب ایک رسالہ کے جواب کے طور پر تحریر کیا گیا ہے، اصل رسالہ کی عبارات چوں کہ جواب کے ضمن میں درج ہیں، اس لیے یہاں محولہ رسالہ شامل نہیں کیا گیا؛ نیز جواب کا سمجھنا اس پر موقوف بھی نہیں۔ (از مرتب)

محترم! سلام مسنون

آپ کا مرسلہ کتابچہ (تالیف جناب ضیاء مجاہد صاحب) موصول ہوا، دار الافتاء کی مصروفیت اور تدریسی و دیگر مصروفیات سے وقت نکال کر جواب لکھ دیا تاکہ آپ حضرات کے لیے کارآمد ثابت ہو، ویسے یہاں کی مصروفیات میں اس قسم کے تفصیلی جواب کی گنجائش کم رہتی ہے؛ بہر حال آپ حضرات کی طلبِ صادق پر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی، اس کو طبع فرمائیں تو چند نسخے یہاں ضرور بھیجیں، دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ والسلام

آپ کے مرسلہ دونوں رسائل ہم نے رکھ لیے ہیں تاکہ فائل رہے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ کا رسالہ ''کھڑے ہو کر سلام باعثِ رحمت، خیر و برکت اور اجر وثواب'' (از ضیاء مجاہد ایم، اے) موصول ہوا۔ رسالہ کا اتنا طویل نام پڑھ کر ہم سمجھے کہ مؤلف کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کا رحمت اور موجبِ اجر وثواب ہونا ثابت فرمائیں گے، مگر جب رسالہ کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ڈھول کی آواز ہے جو اندر سے خالی ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا	جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

رسالہ پڑھنے سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ مؤلف تو دعویٰ اور دلیل کی مطابقت سمجھنے سے عاری ہیں اور نہ ان کو قرآن و حدیث کی اصل زبان یعنی عربی سے ہی واقفیت ہے اور نہ اصطلاحاتِ علمیہ و فقہیہ اور طرق و وجوہ استدلال سے، بالکل غیر متعلق روایات اور اقوال پر اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھی ہے، ہم اس رسالے کے ہر ہر لفظ اور سطر پر

کلام کریں تو بڑی مہلت وفرصت درکار ہے، چند موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کر دیتا ہوں۔

مؤلف نے اس رسالہ کے شروع ہی میں اپنا دعویٰ بایں عبارت پیش کیا ہے:

''محفلِ میلاد میں، نماز جمعہ کے بعد، یا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلسوں میں جس طرح ان دنوں میں مروجہ طریقہ پر کھڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے، وہ نہ صرف جائز و مستحب بلکہ باعثِ رحمت، خیر و برکت، اجر وثواب بھی ہے، اس کے بعد شرک و بدعت کہنا صریح گمراہی، بے دینی و جہالت ہے، درود وسلام کا کھڑے ہو کر پڑھنا قرآن وحدیث وائمۂ اربعہ، اکابرین علماء، فقہاء، محدثین ومتکلمین سے ثابت ہے''۔

لیکن بڑی حیرت ہوئی اس وقت جب کہ پورے رسالہ میں قرآن وحدیث اور ائمۂ اربعہ وغیرہ سے ایک دلیل بھی ایسی نہ ملی جس سے ان کا دعویٰ ثابت ہوتا ہو۔

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اصل متنازع فیہ مسئلہ کیا ہے اس کی تنقیح کرلیں، اور ساتھ ہی اوپر کی عبارت میں مؤلف نے کیا ہوا دعویٰ کیا ہے اس کے اجزاء کو منضبط کرلیں تاکہ یہ بات سمجھنے میں سہولت ہو کہ مؤلف نے اپنے دعویٰ کو کس حد تک مدلل ومبرہن کیا ہے؟

اصل بحث: (۱) یہ یاد رہے کہ انفرادی درود وسلام کے بارے میں کوئی نزاع اور بحث نہیں ہے، کیوں کہ انفرادی طور پر درود کی کثرت کے فضائل حدیث وقرآن میں مذکور ہیں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کا معمول ہے، نہ اس کے لیے کوئی وقت مقرر ہے نہ تعداد، جتنا کسی سے ہوسکے اختیار کرے اور سعادتِ دارین حاصل کرے، نزاع اور بحث تو صرف اس کی مروجہ اجتماعی صورت میں ہے۔

(۲) نیز جس طرح ذکر اللہ، تلاوتِ قرآن کھڑے ہوکر، بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر بھی ہر طرح جائز ہے اسی طرح درود شریف بھی ہر طرح جائز ہے، ہاں اگر کوئی کھڑے ہوکر پڑھنے کو ضروری اور اس کے خلاف کو بے ادبی سمجھے تو یہ ایک غیر واجب کو اپنی طرف سے واجب قرار دینے کی وجہ سے ناجائز ہے، خصوصاً جب کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ نے درود شریف کو بیٹھ کر پڑھنے کی سنت جاری فرمائی ہے تو بیٹھ کر درود وسلام پڑھنے کو خلافِ ادب کہنا اس حکمِ ربانی اور تعلیمِ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہماری بحث میں صرف دو باتیں متنازع فیہ ہیں، ایک درود وسلام کا مروجہ طریقہ اور دوسری اس میں قیام کو ضروری سمجھ کر اس کے خلاف کو بے ادبی قرار دینا۔

اب آپ جناب ضیاء مجاہد صاحب کا یہ پورا رسالہ بغور پڑھ کر بتلائیں کہ انھوں نے اس میں ایک بھی دلیل ایسی پیش فرمائی ہے جس سے اوپر والی دونوں متنازع فیہ باتیں ثابت ہوتی ہوں؟

مؤلف کا دعویٰ: اوپر ہم مؤلف کا دعویٰ ان ہی کے الفاظ میں نقل کر آئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مروجہ طریقہ پر کھڑے ہوکر جو درود وسلام پڑھا جاتا ہے وہ نہ صرف جائز ومستحب بلکہ باعثِ رحمت، خیر وبرکت، اجر وثواب بھی ہے۔

(۲) درود وسلام کا کھڑے ہوکر پڑھنا قرآن وحدیث وائمۂ اربعہ، اکابرین علماء فقہاء، محدثین اور متکلمین سے ثابت ہے۔

مؤلف کے ان دونوں دعووں کو پیشِ نظر رکھیے اور پورے رسالہ کا مطالعہ کیجیے، کیا کوئی ایک دلیل بھی ایسی پیش فرمائی ہے جس سے مروجہ طریقہ اور درود وسلام کا کھڑے ہوکر

پڑھنا ثابت ہوتا ہو؟

ہم مؤلف کے بیان فرمودہ دلائل کا جائزہ تو بعد میں لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، اس سے پہلے مروجہ طریقہ کے بارے میں اصولی کلام کرتے ہیں۔

عبادات کے اندر اپنی طرف سے کیفیات کا تعین کرنا:

یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز اصل ہی میں بری ہو تو وہ بدعت ہوگی بلکہ وہ اہم طاعات اور عبادات بھی جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے (یعنی اس کے لیے کوئی وقت یا کیفیت وہیئت مقرر نہیں فرمائی ہے) ان میں اپنی طرف سے قیود لگا دینا یا ان کی کیفیت بدل دینا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ متعین کر دینا، یہ بھی شریعت کی اصطلاح میں بدعت ہوگی، اور شریعتِ اسلامی اس کو پسند نہیں کرے گی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

عن النبي ﷺ قال: لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي، ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام إلا أن يكون في صوم يصوم احدكم. (مسلم ۱/ ۳٦۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے نماز اور قیام کے لیے خاص نہ کرو، اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے روزہ کے لیے خاص نہ کرو، مگر ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا ہے اور جمعہ کا دن بھی اس میں آجائے تو الگ بات ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی فضیلت نمازِ جمعہ کی وجہ سے ہے، محض اس فضیلت کے سبب جمعہ کی رات کو نماز وغیرہ کے لیے اور دن کو روزہ کے لیے خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابواسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ بدعات کی تعیین اور تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومنها: التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد، (إلى أن قال) ومنها: التزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة. (الاعتصام ١/ ٣٤)

اور ان ہی بدعات میں سے کیفیاتِ مخصوصہ اور ہیئاتِ معینہ کا التزام ہے جیسے کہ ہیئاتِ اجتماع کے ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا (پھر آگے فرمایا) اور ان ہی بدعات میں سے خاص اوقات کے اندر ایسی عباداتِ معینہ کا التزام کر لینا بھی ہے جن کے لیے شریعتِ مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے ہیں۔

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

فاذا ندب الشرع مثلاً إلى ذكر الله فالتزم قوم الاجتماع على لسان واحد وبصوت واحد او في وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات، لم يكن في ندب الشرع مايدل على هذا التخصيص الملتزم بل فيه مايدل على خلافه (الاعتصام ١ /٣٣٥)

جب شریعت نے کسی چیز کی ترغیب دی ہو، مثلاً: ذکر اللہ، سو اگر ایک قوم اس کا التزام کر لے کہ ایک زبان ہو کر ایک آواز سے وہ ذکر کرتی ہے یا دیگر اوقات کے علاوہ کسی معلوم اور مخصوص وقت کے اندر وہ ذکر کرتی ہے تو شریعت کی ترغیب اس معین تخصیص اور التزام پر ہرگز دلالت نہیں کرتی بل کہ وہ اس کے خلاف دلالت کرتی ہے۔

حافظ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان هذه الخصوصيات بالوقت او بالحال والهيأة والفعل المخصوص

يحتاج الى دليل خاص يقتضي استحبابه بخصوصه وهذا أقرب: یہ خصوصیات وقت یا حال اور ہیئت اور فعلِ مخصوص کے ساتھ کسی خاص دلیل کی محتاج ہیں جو علی الخصوص ان کے استحباب پر دلالت کرے اور یہی چیز اقرب الی الصواب ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں: لأن الحكم باستحبابه على تلك الهيأة الخاصة يحتاج دليلاً شرعيا عليه ولا بد. کیوں کہ کسی چیز کے کسی خاص ہیئت کے ساتھ مستحب ہونے پر لازم اور لابدی ہے کہ دلیل شرعی موجود ہو۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

وقريب من ذلك أن تكون العبادة من جهة الشرع مرتبة على وجه مخصوص فيريد بعض الناس أن يحدث فيها أمراً آخر لم يرد به الشرع زاعماً أنه يدرجه تحت عموم، فهذا لايستقيم لان الغالب على العبادات التعبد ومأخذها التوقف. (احكام الاحكام ١/٥١)

کوئی عبادت شریعت میں کسی خاص طریقہ پر ثابت ہو اور بعض لوگ اس کے اندر کچھ تغیر کر دیں اور خیال یہ کریں کہ یہ بھی عموم کے نیچے داخل ہے تو ان کا ایسا خیال درست اور صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ عبادات کے اندر تعبدی طریقہ غالب ہے اور اس کا ماخذ (رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے اطلاع پائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ (محصلا)

صاحبِ مجالس الابرار ایک خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہوئے (آگے ہم اس روایت کا ذکر ان شاء اللہ کریں گے) فرماتے ہیں:

هكذا يقال بكل من اتى في العبادات البدنية المحضة بصفة لم تكن

في زمن الصحابة (مجالس الابرار ۱۳۳) ''ہر اس شخص کے متعلق ایسا ہی کہنا چاہیے (کہ وہ بدعت کا مرتکب ہے) جو خالص بدنی عبادت میں کوئی ایسی صفت اور ہیئت پیدا کرے جو حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھی''۔

کیوں کہ اس تغیرِ ہیئت کی وجہ سے دین بدل جائے گا اور اسی کا نام تحریف دین ہے؛ چناں چہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریف دین کے اسباب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ومنها التشدد وحقيقته اختيار عبادات شاقة لم يأمر بهاالشارع كدوام الصيام والقيام والتبتل وترك التزوج وان يلتزم السنن والآداب كالتزام الواجبات . (حجة الله ۱/ ۱۲۰)

''اور ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ تشدد اختیار کرلیا جائے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی مشکل عبادات کو اختیار کرلیا جائے جن کے متعلق شریعت نے حکم نہیں دیا، مثلاً: کوئی دوامی طور پر روزہ رکھے اور قیام کرے اور عزلت نشینی اختیار کرے اور نکاح کرنا چھوڑ دے، اور مثلاً یہ کہ سنتوں اور مستحبات کا ایسا التزام کرلے جیسا کہ واجبات کا کیا جاتا ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ قانونِ الٰہی نے انسانوں کو اپنی مرضی پر نہیں چھوڑا، عبادات ومعاملات حتی کہ حکومت اور سلطنت کے احکام میں بھی ان کو پابند کردیا ہے تا کہ وہ اپنی اہواء وخواہشات کے تحت اللہ تعالیٰ کے دین کا حُلیہ نہ بگاڑ دیں۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: فجاء ت الشرائع تحملهم على ذلك فى جميع أحوالهم من عبادة أو معاملة حتى فى الملك الذى هو طبيعى للاجتماع الانسان فاجرَته على منهاج الدين ليكون الكل محوطا بنظر الشارع. (مقدمه ابن خلدون ۱۹۰)

''شرائع اسلامیہ اسی لیے تو آئی ہیں کہ لوگوں کو تمام حالات میں (خواہ وہ)

عبادات ہوں یا معاملات حتیٰ کہ ملکی انتظام جو لوگوں کے اجتماع کا ایک طبعی امر ہے، دین پر قائم رہنے کی تلقین کریں اور ان کو دین کے طریقہ پر محض اس لیے قائم رہنے کی تلقین کی ہے کہ ان کے تمام معاملات شارع کی نگرانی میں ہوں"۔

مشہور فقیہ ابو حنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم المصری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: لان ذکر اللہ تعالیٰ لو قصد به التخصیص بوقت دون وقت او بشیء دون شيء لم یکن مشروعا حیث لم یرد به الشرع لانه خلاف الشرع. (بحر الرائق ۱/ ۱۵۹)

"اس لیے کہ ذکر اللہ کی جب کسی ایک ہی وقت کے ساتھ تخصیص کا قصد کر لیا گیا اور دوسرے وقت میں وہ نہ ہوا یا کسی شئ کے ساتھ ذکر اللہ کو مخصوص کر لیا گیا، دوسری چیز کے ساتھ وہ خاص نہ کیا گیا تو وہ مشروع نہ ہوگا، کیوں کہ اس کے متعلق شریعت میں کوئی تخصیص نہیں آئی، لہٰذا وہ خلافِ شرع ہوگا"۔

علامہ موصوف بھی یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ گو اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک بڑی عبادت ہے لیکن جب شریعت نے اس کو کسی خاص وقت کے ساتھ یا جہر اور اخفاء یا اجتماع وانفراد وغیرہ کسی خاص کیفیت اور ہیئت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا تو اس کو اپنی طرف سے کسی خاص وقت یا کسی خاص کیفیت کے ساتھ متعین کر دینا غیر مشروع ہوگا؛ بلکہ تحریفِ دین ہے، اس لیے کہ شریعت نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔

ان اقتباسات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ جب شریعت نے کسی رات یا دن کو کسی عبادت کے لیے مخصوص نہ کیا ہو اور جب ذکر اللہ وغیرہ عبادات کو کسی خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ متعین نہ کیا ہو، تو اپنی طرف سے وقت اور کیفیت کا متعین کرنا، اور اس تعین کا التزام کرنا بدعت بھی ہے، اور غیر مشروع بھی۔

حضرات صحابہ کا ایسی کیفیات اور ہیئات کی تعیین سے متعلق کیا فیصلہ ہے؟:

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دل چسپ نظریہ، خوش آئند سے خوش آئند اقوال، اور بہتر سے بہتر اشعار، ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت پیش نہیں کر سکتا وہ کامل اتباعِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور عمل ہے، انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل، اس کے نیک اور معصوم اقوال اور خیالات نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں، ایک لمحہ کے لیے نشۂ دینی سے سرمست ہو کر اپنی جان دے دینا آسان ہے مگر پوری عمر ہر چیز میں، ہر حالت میں اور ہر کیفیت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے پل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سنت محمدی سے قدم اِدھر اُدھر نہ ہو سب سے زیادہ مشکل امتحان ہے، اس اتباع کے امتحان میں تمام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پورے اترے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آئینہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیاں سجائیں، اور یہ بولتی چالتی، جیتی جاگتی تصویریں ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہیں اور اسی اتباع کے صحیح جذبہ نے حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور تبعِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور بعد کو آنے والوں کا یہ اہم فرض قرار دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک بات، ایک ایک ادا، اور ایک ایک جنبش کو معلوم کریں اور پچھلوں کو بتائیں؛ تاکہ اپنے اپنے امکان بھر ہر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا گذر مسجد میں ذاکرین کی ایک جماعت پر ہوا، جس میں ایک شخص کہتا تھا، سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر سو مرتبہ تکبیر کہتے، پھر وہ کہتا سو بار لا الہ الا اللہ پڑھو، تو سو بار

تہلیل پڑھتے، پھر وہ کہتا سو دفعہ سبحان اللہ کہو تو وہ سنگ ریزوں پر سو دفعہ تسبیح پڑھتے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ان سنگ ریزوں اور کنکریوں پر کیا پڑھتے تھے وہ کہنے لگے ہم تکبیر و تہلیل و تسبیح پڑھتے رہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فعدّوا من سيئاتكم فانا ضامن أن لا يضيع من حسناتكم شيء، ويحكم يا امة محمد ! ما أسرع هلكتكم، هؤلاء الصحابة بينكم متوافرون وهذا ثيابه لم تبل وآنيته لم تكسر (الى أن قال) او مفتحى باب ضلالة . (مسند دارمی ص۳۸ قلت: بسند صحيح)

"تم ان کنکریوں پر گناہ شمار کرو، میں اس کا ضامن ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا، تعجب ہے تم پر اے امتِ محمد! کیا ہی جلدی تم ہلاکت میں پڑ گئے ہو، ابھی تک حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تم میں بکثرت موجود ہیں اور ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برتن نہیں ٹوٹے۔ (آگے فرمایا) اندریں حالات تم بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو"۔

علامہ قاضی ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کو ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں: أناعبدالله بن مسعود فوالذى لا إله غيره لقد جئتم ببدعة ظلماء او لقد فقتم على أصحاب محمد ا(مجالس الابرار ص۱۳۳)

"میں عبداللہ بن مسعود ہوں، خدائے وحدہ لاشریک لہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے یہ نہایت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے، یا کیا تم علم میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے بڑھ گئے ہو"

اور شیخ الاسلام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ ان کی ایک روایت کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

فقال: اذا رأيتموه فاخبروني، قال: فاخبروه، فاتاه ابن مسعود متقنعاً، فقال: من عرفني فقد عرفني، ومن لم يعرفني فانا عبدالله بن مسعود، تعلمون أنكم لأهدىٰ من محمد ﷺ واصحابه (الى ان قال) لقد جئتم ببدعة عظمىٰ او لقد فضلتم اصحاب محمدا علماً فهذا ابن مسعود انكر هذا الفعل مع امكان ادراجه تحت عموم فضيلة الذكر.(احکام الاحکام ۱/۵۲)

''فرمایا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب تم اس کو دیکھو تو مجھے اطلاع دو، راوی کہتا ہے کہ ان کو اطلاع دی گئی وہ موقع پر پہنچے اور وہ سر پر کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، فرمایا مجھ کو جو جانتا ہے سو جانتا ہے، اور جو نہیں جانتا تو میں بتلا دیتا ہوں کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں، تم سمجھتے ہو کہ تم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہدایت پر ہو (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر فرمایا تم نے ایک بہت ہی بڑی بدعت ایجاد کی ہے یا تم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر علم میں فضیلت حاصل کر چکے ہو؟ (دیکھیے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مخصوص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ اس فعل کا انکار کیا ہے، حالاں کہ فضیلتِ ذکر کے عام دلائل کے تحت اس کا ادراج ممکن تھا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگر چہ تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور وہ محبوب ترین ذکر ہے، لیکن اس کا یہ خاص طرز و طریقہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ خود تمھارا ایجاد کردہ ہے لہٰذا یہ بدعتِ ضلالت بھی ہے اور گمراہی بھی، بدعتِ عظمیٰ بھی ہے اور بدعتِ ظلماء بھی، اور بقولِ امام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ اس مخصوص کیفیت کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فضیلت ذکر کی عام دلیلوں کے نیچے داخل نہیں کیا۔

اور اس روایت کو فریقِ مخالف بھی تسلیم کرتا ہے، چناں چہ (ان کے مسلّم عالم) مولوی عبدالسمیع صاحب رامپوری (صاحبِ انوارِ ساطعہ) لکھتے ہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جہر سے ایک جماعت ذکر اللہ کرنے والوں کو دھمکایا اور ان کے فعل کو بدعت قرار دیا، کتبِ فقہ اور حدیث میں یہ روایت مذکور ہے"۔ (انوار ساطعہ ص ۲۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور باآواز بلند مسجد میں مل کر درود شریف پڑھنا:

درود شریف کا پڑھنا ایک بہت بڑی عبادت ہے مگر انفرادی طور اور آہستہ، چناں چہ مشہور علامہ محمد بن محمد خوارزمی المشہور بالبزازی حنفی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ فتاوی بزازیہ جہر بالذکر کا مسئلہ نقل کرتے ہیں:

عن فتاوی القاضی انه حرام، لما صح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبي ﷺ جهرا وقال لهم: ما أراكم الامبتدعين . (فتاوی بزازیه علی هامش الهنديه ۳ /۳۷۵، شامی ۲/ ۳۵۰)

"قاضی صاحب کے فتاوی سے نقل کیا ہے کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انھوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اس لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تمھیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں"۔

انقلابِ زمانہ دیکھیے: کہ آج جو شخص بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر درود شریف نہیں پڑھتا اہلِ بدعت اس کو مسجد سے نکال دیتے ہیں؛ مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بلند آواز کے ساتھ مسجد میں جہر کے ساتھ درود شریف پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال دیا اور فرمایا: میرے نزدیک تم بدعتی ہو، فریقِ مخالف کو اس روایت سے عبرت حاصل

کرنا چاہیے، وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اور گریبان میں منہ ڈال کر خوفِ خدا کو دل میں رکھتے ہوئے اور قبر وآخرت کا نقشہ سامنے رکھ کر یہ فیصلہ خود صادر فرمائیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بموجب وہ سنی ہیں یا بدعتی؟ اور بلند آواز سے اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنے کو صرف دیوبندی وغیرہ ہی بدعت کہتے ہیں یا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی بدعت کہا ہے؟ ہوش میں آکر جواب دیجیے، باقی خود کو زبانی طور پر سنی کہہ دینے سے کوئی سنی نہیں بن جاتا، سچ ہے: ع

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

علامہ قاضی، امام بزازی، علامہ شامی اور علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہم (۲/ ۲۳۳) وغیرہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو "وقد صح" سے تعبیر کرتے ہیں، اور صحیح بتلاتے ہیں، اور جب صحیح روایت سے یہ معلوم ہوگیا کہ اجتماعی صورت میں اور وہ بھی مسجد میں جہر سے درود شریف پڑھنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک بدعت ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کو وہ بدعتی کہتے ہیں، اور ان کا وجود تک مسجد میں گوارا نہیں کرتے اور فوراً ان کو مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں تو اب ازراہِ دیانت یہ فرمائیے کہ مسجدوں میں اجتماعی رنگ میں جہر سے درود شریف پڑھنے والوں کو منع کرنے سے ہم ہی وہابی ہوتے ہیں یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی اس مبارک فتوی سے کچھ حصہ نصیب ہوسکتا ہے؟ جواب غور سے دینا ہوگا۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن	مصلحت بیں وکارِ آسان کن

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقام بارگاہِ نبوت میں:

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آفتابِ نبوت سے اکتسابِ نور کرنے کے بعد

تمام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نجومِ ہدایت تھے، مگر بعض کو ایسے ایسے جزوی فضائل ومناقب حاصل تھے کہ دوسرا کوئی ان میں ان کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا تھا، ان میں ایک شخصیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر اس درجہ اعتماد تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس چیز کو تمھارے لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ پسند کریں میں بھی تمھارے لیے اس چیز کو پسند کرتا ہوں اور اس پر راضی ہوں''۔ (صحیح مستدرک ۳/۳۱۹)

اور نیز ارشاد فرمایا کہ ''جس چیز کو تمھارے لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پسند نہ کریں میں بھی اس چیز کو تمھارے لیے پسند نہیں کرتا''۔ (الاستیعاب ۱/۳۵۹)

نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرات خلفاءِ راشدین سے بھی کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں۔ (شرح مسلم ۲/۲۹۳)

آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں درجۂ اول کے مفسر جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلی اعتماد حاصل ہے، وہ اس اجتماعی صورت میں مل کر بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی کہتے ہیں، اور اس فعل کو پسند نہیں کرتے، جب ان کو یہ فعل پسند نہیں تو سابق روایت کے پیشِ نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ فعل ہرگز پسند نہیں، اب جس کا جی چاہے ان کی پیروی کرے یا اور کسی کی۔ نبی اپنا اپنا، امام اپنا اپنا۔　　(المنہاج الواضح از ۱۱۸ تا ۱۳۰ ملخصاً)

قیام:

دوسری چیز قیام ہے اس سلسلہ میں بھی اصولی طور پر کچھ گفتگو کرتا ہوں:

کسی بزرگ کے لیے جو بنفسِ نفیس آئے بعض حالات میں بشرطیکہ افراط وتفریط نہ ہو قیام درست ہے، اور اس پر حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ''قوموا الی سیدکم''

کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (شرح مسلم ۲/ ۹۵)

بعض دوسرے حضرات (علامہ ابو عبداللہ بن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ مدخل اور علامہ تورپشتی شارح المصابیح، فتح الباری ۱۱/ ۴۳) اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو گدھے (کی سواری) سے اتارنے کے لیے یہ فرمایا تھا، چناں چہ مسند احمد کی روایت میں ہے "قوموا الی سیدکم فانزلوہ من الحمار" یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "قوموا الی سیدکم" فرمایا ہے، لسیدکم نہیں فرمایا۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس موقعہ پر کیا تھا؟ اور جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع پر کس عمل کو پسند اور کس کو مکروہ سمجھتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لم یکن شخص أحب إلیھم من رسول اللہ ﷺ وکانوا إذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلك. (رواہ الترمذی ۲ /۱۰۰، وقال ھذا حدیث حسن صحیح، مشکوٰۃ ۲ /۴۰۳ ومسند احمد ۳ /۱۵۱، الادب المفرد ۱۳۸)

"حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی محبوب نہ تھا لیکن جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تھے قیام نہ کرتے تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قیام کے عمل کو مکروہ سمجھتے تھے"۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لیے قیام کو پسند نہ کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باوجودیکہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی محبت تھی قیام نہ کرتے تھے، عجیب بات ہے کہ جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پسند نہ کرتے ہوں اور کمالِ محبت (وعقیدت وعظمت) کے باوجود بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پر

عمل نہ کرتے ہوں جب کہ بنفس نفیس آپ ﷺ موجود بھی تھے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر بھی آتے تھے تو پھر آج جب کہ آپ ﷺ کا کسی مجلسِ میلاد میں آنا کسی شرعی دلیل سے ثابت بھی نہیں اور نہ کسی کو نظر آتے ہیں، تو پھر کس طرح قیام کو جائز اور مستحب قرار دیا جاتا ہے بلکہ واجب اور فرض کہا جاتا ہے، اور قیام نہ کرنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے۔

(المنہاج الواضح ۱۶۷، ۱۶۸)

جو حضرات قیام کرنے کو ضروری بتلاتے ہیں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مجلسِ میلاد میں حضورِ اقدس ﷺ تشریف لاتے ہیں، جناب ضیاء صاحب نے بھی اپنے رسالہ کے ص: ۵ پر اسی دعویٰ کو دہرایا ہے، لیکن اس پر کوئی دلیل قرآن مجید یا حدیث شریف یا کتبِ اصول یا کتبِ کلام سے پیش نہیں فرمائی، ایسی چیز کا ثبوت آنکھوں سے دیکھ کر ہو سکتا ہے یا دلیل شرعی سے ہو سکتا ہے، حاضرینِ مجلس یہ دیکھ نہیں رہے ہیں اور دلیلِ شرعی قائم نہیں، پھر ثبوت کیسے ہو گیا؟ جب مجلسِ میلاد میں آپ ﷺ کا تشریف لانا ثابت نہیں تو پھر تشریف آوری کے خاطر قیام کرنا غلط ہوا۔ ﴿ھاتوا برھانکم إن کنتم صادقین﴾.

نفس مسئلہ پر اصولی کلام کے بعد اب ہم جناب ضیاء مجاہد صاحب نے بزعمِ خویش جو دلائل اپنے رسالہ میں پیش کیے ہیں، ان کی دعویٰ کے ساتھ کتنی مطابقت ہے وہ کہاں تک درست ہیں ان کا اجمالی اور مختصر جائزہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

مؤلف نے ”قرآن کے ذریعہ تعظیم“ (ص ۲) کا عنوان قائم فرما کر دو آیتیں پیش فرمائی ہیں۔ پہلی آیتِ کریمہ ﴿إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَه يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْماً﴾ ہے، اس آیتِ کریمہ کے متعلق خود مؤلف فرماتے ہیں: ”اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حضور ﷺ پر درود

پڑھنے اور سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے'' (ص ۲) گویا وہ خود بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اس آیت میں درود وسلام کے وقت کھڑا رہنا چاہیے ایسا کوئی حکم موجود نہیں ہے بلکہ صرف درود وسلام پڑھنے کا حکم ہے، اور نفسِ درود وسلام پڑھنے کے حکم سے کس کو انکار ہے؟ اس آیت میں کھڑے رہ کر پڑھنے کا حکم ہوتا تو مؤلف کا دعویٰ ثابت ہوتا، اس لیے ان کا اس آیت کو استدلال میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔

آئیے! اب ہم اس آیت کا وہ مطلب بھی دیکھ لیں جو حضور اکرم ﷺ نے بتلایا ہے۔ صحیح بخاری شریف اور مسلم شریف وغیرہ تمام حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث آئی ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت ان اللہ وملئکتہ الخ نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم ہے صلوٰۃ وسلام) سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے، (تشہد یعنی التحیات میں السلام علیك ایھا النبی کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ الفاظ کہا کرو: اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید اللھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید۔
دوسری روایات میں اس میں کچھ کلمات اور بھی منقول ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو سلام پڑھنے کا طریقہ تو تشہد یعنی التحیات میں پہلے سکھایا جا چکا تھا کہ السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے اس لیے لفظ صلوٰۃ میں انھوں نے اپنی طرف سے کوئی طریقہ مقرر کرنا پسند نہیں کیا، خود حضور ﷺ سے دریافت فرما کر صلوٰۃ کا طریقہ متعین کرایا۔

اس جگہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ شریعتِ مطہرہ کا بتلایا ہوا یہ سلام (جو تشہد میں ہے) اور یہ درود جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کو حالتِ قیام یعنی کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے یا حالتِ قعود یعنی بیٹھ کر؟ اس آیت کا اولین مصداق جو سلام و درود ہے اس کو نبی ﷺ نے بیٹھ کر پڑھنے کی سنت جاری فرمائی ہے تو بیٹھ کر درود و سلام پڑھنے کو خلاف ادب کہنا اس حکم ربانی و تعلیم نبوی (ﷺ) کے خلاف ہے یا نہیں؟

دوسری آیتِ کریمہ جو مؤلف نے استدلال میں پیش فرمائی ہے وہ سورہ فتح کی ہے۔

﴿لتؤمنوا بالله ورسوله وتعزروه وتوقروه وتسبحوه بكرة وأصيلا﴾ (الفتح:۹)

ترجمہ: ''تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس (کے دین) کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہو''۔ اس آیت میں ایمان کے ساتھ مزید تین اوصاف کا ذکر فرمایا ہے جو مومنین میں ہونے چاہیے: تعزروہ، توقروہ اور تسبحوہ ان میں پہلا تعزروہ یہ تعزیر سے مشتق ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور دوسرا توقروہ توقیر سے مشتق ہے جس کے معنی تعظیم، اور تیسرا تسبحوہ تسبیح سے مشتق ہے جس کے معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں۔ ان میں آخری لفظ تو متعین ہے کہ اللہ ہی کے لیے ہوسکتا ہے، اس لیے تسبحوہ کی ضمیر میں بجز اس کے کوئی احتمال نہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو، اسی لیے اکثر حضراتِ مفسرین نے پہلے دونوں جملوں کی ضمیریں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کر کے معنی یہ قرار دیے ہیں کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی یعنی اس کے دین اور رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور اس کی تسبیح کرو۔ اور بعض حضرات نے پہلے دو جملوں کی ضمیر رسول کی طرف راجع کر کے مطلب یہ قرار دیا کہ رسول کی مدد کرو اور تعظیم کرو اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو، مگر بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں

انتشارِ ضمائر لازم آتا ہے جو بلاغت کے خلاف ہے۔ (دیکھیے: تفسیرِ مظہری ۹ / ۶۰۵، تفسیر قرطبی ۱۶ / ۲۶۶، ۲۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ مؤلف کا مقصودِ استدلال اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب کہ پہلی دونوں ضمیروں کو رسول کی طرف راجع قرار دیا جائے جو قولِ مرجوح ہے، نیز ان دونوں ضمیروں کو رسول کی طرف راجع قرار دینے کی صورت میں بھی آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرو، بھلا اس سے کس مومن کو انکار ہوسکتا ہے، لیکن جو بات اصل محلِ نزاع ہے یعنی قیام، یہ کہاں ثابت ہوئی؟

مؤلف جو یہ فرمارہے ہیں کہ ”تعظیم کے آداب میں قیام بھی شامل ہے“۔ (ص ۳) اس کی دلیل تو یہ آیت نہیں ہے، ان کو تو چاہیے تھا کہ ایسی کوئی آیت دلیل میں پیش فرماتے جس سے یہ ثابت ہوتا کہ تعظیم کے آداب میں قیام بھی شامل ہے تب کہیں جاکر یہ دعویٰ کرسکتے تھے کہ قیام کا ثبوت قرآن سے ہے، پھر یہ بات بھی کتنی باعثِ تعجب ہے کہ بقول مؤلف جب آیتِ مذکور میں تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اور ”تعظیم کے آداب میں قیام بھی شامل ہے“۔ (ص ۳) اس لیے گویا قیام کا بھی حکم دیا گیا، تو جو حضرات اس آیت کے اولین مخاطب ہیں، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی پوری زندگی میں درود وسلام ایک بار بھی کیوں کھڑے ہوکر نہیں پڑھا؟ کیا تعظیم کے ان آداب کی رعایت مؤلف اور ان کے رفقاء ہی کے حصے میں آئی ہے؟ اور کیا حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سے محروم تھے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ مؤلف ذرا ہوش سنبھال کر جہالت اور بے ادبی کا الزام قائم کریں اور یہ سوچیں کہ یہ الزام کہاں پہنچ رہا ہے؟

اس آیتِ کریمہ میں ”وتوقروہ“ کی ضمیر کا مرجع رسول کو قرار دینے کی صورت میں

تعظیم سے کیا مراد ہے، وہ ایک عظیم مفسر علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سن لیجیے، فرماتے ہیں:
وتوقروہ أی تدعوہ بالرسالۃ والنبوۃ لا بالاسم والکنیۃ (تفسیر قرطبی ۱۶/ ۲۶۶)
اور ان کی تعظیم کرو یعنی رسول اللہ اور نبی اللہ کہہ کر خطاب کرو، نام اور کنیت سے مت خطاب کرو۔

اس تجزیہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ مؤلفِ رسالہ جناب ضیاء مجاہد صاحب کا یہ دعویٰ کہ درود وسلام کھڑے ہو کر پڑھنا قرآن سے ثابت ہے بلا دلیل ہے، انھوں نے جن دو آیتوں کو دلیل میں پیش کیا ہے، ان میں سے ایک سے بھی یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

آگے مؤلف صاحب ''تعظیم کے لیے کھڑا ہونا'' (ص ۳) کا عنوان قائم فرما کر آبِ زم زم اور وضوء کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینے سے استدلال فرماتے ہیں، یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں پانی کھڑے ہو کر جو پیے جاتے ہیں تو ان کو کھڑے کھڑے پینا تعظیم کی غرض سے ہے، یہ کون سی حدیث سے ثابت ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ مؤلف صاحب نے ان دونوں پانیوں کو کھڑے ہو کر پینے کی علت، جو تعظیم تجویز فرمائی ہے اس پر کوئی دلیل کتبِ حدیث وفقہ سے پیش فرماتے، اس لیے کہ کتبِ حدیث وفقہ سے تو صرف اتنا ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دونوں پانی کھڑے کھڑے نوش فرمائے، ان میں یہ بات کہاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان دونوں پانیوں کو کھڑے ہو کر پینا تعظیم کی غرض سے تھا؟ مؤلف صاحب نے ایک علت اپنی طرف سے گھڑ لی، اور استدلال کرلیا، یہ کون سی دیانت ہے؟ ان دونوں پانیوں کو کھڑے ہو کر پینے کی توجیہ اور تعلیل میں حضرات محدثین اور فقہاء نے مختلف باتیں کہی ہیں لیکن کسی ایک نے بھی یہ نہیں لکھا کہ یہ کام بغرضِ تعظیم کیا گیا تھا۔

''مشکوٰۃ شریف'' کے شارح محدثِ عظیم حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات

شرحِ مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وجه تخصيصهما أن المطلوب فی ماء زمزم التضلع و وصول بركته إلى جميع الاعضاء وكذا فضل الوضوء، مع افادة الجمع بين طهارة الظاهر والباطن وكلاهما حال القيام اعم وبالنفع اتم . (مرقات ۸/ ۲۱۸)

”ان دونوں پانیوں کو (کھڑے ہو کر پینے کی) وجہِ تخصیص یہ ہے کہ آب زم زم میں مطلوب یہ ہے کہ خوب سیر ہو کر پیا جائے اور اس کی برکت تمام اعضاء کو پہنچے، اسی طرح وضو کے بچے ہوئے پانی میں، ساتھ ہی اس میں ظاہر کے ساتھ باطن کی طہارت بھی حاصل ہو اور یہ دونوں باتیں حالتِ قیام میں زیادہ عمدہ طریقے سے حاصل ہوتی ہیں، افادیت بھی تام ہوتی ہے“۔

ان دونوں کے علاوہ دیگر پانیوں کو کھڑے ہو کر پینا جو مکروہ بتلایا گیا، اس کی کراہت کے متعلق علامہ شیخ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ شارح منیہ فرماتے ہیں: واجمع العلماء على ان هذه الكراهة تنزيهية، لانها لامر طبي لا لأمر ديني . (كبيری ۳۶)

”علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی یہ کراہت تنزیہی ہے، اس لیے کہ یہ ممانعت ایک طبی وجہ کے پیشِ نظر ہے دینی وجہ کی بنیاد پر نہیں“۔

چناں چہ اس طبی وجہ کی وضاحت فرماتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ”زاد المعاد“ میں رقم طراز ہیں:

وللشرب قائما آفات عديدة منها: انه لا يحصل به الری التام ولا يستقر فی المعدة حتى يقسمه الكبد على الاعضاء وينزل بسرعة وحدة الى المعدة فيخشى منه ان يبرد حرارتها ويشوشها ويسرع النفوذ الى اسافل البدن بغير

تدرج وكل هذا يضر بالشارب . (زادالمعاد ۳ /۲۹۳)

''کھڑے کھڑے پانی پینے میں کئی نقصانات ہیں، جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس طرح پینے سے مکمل سیرابی حاصل نہیں ہوتی، اور پانی معدہ میں جمنے نہیں پاتا کہ جگر اس کو دیگر اعضاء پر تقسیم کر سکے، اور اچانک تیزی سے معدہ میں اترتا ہے جس کی وجہ سے اس کی اصلی حرارت ختم ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے، اور غیر تدریجی طریقہ پر بدن کے زیریں حصہ میں سرایت کرتا ہے اور یہ تمام امور پینے والے کے حق میں نقصان دہ ہوتے ہیں''۔

یہ ہیں وہ نقصانات جن کی وجہ سے پانی کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا گیا لیکن آبِ زم زم اور وضوء کا باقی ماندہ پانی حسبِ تصریحِ علماء شفاء ہے۔ اس لیے ان کو کھڑے ہو کر پینے میں ان نقصانات کا اندیشہ نہیں ہے، اس لیے ان کو کھڑے ہو کر پینے کی اجازت دی گئی ہے، اسی لیے امام ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ جو حنفیہ کے بڑے امام ہیں، انھوں نے اس کو محض اباحت پر محمول کیا ہے، استحباب پر نہیں، صاحب درِ مختار علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ اور شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ دیکھیے: شامی ۱ / ۹۵، ۹۶۔

اس لیے ضیاء مجاہد صاحب کا یہ دعویٰ کہ زم زم کا پانی اور وضوء کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا تعظیم ہے، درست نہیں ہے۔ تعظیم والی بات ان کی اپنی گھڑی ہوئی ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ کا ہے، بخاری شریف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی جگہ انہی کے حوالے سے بیان فرمایا ہے، پھر اس واقعہ سے مؤلف صاحب اپنے قیام پر کس طرح استدلال فرماتے ہیں؟ اس روایت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ

نماز کی حالت میں بھی حضور اکرم ﷺ بلائیں تو آ جانا چاہیے، تو اس سے کس کو انکار ہے؟ اصل بحث تو چل رہی ہے درود وسلام میں قیام کی، جو حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے کہاں ثابت ہوا؟ رہی نفسِ تعظیم تو وہ یہاں زیرِ بحث ہی نہیں، اس لیے کہ وہ تو ایک مسلم امر ہے، مؤلف صاحب اپنے اندازِ تحریر سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ فریقِ مخالف گویا رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہی کا قائل نہیں ہے، یہ صریح بہتان ہے۔

آگے عالمگیری میں آدابِ زیارتِ قبر مبارک علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کی عبارت ذکر کی ہے، جس میں کھڑے ہونے کا ذکر ہے، تو سوال یہ ہے کہ نبی ﷺ کی قبرِ مبارک کی زیارت کے وقت وہاں کھڑے رہنے سے کس نے انکار کیا؟ لیکن اس عبارت سے آپ کا مروجہ صلوٰۃ وسلام میں کھڑا رہنا کیسے ثابت ہوا؟ استدلال کا یہ انداز تو مؤلف صاحب ہی کا امتیاز ہے۔

اس کے بعد مؤلف صاحب نے عنوان قائم کیا ہے "صحابہ کرام کا تعظیماً قیام" (ص ۴) اس میں سب سے پہلے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ذکر کی ہے، اول تو اس روایت کا کوئی حوالہ ذکر نہیں کیا، حالاں کہ اس کی ضرورت تھی، خیر ہم ہی اس روایت کا حوالہ اور اس سے مؤلف کا مطلوب حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ تفصیل سے عرض کرتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف ۲ / ۴۰۳ پر یہ روایت بیہقی کی شعب الایمان کے حوالہ سے ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے: عن أبی هريرة قال: كان رسول الله ﷺ يجلس معنا فی المسجد، يحدثنا فإذا قام قمنا قياما حتى نراه قد دخل بعض بيوت أزواجه.

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما رہتے تھے اور ہم سے محوِ گفتگو رہتے تھے، پھر جب آپ مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی

اٹھ جاتے اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی حجرہ میں داخل ہوتا دیکھ لیتے وہاں تک کھڑے رہتے''۔

اس موقعہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کھڑا ہونا بغرض تعظیم تھا؟ مؤلف صاحب تو یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن آیئے! ہم یہ دیکھیں کہ حضراتِ محدثین اس کی کیا توجیہ وتشریح فرماتے ہیں؟ مشکوٰۃ شریف کے مشہور شارح، محدثِ عظیم حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح فرماتے ہوئے (ہم کھڑے ہوجاتے تھے) کی وجہ بتلاتے ہوئے رقم طراز ہیں: أی لانفضاض المجلس لا للتعظیم، لأنهم ماكانوا يقومون له مقبلا فكيف يقومون له مدبراً. (مرقات شرح مشکوٰۃ ۹/ ۸۶)

''یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کھڑا ہوجانا مجلس ختم ہوجانے کی وجہ سے تھا، تعظیم کی غرض سے نہیں تھا، اس لیے کہ جب وہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر (تعظیماً) کھڑے نہیں ہوتے تھے تو بھلا تشریف بری پر کیسے (تعظیماً) کھڑے ہوتے''؟

دیکھا آپ نے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے صاف صاف الفاظ میں تعظیماً کھڑے ہونے کی نفی فرمادی، اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ کھڑا ہونا تعظیماً نہیں تھا بلکہ مجلس ختم ہوجانے کی وجہ سے تھا، تو پھر وہ حضرات آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان میں داخل ہونے تک کیوں انتظار فرماتے تھے؟ اس کا جواب بھی حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیے:

ولعلهم كانوا ينتظرون رجاء أن يظهر له حاجة إلى أحد معهم، أو يعرض له رجوع إلى الجلوس معهم، فاذا أيسوا تفرقوا ولم يقعدوا لعدم حلاوة الجلوس بعده صلى الله عليه وسلم (مرقات شرح مشکوٰۃ ۹/ ۸۷)

''اور یہ حضرات اس امید پر کھڑے رہتے ہوں کہ ممکن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان

میں سے کسی سے کوئی کام پڑے یا آپ دوبارہ ان کے پاس بیٹھنے کو تشریف لے آویں (لیکن جب مکان میں داخل ہوجانے کی صورت میں) وہ حضرات دوبارہ واپسی سے مایوس ہوجاتے تو اب وہاں نہ بیٹھتے کہ آں حضرت ﷺ کی مبارک مجلس ختم ہونے کے بعد تنہا ان حضرات کا بیٹھے رہنا بے لطف رہتا‘‘۔

چناں چہ مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (شارحِ بخاری شریف) بھی تقریباً یہی توجیہ فرماتے ہیں:

سبب تاخيرهم حتى يدخل لما يحتمل عندهم من امر يحدث له حتى لا يحتاج اذا تفرقوا ان يتكلف استدعاء هم (فتح الباری ۱۱/۴۴) ’’حضور ﷺ کے مکان میں داخل ہوجانے تک ان حضرات کے کھڑے رہنے کی وجہ یہی ہے کہ ان کو خیال رہتا ہوگا کہ اگر کسی وجہ سے حضور ﷺ کو ان میں سے کسی ایک کی ضرورت پڑے تو آپ ﷺ کو انھیں دوبارہ بلانے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے‘‘۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تائید میں اسی روایت کے وہ الفاظ پیش فرمائے ہیں، جو ابوداؤد شریف (۲/ ۶۵۸ باب الحلم واخلاق النبی ﷺ) میں وارد ہوئے ہیں۔ اب ذرا مؤلف صاحب انصاف سے بتلائیں کہ کیا اس روایت سے ان کا استدلال درست ہے؟

اس کے بعد مؤلف نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ والا واقعہ ذکر کیا ہے، ہم شروع میں جو اصولی کلام کرچکے ہیں اس میں اس کی حقیقت بیان ہوچکی ہے؛ البتہ اس جگہ مؤلف نے حقائق کو مسخ کرکے جس طرح پیش کیا ہے اس کی نقاب کشائی ضروری ہے، مؤلف صاحب فرماتے ہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے لیے

بذاتِ خود کھڑے ہو کر اور سب کو کھڑا کروا کر جو تعظیم کا درس دیا ہے وہ رہتی دنیا تک درس رہے گا۔ (ص ۵)

اس عبارت میں جو دعویٰ کیا ہے وہ سراسر غلط ہے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی آمد پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس کھڑے نہیں ہوئے اور نہ ہی تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف انصار کو اور ان میں بھی صرف وہ حضرات جن کا تعلق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ سے تھا یعنی قبیلۂ اوس کے حضرات کو فرمایا کہ اٹھو اور اپنے سردار کو گدھے پر سے اتارو، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس وقت بیمار تھے از خود سواری سے اتر نہیں سکتے تھے ان کو سہارا دے کر اتارنے کی ضرورت تھی، خدمت کا کام ہونے کی وجہ سے ان کے قبیلہ والوں (جن کے یہ سردار تھے) کو زیادہ مناسب تھا اس لیے انہی کو کہا گیا۔ دیکھیے: فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۱/ ۴۳

مؤلف کے اس رسالہ کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف صاحب نے قرآن وحدیث اور کتب حدیث وفقہ وغیرہ اصل مراجع کی طرف رجوع کرنے کے بجائے کسی کے اردو رسالہ کو سامنے رکھ کر یہ تحریر تیار فرمائی ہے، عربی زبان سے ناواقفیت بھی صاف مترشح ہوتی ہے اس لیے کہ جتنی روایات بھی پیش فرمائی ہیں ان تمام میں کچھ نہ کچھ تحریف ومسخ سے کام لیا ہے۔

خدارا! قرآن وحدیث اور شریعتِ مطہرہ کو اس طرح تختۂ مشق نہ بنایئے۔

خلق اللہ للحروب رجالا ورجالا لقصعة وثريد

آگے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت والے واقعہ کو قیامِ تعظیمی سے کیا نسبت ہے؟

اس کے بعد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی آمد کا واقعہ ذکر کیا ہے، اس میں تو مؤلف صاحب نے اپنی کم فہمی اور کج فہمی کو آسمان پر پہنچا دیا۔ میں اصل واقعہ پیش کرتا ہوں اس کو سامنے رکھ کر اندازہ فرمائیں:

مشکوٰۃ شریف "باب المعانقة والمصافحة" ص ۴۰۲ پر یہ حدیث ہے:

عن عائشة رضى الله عنها قالت: قدم زيد بن حارثة المدينة، ورسول الله ﷺ فى بيتى، فاتاه، فقرع الباب، فقام إليه رسول الله ﷺ عريانا يجر ثوبه، والله مارأيته عريانا قبله ولا بعده، فاعتنقه وقبله. (رواه الترمذى)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف فرما تھے، چناں چہ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمِ اطہر کے اوپر کے حصہ کی چادر کھینچتے ہوئے ایسی حالت میں کہ وہ حصہ کھلا تھا اٹھے اور (حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لیے دروازہ کھول کر) ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ بخدا! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (کسی کا استقبال کرتے ہوئے) اس طرح بالائی جسمِ اطہر کھلا ہونے کی حالت میں نہیں دیکھا"۔

اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھڑا ہونا مذکور ہے وہ بھی اس لیے تھا کہ دروازہ کھولیں، چناں چہ علامہ ابوعبداللہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے المدخل ۱/۱۷۸ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اب مؤلف صاحب کیا بیان فرما رہے ہیں وہ ملاحظہ ہو: "زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دروازۂ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوئے، دروازہ کھٹکھٹایا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو

تعظیماً کھڑے ہو گئے اور آپ کو گلے لگایا اور بوسہ دیا"۔ (ص۶)

اصل روایت ہم نے اوپر ذکر کر دی ہے اس میں صراحت ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے دروازہ کھٹکھٹانے پر کھڑے ہونے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں نہ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ، جب کہ جناب ضیاء مجاہد صاحب فرما رہے ہیں کہ کھڑے ہونے والے حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کھڑا ہونا تعظیم کے لیے نہیں تھا بلکہ دروازہ کھولنے کی غرض سے تھا، چناں چہ علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الا تری أنه ذکر فی الحدیث أنه قرع الباب فقام علیه الصلاة والسلام لیفتح له الباب ففتحه واعتنقه. (المدخل ۱/ ۱۷۸)

"دیکھتے نہیں کہ حدیث میں موجود ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازہ کھولنے کے لیے اٹھے؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دروازہ کھولا اور حضرت زید کو گلے لگایا"۔

اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گلے لگانے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، اور جن کو گلے لگایا گیا وہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے، جب کہ مؤلف صاحب تحریر فرماتے ہیں: "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گلے لگایا اور بوسہ لیا" (ص۶) گویا گلے لگانے والے حضرت زید ہیں، جن کو گلے لگایا جا رہا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، حالاں کہ یہ بات غلط ہے۔

الحاصل مؤلف کی یہ پوری تحریر اس قسم کی غلط فہمیوں اور غلط بیانوں کا مجموعہ ہے، ہم نے چند نمونے پیش کر دیے ہیں، آگے چل کر مؤلف نے ائمہ اربعہ کی طرف جو نسبت فرمائی ہے وہ بھی صریح کذب ہے، ائمہ اربعہ جب بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے وہ چاروں امام جن کی تقلید کی جاتی ہے، یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی،

حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ، ان میں سے کسی امام سے یہ قیام ثابت نہیں ہے۔

اس مروجہ طریقہ سے قیام کے ساتھ درود وسلام پڑھنا زمانۂ خیر القرون یعنی دورِ نبوت ودورِ صحابہ ودورِ تابعین واتباعِ تابعین میں ثابت نہیں، یہ حضرات عشقِ نبی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں کامل تھے، محبت ان میں زیادہ تھی، آنحضرت ﷺ کا احترام اور تعظیم ان حضرات سے بڑھ کر کون کرسکتا ہے؟

اگر مؤلف صاحب ہمت کر کے ان سے ثابت کر دیں تو چشمِ ماروشن، دلِ ماشاد، کسی مسلمان کو اس سے سرِ مواختلاف نہیں ہوسکتا، لیکن فریق مخالف خیر القرون سے اس کا ثبوت نہ پیش کر سکے اور قیامت تک نہیں کر سکے گا، تو سوال یہ ہے کہ باوجودِ محرک وسبب کے یہ مبارک کام اور کارِ ثواب اس وقت کیوں نہیں ہوا؟ اور آج یہ کیسے کارِ ثواب اور مبارک ہوگیا ہے؟ بس صرف اسی نقطہ پر نگاہ جما کر دوٹوک فیصلہ کرنا چاہیے، وہ تمام فوائد وبرکات اور منافع اس وقت بھی تھے جن کو آج اہل بدعت حضرات بیان کرتے ہیں، مؤلف صاحب اور ان جیسے دیگر حضرات جنھوں نے اس کے اثبات پر جو دوراز کار، بے فائدہ، اور لایعنی دلائل پیش کر کے صفحات سیاہ کر دیے ہیں، ان کو صرف اور صرف اس مرکزی نقطہ پر نگاہ جمانی چاہیے تھی کہ جو کچھ آں حضرت ﷺ اور اصحابِ خیر القرون نے کہا اور کیا وہی دین ہے اور بس۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست	اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

درود شریف پڑھنے سے شرکت فی البدعت کا شائبہ ہو تو درود نہ پڑھے

سوال: ہمارے یہاں بدعتی اور دیوبندی دونوں فرقے ہیں، مسجد دونوں کی ایک ہے، امام بدعتی ہے فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، عصر، فجر کی بعد دعاء کے بعد "الفاتحة" کہہ کر فاتحہ پڑھتے ہیں پھر آیتِ درود پڑھ کر سب لوگ درود شریف بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں تو کیا ہمیں بھی درود شریف پڑھنا چاہیے، اگر ہم کسی وجہ سے وہاں بیٹھے ہوئے ہوں تو کیا خاموش رہنا چاہیے؟ کیوں کہ آیت کریمہ کی بناء پر درود واجب ہو جاتا ہے، اور بدعتیوں کا یہ عمل بدعت ہے تو درود شریف پڑھنے کی بناء پر شرکة فی البدعة تو لازم نہیں آتا؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آیت کریمہ میں جس درود شریف کا حکم دیا گیا ہے وہ ذکر وسماعِ اسم نبوی ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں؛ بلکہ مطلق ہے اس لیے زندگی میں ایک مرتبہ بھی درود شریف پڑھ لینے سے ذمہ بری ہو جائے گا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قلت: وظني أن الاصح في الاستدلال بالآية ماذهب اليه الكرخي حيث لاتوقيت في الآية، ولا إشارة فيها إلى الذكر و السماع بل الامر مطلق، وهو لايقتضي التكرار وهو الذي رجحه أبو بكر الجصاص في الاحكام حيث قال قوله تعالىٰ ﴿يٰايها الذين آمنو صلوا عليه﴾ قد تضمن الأمر بالصلوٰة على النبي ﷺ و ظاهره يقتضي الوجوب وهو فرض عندنا

فمتی فعلها الانسان مرة واحدة فی صلوٰة او غیر صلوٰة فقد ادی فرضه وهو مثل کلمة التوحید و التصدیق بالنبی ﷺ متی فعله الانسان مرة واحدة فی عمره فقد ادی فرضه اھ (احکام القرآن ۳/ ۴۸۸)

البتہ احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر شریف کے وقت بھی درود پڑھنا ضروری ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو لیا ہے، اور صاحب تحفہ نے اس کو مختار قرار دیا ہے: ومن الواجب عند الاکثرین عنده ذکره او سماع اسمه علیه الصلوٰة والسلام، کما ذهب الیه الطحاوی واختاره فی التحفة للاحادیث المذکورة انفا . (ایضا ۳/ ۴۸۹)

فتح القدیر میں ہے: وجعل فی التحفة قول الطحاوی أصح (۱/ ۳۱۸)

لیکن امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ عدم وجوب کے قائل ہیں: وانما وقع الخلاف بین الطحاوی والکرخی فی وجوبها کلما سمع ذکره من غیره (بحرالرائق ۱/ ۳۴۶)

امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے کرخی کے قول کو راجح قرار دیا ہے: (قوله ورجحه شمس الائمه) قال فی النهر قال السرخسی وهو المختار للفتوی وجعله فی المجمع قول عامة العلماء . (منحة الخالق حاشیه بحرالرائق ۱/ ۳۴۶)

اب جب کہ صورتِ مسئولہ میں درود پڑھنے کی صورت میں شرکت فی البدعۃ یا تشبہ بالبدعۃ کا شائبہ موجود ہے تو شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے قول مختار پر عمل کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا؛ لیکن اس کی تصریح نہیں دیکھی، اس لیے دیگر علماء سے بھی تحقیق کر لی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ۱۲/ ۱۴۰۶ھ

اذان سے قبل درود شریف پڑھنا

سوال: یہاں ہماری مسجد میں اور تقریباً قرب وجوار کی تمام مساجد میں اذان سے پہلے باآواز بلند درود شریف پڑھا جاتا ہے جو اس طرح سے ہے صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ وسلم، صلاۃ وسلاما علیک یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درود شریف کا موقع شریعت مطہرہ نے اذان کے بعد بتایا ہے نہ کہ اذان سے پہلے؛ لہٰذا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا خواہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ بہرکیف ناجائز اور بدعت ہے، اور دین میں اپنی طرف سے زیادتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نماز کے آخر کے بجائے نماز شروع کرتے ہی سبحانک اللہم کے بجائے درود پڑھنے لگے، اور روکنے والے کو درود شریف کا منکر بتائے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ

اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا

سوال: اقامت سے پہلے بھی یہی درود شریف باآواز بلند پڑھا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اقامت سے پہلے بھی درود شریف پڑھنا بدعت ہے، مراقی الفلاح کی شرح طحطاوی میں ہے: ومن المکروھات الصلوۃ علی النبی ﷺ فی ابتداء الاقامۃ لانہ

بدعة (۱۱۵) یعنی اقامت کے شروع میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ بدعت ہے۔ (آداب اذان واقامت صفحہ ۱۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ / رجب ۱۴۱۵ھ

نماز پنج گانہ کے بعد بہ آواز بلند درود شریف پڑھنا

سوال: پانچوں وقت کی فرض نماز باجماعت کے بعد یہاں چند مساجد میں بآواز بلند یہ درود شریف پڑھا جاتا ہے جو تعداد میں ۳/ بار ہوتا ہے: صلى الله عليك يا رسول الله وسلم عليك يا حبيب الله، یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ فعل بلاشبہ منکر اور بدعت ہے؛ بلکہ کئی بدعات کا مجموعہ ہے:

۱) درود شریف کے لیے وقت کی تخصیص۔ ۲) اجتماعی ہیئت کی تخصیص۔ ۳) صورت امامت کی تخصیص۔ ۴) باواز بلند پڑھنے کی تخصیص۔ ۵) ان سب امور کا التزام۔ ان میں سے ہر فعل مستقل ایک بدعت ہے، اس لیے کہ شریعت مطہرہ میں درود شریف کے لیے ان قیود وتخصیصات کا کوئی ثبوت نہیں، جس کام کے لیے حضور اکرم ﷺ نے کوئی خاص کیفیت اور کوئی خاص طریقہ متعین نہ فرمایا ہو اس کے لیے اپنی طرف سے مخصوص طریقے بنالینا دین میں اختراع اور زیادتی ہے، جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو اس طریقہ کا علم نہ تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر اس الزام اور افترا کی وجہ سے بدعت پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ (از احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۴، ۳۶۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ / رجب ۱۴۱۵ھ

بعد نمازِ جمعہ اجتماعی صلاۃ وسلام

سوال: بعد نمازِ جمعہ اجتماعی طور پر شمال مغرب سمت رخ کر کے باآواز بلند سلام پڑھی جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ مساجد میں ایک تختی اس سمت اوپر کی جانب شمال مغرب کونے میں آویزاں رہتی ہے، اس تختی پر اوپر مذکور درود شریف لکھا رہتا ہے، احادیث کی کتابوں میں کیا یہ درود شریف وارد ہے؟ اور یہ طریقہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عن عبد الرحمن بن أبی لیلیٰ قال: لقینی کعب ابن عجرة فقال: سالنا رسول الله ﷺ فقلنا: یا رسول الله! کیف الصلوة علیکم اهل البیت؛ فان الله علمنا کیف نسلم علیك؟ قال: قولوا اللهم صل علی محمد کما صلیت علی ابراهیم الخ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سلام علی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ معلوم تھا، یعنی التحیات لله الخ، مگر درود کا طریقہ معلوم نہیں تھا، سوانھوں نے دریافت کیا اور قولوا سے بیان کیا گیا ہے، یہ مقام ہے تعلیم کا، پس جس طرح تعلیم دیا گیا اس میں اور مروجہ سلام پڑھنے میں کوئی تعلق نہیں؛ اگر یہی مروجہ طریقہ سلام وصلوۃ کا ہوتا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح پر تعلیم دیتے، معلوم ہوا کہ یہ مروجہ طریقہ من گھڑت ہے، اور من گھڑت چیزوں کو دین سمجھنا اور ثواب کی امید رکھنا بدعت ہے۔ اس مروجہ طریقہ کا ثبوت نہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور نہ تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور نہ بزرگانِ سلفِ صالحین سے پایا جاتا ہے۔ مسجد میں جمع ہو کر صلوۃ وسلام پڑھنے والوں کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدعتی قرار دیا ہے، دیکھئے: فتاوی بزازیہ

علی هامش العالمگیریه ٦/٣٧٨ اور شامی ٥/٢٨٢ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ ا/ ۳۶۳ ملخصاً)

کتب حدیث صحاح ستہ میں یہ درود بایں کلمات نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ

درود شریف کی تختی پر پھولوں کا ہار چڑھانا

سوال: شمال مغرب کونے میں جو الصلوة والسلام علیك یارسول اللہ کی تختی آویزاں ہے، اور جس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھتے ہیں، اس تختی پر ہر جمعہ کو پھولوں کا ہار چڑھاتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ

کھڑے ہو کر صلوۃ وسلام نہ پڑھنے پر بریلوی عالم کا اہل حق کو کافر کہنا

سوال: ......شہر میں دو مولوی اپنے وعظ میں عوام کو گمراہ کرتے ہیں، وعظ میں علمِ غیب حضور ﷺ کو ہے، آپ کو بشر نہ مانے وہ ایمان سے خارج ہے، یارسول اللہ کہنا جائز ہے، اور اپنے وعظ میں یوں کہتا ہے کہ: جو صلوۃ وسلام کھڑے ہو کر نہ پڑھے ان کے ہاتھ پیر کیوں نہیں کٹ جاتے! اور یہ بھی کہتا ہے حضور ﷺ حاضر وناظر ہیں، دیوبندی حضور کے دشمن، تبلیغی جماعت میں جانے والوں کو روکتا ہے۔ مذکورہ باتوں سے بھولے بھالے

مسلمان ان کے کہنے میں آجاتے ہیں عوام کا ذہن خراب ہوتا ہے، ان باتوں کو رد کرنے کے لیے ایک جلسہ منعقد کیا، اور یہ جلسہ ۱۹/اگست بروز سنیچر کو رکھا گیا تھا، جس میں گجرات کے مشہور عالم مولانا محمد رفیق صاحب بڑودوی کو دعوت دی تھی، مولانا تشریف لائے اور عوام کو خطاب کیا، اور بہت ہی اچھے انداز میں بیان کیا؛ لیکن ۲۳/اگست بروز بدھ کو یہ دو مولویوں نے اپنا جلسہ رکھوایا، اور اسی جلسہ میں علماء حق اور علماء دیوبند، تبلیغی حضرات کو علی الاعلان کافر ہونے کا فتوی دیا، اور یہ کہہ کر فتویٰ دیا کہ انہوں نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی، اور حضور ﷺ کے صلاۃ وسلام کی ہنسی مذاق اڑائی، انہوں نے حضور کی توہین کی لاحول ولا قوة الا بالله۔ یہ بھی فتویٰ دیا کہ جو لوگ اسٹیج پر بیٹھے تھے ان تمام کو میں کفر کا فتوی دیتا ہوں۔

جاہل عوام الناس اس فتوے کو شہرت دیتے ہیں، یہ مولوی اس طرح لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، جو امام اسٹیج پر بیٹھے تھے ان اماموں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ایسا کہتا ہے، تو مذکورہ مولوی کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ ایسے مولوی کے پیچھے نماز ہوتی ہے کہ نہیں ہوتی؟ کتابوں کے حوالہ سے جواب دے کر ممنون فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بعض مساجد میں کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جمعہ کی نماز یا دوسری نمازوں کے بعد التزام کے ساتھ جماعت بنا کر اور کھڑے ہو کر باآواز بلند بایں الفاظ سلام پڑھتے ہیں، یا رسول سلام علیك، یا نبی سلام علیك، ان میں بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں یا ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، اس لیے یہ سلام خود سنتے اور جواب دیتے ہیں، اس طرح کسی نماز کے بعد اجتماع والتزام کے ساتھ

بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابہ رضی اللہ عنہ وتابعین رحمۃ اللہ علیہم سے اور نہ ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اور علمائے سلف میں کسی سے اگر یہ عمل اللہ ورسول ﷺ کے نزدیک محمود ومستحسن ہوتا تو صحابہ وتابعین اور ائمۂ دین اس کو پوری پابندی کے ساتھ کرتے، حالاں کہ ان کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا، اس سے معلوم ہوا کہ درود وسلام کے لیے اجتماع اور التزام کو یہ حضرات بدعت وناجائز سمجھتے تھے، جس کے متعلق رسول کریم ﷺ کا ارشاد صحیح بخاری ومسلم میں بروایت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہ منقول ہے من أحدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں داخل نہ تھی تو وہ مردود ہے، اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ وارد ہے وشر الامور محدثاتها وكل بدعة ضلالة یعنی بدترین عمل وہ نئی چیزیں ہیں جو خود ایجاد کی جائیں، اور ہر نو ایجاد عبادت گمراہی ہے۔ (جواہر الفقہ)

اسلام میں نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں؛ مگر اس کی بھی نفلوں کی جماعت کو باتفاق فقہاء وائمہ مکروہ کہا گیا ہے، تو کسی دوسری چیز کی جماعت بنا کر دوام والتزام سے کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ صلوٰۃ وسلام کا مذکورہ مروجہ طریقہ جب بدعت ہے تو اس کی ممانعت وشناعت کو وعظ وتقریر میں بیان کرنے والوں پر یہ تہمت لگانا کہ انھوں نے صلوٰۃ وسلام کی کی توہین کی، درست نہیں، انھوں نے صلوٰۃ وسلام کی نہیں؛ بلکہ بدعت کی قباحت وبرائی بیان کی، اور یہ کوئی گناہ نہیں؛ بلکہ ایک عالم دین کا دینی فریضہ ہے کہ وہ عوام الناس کو بدعت کی شناعت وقباحت سے آگاہ کرے، اگر اسی بنیاد پر کسی کو کافر کہلایا جائے تو یہ سلسلہ صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچے گا، اس لیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کوئی بدعت سے نفرت کرنے والا نہیں تھا۔

کسی ایسے آدمی پر کفر کا حکم لگانا جو کافر نہ ہو بڑا خطرناک اقدام ہے، حضور اکرم ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: لا يرمى رجل رجلا بالفسوق و لا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك (رواہ البخاری) اگر کوئی آدمی کسی پر فسق کا حکم لگائے اور کفر کا حکم لگائے؛ مگر جس پر یہ حکم لگایا گیا ہے وہ ایسا نہیں ہے؛ تو یہ حکم اس کے لگانے والے پر لوٹتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ